بزمِ اسلاف

تاریخ چکوال کا ایک سنہری باب

محمد عبیداللہ (قاری)

Marfat.com

۱۵

بزمِ اسلاف

علم و تصوف کا ایک سنہری باب

میاں جمیل احمد
ذخیرہ

محمد عبید اللہ (قاری)

Marfat.com

بزمِ اسلاف

محمد عبیداللہ (قاری)

81163

جملہ حقوق محفوظ

سال اشاعت ______ ستمبر ۲۰۰۱ء

بار اول ______ تعداد 500

ہدیہ ______ -/200 روپے

پروف ریڈنگ ___ عنایت احمد حافظ + عمران احمد فاروق

کمپوزنگ ______ دی کریٹرز ایڈورٹائزنگ ایجنسی چکوال

پرنٹنگ ______ ایس ٹی پرنٹرز، گوالمنڈی، راولپنڈی

کتاب ملنے کے پتے

کشمیر بک ڈپو بالمقابل سبزی منڈی، تلہ گنگ روڈ چکوال

محمد عبیداللہ (قاری) مرکزی عید گاہ چکوال

صاحبزادہ ناصر جمیل ہاشمی F7/4, St.56, H.#.30 اسلام آباد

Marfat.com

میاں جمیل احمد
ذخیرہ
لاہور پاکستان

بزمِ اسلاف

علم و تصوف کا ایک سنہری باب

اس کتاب میں اس خاندان کے چند افراد کے سوانحی خاکے ہیں۔ جس نے اس علاقے میں اسلامی تہذیب اور کتاب و سنت کا احیاء کیا اور مسلک حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو متعارف کرایا جس کا مسکن رتہ شریف تھا۔

محمد عبید اللہ (قاری)

Marfat.com

Marfat.com

انتساب

محترمہ والدہ ماجدہ رحمتہ اللہ علیہا کے نام

جن کی تربیت نے دینی رجحان بخشا اور جن کی رہنمائی نے بے وقار ہونے سے بچایا

محمد عبیداللہ (قادری)

Marfat.com

Marfat.com

حسن ترتیب

اشاریہ — محمد مطلوب الرسول 11

تقریظ — پروفیسر صاحبزادہ محمد عبدالرسول 13

حرف آغاز — محمد قاری عبیداللہ 16

رتہ شریف 17

پس منظر 18

حضرت حافظ الحدیث الحاج محمد اکرمؒ 21

حضرت قاضی غلام محمدؒ 31

حضرت قاضی شمس الدینؒ 35

حضرت قاضی فتح الدینؒ 39

حضرت مفتی امام الدینؒ 43

حضرت قاری وحافظ دین محمدؒ 63

حضرت علامہ مفتی عطا محمدؒ 89

حضرت حافظ عتیق اللہؒ 149

حضرت حافظ حکیم عبدالرزاق عبرت ہاشمیؒ 159

حضرت حافظ جمال الدینؒ 223

حضرت مفتی عبدالقدوس ہاشمیؒ 233

Marfat.com

محترمہ حافظہ روشن بیؒ 261

محترمہ حافظہ غلام زہراؒ 275

محترمہ حافظہ زینب بی بیؒ 291

محترمہ حافظہ منور بیؒ 307

پنجگانہ نمازوں کے بعد کے وظائف 318

ختم خواجگان 319

شجرہ مفتیان رتہ شریف 321

Marfat.com

اشاریہ

زیرِ نظر کتاب اُن پاک ہستیوں کا تذکرہ ہے جنہوں نے ایک عرصہ تک گم کردہ راہوں کو صراطِ مستقیم پر چلایا۔ اپنے فیوضات و برکات سے بے نور سینوں کو نورِ ایمان اور لذتِ عرفان سے منوّر کیا، بے سکون دلوں کو سکون کی دولت سے مالا مال کیا، اپنے مواعظِ حسنہ سے ایک دنیا کی کایا پلٹ دی جنکی صدائے بازگشت ابھی تک ذہن و دماغ میں گونج رہی ہے۔

وہ اس مادی دنیا میں ایک آیہ رحمت تھے کہ اللہ کے بندوں کو مادیات سے نکال کر روحانیات کا درس دیا۔ نسبتِ نقشبندیہ مجددیہ کے ذریعہ سے سالکانِ طریقت کو مقاماتِ علیاء کے رازہائے سربستہ سے آشنا کیا۔ وہ جن کو تصوف اور روحانیت سے دور کا واسطہ بھی نہ تھا ،اُن خاک کے ذروں کو اللہ سے ملا دیا، راہِ نوردِ عشق کو حریمِ ناز کی بو سے آشنا کیا۔

غالباً حضرت علامہ اقبال بھی ایسی ہی پاک طینت ہستیوں سے متاثر ہوئے اور فرمایا

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو
یدِ بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں
جلا سکتی ہے شمع کُشتہ کو موجِ نفس ان کی
الٰہی کیا چھپا ہوتا ہے اہلِ دل کے سینوں میں

لیکن اب چونکہ

Marfat.com

ع آں کدہ بشکست وآں ساقی نماند

ضرورت اس امر کی تھی کہ ان خرقہ پوشوں کی خدمات جلیلہ کو صفحہ قرطاس پر بکھیرا جائے اور نژادِ نو کو بتایا جائے کہ ہمارے اسلاف نے دینی کام اور تصوف و طریقت کی خدمات میں کیسے کیسے کارہائے نمایاں سرانجام دیے۔

مجھے انتہائی خوشی ہے کہ اس ضرورت کو پورا کرنے کیلئے میرے ایک عزیز جناب قاری عبیداللہ صاحب نے قلم اٹھایا اور اپنے عظیم اسلاف کی سیرت و کردار پر بہت کچھ لکھا گو یہ جو کچھ ہے یہ مشتے نمونہ از خروارے کے زمن میں ہی آتا ہے اور صرف یہ کہ

ع ایں قدر ہست کہ بانگِ جرسے میں آید

بہرحال ہم قاری صاحب کے انتہائی ممنون ہیں کہ جتنا کچھ ہو سکتا تھا نہایت کاوش و محنت سے زیبِ کرتاس کیا اور آئندہ نسلوں کو اسلاف کے نمونے کا عکس دکھا دیا۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء

ع ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

باقی ہدایت تو اللہ کے پاس ہے واللہ یجتبی الیہ من یشاء و یھدی الیہ من ینیب

فقط

محمد مطلوب الرسول

12 ستمبر 2001ء

Marfat.com

تقریظ

تصوف عبادات میں درجہ احسان پر فائز ہونے، قرب الٰہی کے حصول اور مشاہدہ حق کی منزل تک رسائی کا نام ہے یہ گویا اسلام کے روحانی نظام کی اصل غائت ہے اس لئے اولیاء اللہ کی زندگی کے حالات محفوظ کرنا اسلام کی اہم ترین خدمات میں سے ایک ہے۔ کیونکہ اس سے ایک فرد کو اس مقام تک پہنچنے میں مدد ملتی ہے۔ وہ اس راستے کے نشیب و فراز سے آگاہ ہوتا ہے جس پر چل کر بزرگان دین مشاہدہ حق کی منزل تک پہنچے۔ اولیاء اللہ کے حالات روشنی کا وہ مینار ہیں جس کی مدد سے انسان مالک حقیقی کی بارگاہ میں باریاب ہوتا ہے۔

رتہ شریف ضلع چکوال کا مفتی خاندان اپنے پورے علاقہ میں علمی اور روحانی کمالات کی بنا پر معروف و مشہور خاندان ہے جس نے پشت ہا پشت سے علاقہ کو علمی و روحانی روشنی سے منور کیا۔ اس خاندان کے حالات قلمبند کرنا وقت کی اہم ضرورت تھی جسے اسی خاندان کے ایک ذہین اور خوش کلام فرد جناب قاری عبیداللہ صاحب نے بڑی خوش اسلوبی سے سرانجام دیا ہے۔

کتاب کا ابتدائی حصہ ان حضرات پر مشتمل ہے جن کے بارے میں تاریخی مواد کی کمی تھی تاہم خاندانی روایات اور علاقہ میں پائی جانے والی زبان زد خلائق روایات نے اس کمی کو پورا کیا۔ حضرت مفتی امام الدین صاحب سے اس خاندان میں رشد و ہدایت کا نیادور شروع ہوتا ہے اور یوں بزرگ تاریخ کی روشنی میں آجاتے ہیں۔ اس کے بعد کادور خود مصنف کی آنکھوں کے

Marfat.com

سامنے گزرا۔ اسی طرح یہ تحریر مستقبل کے کسی تحقیقی کام کے لیے ماخذ کا درجہ رکھتی ہے۔

مصنف کی حقیقت نگاری کا اسلوب اس قدر دلچسپ ہے کہ قاری اس میں کھو جاتا ہے۔اور سارے کردار اس کی آنکھوں کے سامنے گھومتے نظر آتے ہیں حکیم عبدالرزاق عبرت ہاشمی (مرحوم) اپنے دور کی ایک متنازعہ شخصیت تھے مگر مصنف نے ان کے اندر کا انسان اس انداز سے پیش کیا ہے کہ باید و شاید۔

حضرت عبدالقدوس ہاشمی(مرحوم) ایک خوش طبع، خوش الحان اور محفل آرا بزرگ تھے ان کی مجلس میں آکر آدمی اپنے دکھ بھول جاتا تھا۔ انہوں نے اپنے بزرگوں کی روایات کے احیاء کا آغاز کیا اور یہ کام ان کے عزیز مزید آگے بڑھا رہے ہیں۔ مصنف کی یہ کاوش بھی اسی کا ایک حصہ ہے۔ خدا تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے آمین۔

پروفیسر صاحبزادہ محمد عبدالرسول

چیئرمین (ریٹائرڈ) تعلیمی بورڈ سرگودھا

Marfat.com

حرف آغاز

مردِ خدا کسی نمائش کا محتاج نہیں ہوتا۔وہ خود منور ہوتا ہے اور ماحول کو پرنور بنادیتا ہے۔اس کی پرواز اتنی طاقتور ہوتی ہے کہ جس کا اس سے تعلق قائم ہوجائے وہ بلندیوں کو چھونے لگتا ہے۔ اس کی ذات ایک ایسا میٹھا چشمہ ہوتی ہے جو ہر ذی روح کا مرکز و محور بن جاتی ہے۔اسکے کلام میں وہ سچائی ہوتی ہے جسے انسانی قلوب بلا حیل و حجت تسلیم کرنے لگتے ہیں ،اس کی ذات ایک اپنا جہان ترتیب دیتی ہے جس کے خدوخال اس کے وصال کے ساتھ رفتہ رفتہ عوام کے لیے مدھم پڑنا شروع ہوجاتے ہیں اور یہی کمی آخر کار اس کے اخلاف کو اس بات پر مجبور کردیتی ہے کہ ماضی کے اس جہانِ بے مثال کو رسالوں اور کتابوں کی صورت میں عوام الناس کے سامنے لایا جائے تاکہ وہ پرنور دور ایک دوسری صورت میں زندہ و تابندہ ہوکر سامنے آجائے۔

اسی بات کو اگر ہم ایک دوسرے زاویے سے دیکھیں تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس دنیائے رنگ و بو کے وہ عظیم باسی جنہوں نے اپنے اپنے وقتوں میں اپنی پُر فیض ذات سے اندھیروں کو اجالوں میں بدلا،گنواروں کو مہذب بنایا، بے شمار لوگوں پر اپنی شخصیت کا نقش قائم کیا اور اپنے تمام کاموں کو ایسی بے نفسی اور بے ریائی کے تحت تاریخ کے اوراق پر ثبت کیا کہ وہ کسی بھی طرح دنیا والوں سے نہیں بلکہ خالصتاً دنیا بنانے والے سے اجر کے طلبگار رہے۔ ایسے بے لوث انسانوں کے نقوشِ پا کا کھوج لگا کر مخلوق خدا کے سامنے پیش کرنا ہماری خواہش بھی ہے اور ضرورت بھی

Marfat.com

اللہ تعالی نے ہر علاقے اور ہر زمانے میں نادر الوجود شخصیات کو پیدا فرمایا جنہوں نے اپنے وجود سے محفلِ ہستی کو رنگ و نور سے بھر دیا۔ایسے ہی شاذ انسانوں میں سے جن کے ساتھ میرا تعلق رہا یا جن کے متعلق باوثوق ذرائع سے معلومات حاصل کرنا ممکن تھا ،ان کا ایک مختصر خاکہ نذرِ قارئین ہے۔

زیرِ نظر کتاب ان اصحاب کے لیے بھی کارآمد ثابت ہوگی جو علاقے کی ممتاز شخصیات پر کچھ لکھنا چاہتے ہیں اور ان کو معتبر مواد کسی مستند ذریعے سے حاصل نہیں ہوتا۔

آخر میں ،میں تمام معاونین کا شکریہ ادا کرتا ہوں ۔کہ جن کی شبانہ روز محنت کی وجہ سے کتاب کی طباعت کی ناروا تاخیر سے نجات ملی۔

محمد قاری عبید اللہ (قاری)

خطیب مرکزی جامع مسجد ،عید گاہ چکوال

فون نمبر 0573-51468

E.mail:ahrarhashmi@yahoo.com

Marfat.com

رتہ شریف کا ایک منظر

Marfat.com

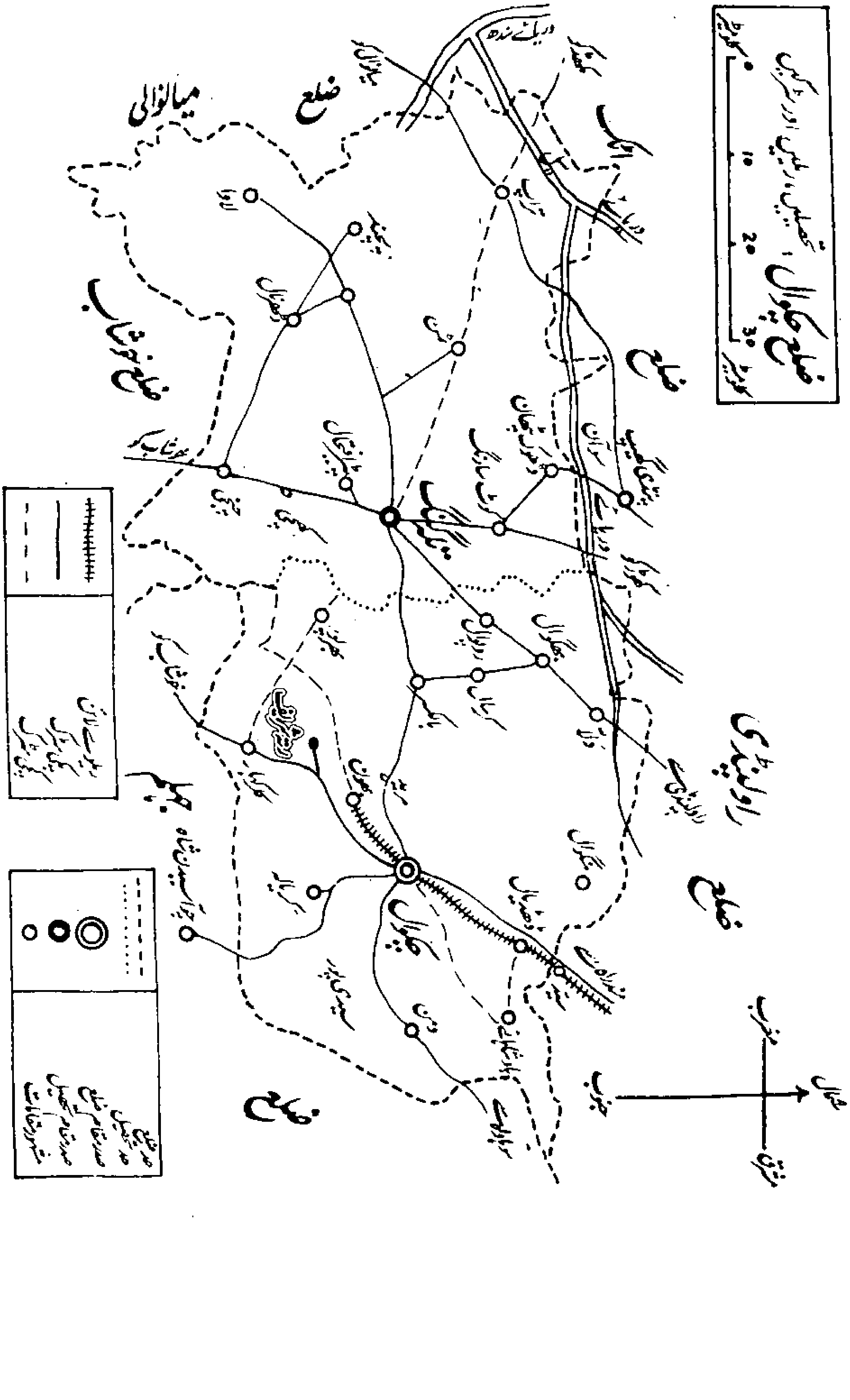

Marfat.com

رتہ شریف؟

چکوال سے تقریباً ۲۰ کلومیٹر جنوب مغرب میں ایک مختصر ترین گاؤں ہے۔ جو رتہ شریف کے نام سے معروف ہے۔ اس کی آبادی بمشکل سو (۱۰۰) گھرانوں پر مشتمل ہے۔ یہ ایک پہاڑی پر واقع ہے۔ جس کے مشرق میں ''دھراب'' نامی ایک ندی ہے۔ جس کا شفاف پانی سدا رواں رہتا ہے۔ وسیع وعریض جنگل میں صاف پانی کی روانی طہارت وپاکیزگی کا نفیس احساس ناظرین کے دل میں پیدا کرتی ہے۔ شاید یہی طاہر ماحول یہاں پاکیزہ روحوں کے قیام اور آبادی کا باعث ہوا ہو۔ جن منزہ اشخاص کے باعث یہ مختصر سی بستی جو کہ ''بقامت کہتر'' تھی ''بقیمت بہتر'' ثابت ہوئی۔ نزدیک و دور کے افراد کی زبانوں پر یہ ضرب المثل بن کر جاری ہوگیا '' جس نے نہ دیکھا ہو مکہ وہ دیکھ لے جا کہ رتہ'' اس قول کے اختراع کا سبب وہ لوگ تھے جنہوں اپنے معتقدین کے دلوں میں مکی اور مدنی انوار کی شمعیں روشن کیں اور لوگوں کی نظروں کا مرکز ومحور بن گئے اور اہل رتہ شریف میں سے مفتی خانوادے کے چند عظیم نام جن کی سیرتوں اور کارناموں سے ہمیں آگاہی حاصل ہے ان کا تذکرہ کتابی شکل میں پیش کرنا ضروری ہے تاکہ مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ ان کے کمالات وحالات پردۂ گمنامی کی نذر نہ ہوجائیں۔ اس خواہش کو لفظی شکل میں دینے کے لئے انشاء اللہ نہ تو محبت وعقیدت کی بناء پر غلو اور مبالغہ سے کام لیا جائے گا نہ کسی کے مقام اور مرتبہ کے پیش کرنے میں انصاف کا دامن ہاتھ سے چھوڑا جائے گا۔ انشاء اللہ العزیز

Marfat.com

پس منظر

مفتی خاندان کا قومیت کے اعتبار سے قطب شاہی اعوانوں سے تعلق ہے۔ جسکی ایک شاخ موضع ''کھچی''،تحصیل تلہ گنگ میں آباد تھی اور علمی و دینی خدمات اورمشاغل کی بناء پر یہ لوگ ''علماء اور قضاۃ'' کے القاب سے معروف تھے ۔ اسی خاندان میں ایک محترم ہستی جن کا نام قاضی محمد امیر تھا ،دیندار لوگوں میں ایک ممتاز مقام رکھتے تھے۔ ان کے دو بیٹے قاضی محمد اکرم اور قاضی غلام محمد تھے ۔ دونوں بیٹوں کی قاضی صاحب موصوف نے نہایت تندہی کے ساتھ تربیت فرمائی اورزیورِ علم وعمل سے آراستہ فرمایا۔ اس وقت کے ماحول اور حصولِ علم کی ضرورت کے تحت قاضی محمد اکرم صاحب نے خصوصی محنت اور شوق و رغبت کے ساتھ علمِ دین کا ماہر اساتذہ سے اکتسابِ فیض کیا جبکہ ان کے بھائی قاضی غلام محمد صاحب کو گھریلو مصروفیات نے جذب کر لیا ۔اگرچہ وہ بھی ضروریاتِ دین سے کماحقہ آگاہ تھے ۔

مفتیانِ رتہ شریف چونکہ قاضی محمد امیر صاحب کی اولاد سے ہیں۔ لہذا آپ کی اولاد سے متعلق جس قدر معلومات معتبر ذرائع سے مل سکیں ان کا اجمالی تذکرہ پس منظر کو سمجھنے کی خاطر قلم بند کیا جاتا ہے۔

Marfat.com

حضرت
حافظ الحدیث
رحمۃ اللہ علیہ
الحاج محمد اکرم

پیدائش ———————— موضع کپھی
وصال ———————— رتہ شریف

Marfat.com

Marfat.com

حافظ الحدیث الحاج قاضی محمد اکرم رحمتہ اللہ علیہ

حضرت حاجی صاحب نے کون سے مدارس اور کن اساتذہ سے استفادہ کیا، اس کے متعلق روایات غیر واضح ہیں۔ البتہ یہ بات قرین قیاس ہے کہ آپ نے اوائل عمر ہی میں تحصیل علم سے فراغت حاصل کر لی اور اندازہ یہ ہے کہ آپ کو حصول علم کے لیے کچھ زیادہ سفری صعوبات برداشت نہ کرنا پڑی ہوں گی۔ وہ اس لیے کہ آپ کے دور میں علم دین کے ہر شعبہ کے مراکز ۲۵ سے ۳۰ کی مسافت کے اندر موجود تھے۔ جیسا کہ اہل علم حضرات جانتے ہیں کہ موضع "ططار" تحصیل چکوال میں درس نظامی کی ایک عظیم درس گاہ موجود تھی۔ جہاں سے اعلیٰ حضرت گولڑوی پیر مہر علی شاہؒ صاحب نے بھی تعلیمی فیض حاصل کیا تھا۔

تکمیل علم کے بعد قاضی محمد اکرم صاحب حج کیلئے روانہ ہو گئے۔ دوران حج مختلف علماء سے ملاقاتوں نے ان کے دل میں یہ شوق پیدا کر دیا کہ فن حدیث میں زیادہ سے زیادہ درک حاصل کرنے کیلئے مدینہ طیبہ میں قیام کی مدت میں توسیع کی جائے۔ چنانچہ آپ وہاں علم حدیث کی گوناگوں مصروفیات کی بناء پر ماہ وسال کی رفتار سے بے خبر ہو گئے۔ سات سال آپ مدینہ منورہ میں رہے۔ آپ نے سات حج بھی ادا کر لیے اور روایات کے مطابق آپ تین لاکھ احادیث مع اسناد حفظ کر لیں اور دوسری طرف آپ کے گھر والوں کو آپ کی طرف سے کسی قسم کی خبر نہ ملنے کی وجہ سے سخت پریشانی کا سامنا تھا۔

چنانچہ آپ کے والد قاضی محمد امیر صاحب بیتاب ہو کر موضع

Marfat.com

"اوڈھروال" ایک صاحب کے پاس پہنچے جن کے قبضے میں جنات تھے۔ قاضی محمد امیر صاحب نے اپنی پریشانی ان کے سامنے رکھی۔ روایات کے مطابق وہ جن ایک رقعہ لیکر گئے۔ اور حجاز کی سرزمین کو کھنگال کر واپس آگئے۔اور اطلاع دی کہ قاضی محمد اکرم صاحب کسی جگہ موجود نہیں ہیں لیکن آپ کے والد صاحب نے استفسار کیا کہ کیا تم لوگ روضۃ النبیؐ کے اندر بھی گئے تھے؟۔ انہوں نے نفی میں جواب دیا۔ چنانچہ انہیں دوبارہ بھیجا گیا اور انہوں نے قاضی محمد امیر صاحب کو روضۃ النبیؐ میں مراقب پایا۔جنات نے رقعہ ان کی جھولی میں پھینکا، قاضی صاحب نے رقعہ پڑھا،اس کا جواب لکھا اور رکھ دیا تھوڑی ہی دیر میں جنات یہ رقعہ لیکر انکے والد کے پاس پہنچ گئے اور قاضی محمد امیر صاحب کو بیٹے کی خیریت اور واپسی کے ارادے کی اطلاع مل گئی۔

چنانچہ مناسک حج سے فراغت کے بعد آپ وطن روانہ ہوئے اور منزل بہ منزل سفر طے کرتے ہوئے جب آپ خوشاب پہنچے تو آپ کو وہاں شب باشی کیلئے رُکنا پڑا۔ اور جامع مسجد کے امام آپ کے میزبان بن گئے (افسوس ہے کہ ان مولوی صاحب کا نام کسی روایت سے سننے میں نہیں آیا) بہر حال حضرت حاجی محمد اکرم صاحب کو مولوی صاحب مذکور کے اصرار پر دو تین روز تک وہاں قیام کیا کرنا پڑا اور پھر آپ مولوی صاحب مذکور سے اجازت لیکر گھر تشریف لائے ،اب قاضی محمد اکرم صاحب صرف حضرت حاجی صاحب کے نام سے موسوم ہوگئے۔ مولوی صاحب خوشاب والوں سے چونکہ راہ ورسم پیدا ہو چکی تھی اور وہ حضرت حاجی صاحب کی شخصیت سے متاثر تھے۔

81163

Marfat.com

لہذا انہوں نے از خود قاضی محمد امیر صاحب سے یہ عرض کیا کہ میں آپ کے بیٹے حاجی صاحب کو اپنا داماد بنانا چاہتا ہوں ۔ مولوی صاحب کی اولادِ نرینہ نہ تھی ۔ صرف دو بیٹیاں تھی ۔ ایک کا نام اللہ جوائی اور دوسری کا نام اللہ ٹھرائی تھا ۔ قاضی صاحب نے یہ رشتہ قبول کر لیا ۔

یہ یاد رہے کہ قاضی محمد امیر صاحب کا شمار موضع ''پکھی'' کے بڑے زمینداروں میں ہوتا تھا ۔ وہ تقریباً ۴۰۰ بیگھہ زرعی زمین کے مالک تھے اور مولوی صاحب خوشاب والے رئیس ترین لوگوں میں سے تھے ۔ یہاں پر یہ عرض کردینا ضروری ہے کہ حضرت حاجی صاحب کو انہی دنوں میں سرورکونینؐ نے بحالت خواب میں حکم فرمایا اورایک جگہ دکھائی کہ تم نقل مکانی کرکے اس جگہ رہائش اختیارکرو ۔ چنانچہ حضرت حاجی صاحب خواب میں دکھائی گئی جگہ کوتلاش کرتے کرتے رتہ شریف پہنچ گئے اور چونکہ یہ جگہ انہوں نے خواب میں واضح طور پر دیکھ لی تھی ۔ لہذا قیام کے فیصلہ میں کسی تردد کا سوال ہی نہ تھا ۔ یہاں حضرت حاجی صاحب اپنے معاملات درس و تدریس اور ذکرواذکار میں مشغول ہوگئے ۔ اس موضع میں کچھ لوگ پہلے آباد تھے ۔ انہوں نے انتہائی خلوص اور تعاون کامظاہرہ کیا ۔ حضرت حاجی صاحب کے والد اور مولوی صاحب خوشاب والوں نے باہمی مشاورت سے شادی کی تاریخ مقرر کردی اور شادی کی تاریخ سے حضرت حاجی صاحب کو بھی مطلع کردیا گیا مولوی صاحب خوشاب والوں نے شادی کی بارات کے لئے کچھ شرائط رکھی تھی ۔ جن میں سے ایک شرط یہ تھی کہ بارات میں ۱۳۰ شملہ دار گھڑسوار ہونے چاہئیں ۔ قاضی صاحب کو یہ شرط پوری کرنے میں خاصی دشواری پیش آرہی تھی لیکن

Marfat.com

حضرت حاجی صاحب نے عرض کیا کہ آپ فکر نہ کریں ،شملہ دارسواروں اور گھوڑوں کا بندوبست ہوجائے گا۔بارات والے دن کی صبح تک کوئی سوار اور کوئی گھوڑا موجود نہ تھا۔صرف ایک گھوڑی تھی جس پر دولہا سوار تھا ۔ حضرت حاجی صاحب کے کہنے کیمطابق بارات پیدل رتہ سے چل پڑی اور ایک میل کے فاصلہ کے اندر اندر گھڑ سوار دائیں بائیں سے آہستہ آہستہ بارات میں شامل ہونا شروع ہوگئے یہاں تک کہ تین میل کی مسافت طے کرنے سے پہلے پہلے گھڑ سواروں کی مطلوبہ تعداد پوری ہوچکی تھی۔بزرگوں سے سنا ہے کہ یہ سواردراصل جنات تھے ۔ خوشاب تک کا راستہ نہ جانے کتنے دنوں میں طے ہوا نہ صرف سوار بلکہ ''بری'' کا ساراسامان اور شیرینی کا انتظام جوکہ کثیر مقدار میں تھا ۔ انہی جنات کے ذریعے سے فراہم کیا گیا ۔خوشاب پہنچنے پر بارات کا استقبال شاہانہ طریقے سے کیا گیااور حضرت حاجی صاحب کا نکاح مولوی صاحب کی بڑی بیٹی اللہ جوائی سے انعقاد پذیر ہوا۔مولوی صاحب نے بیٹی کے جہیز میں باقی سامان کے علاوہ کئی کلو سونے کے زیورات بھی دیئے۔

حضرت حاجی صاحب دلہن سمیت واپس رتہ شریف پہنچ گئے اس وقت ان کی قیام گاہ کی جگہ وہ تھی جو اس وقت حافظ حنیف صاحب ایڈووکیٹ کے حصے میں آچکی ہے حضرت حاجی صاحب تدریس حدیث میں مشہور ہو گئے اور علماء وطلباء نزدو دور سے آکر استفادہ کرنے لگے ۔آپکی زوجہ محترمہ کا اصرار تھا کہ آپ میری چھوٹی بہن کا نکاح اپنے بھائی سے کروا دیں ۔

گوکہ قاضی محمدامیرصاحب اس رشتہ کے زیادہ خواہشمند نہیں تھے ۔لیکن حضرت حاجی صاحب کی درخواست پر راضی ہوگئے اورآپکے بھائی

Marfat.com

غلام محمد صاحب کا نکاح مولوی صاحب کی دوسری بیٹی محترمہ اللہ ٹھرائی صاحبہ سے ہوگیا ۔بعد ازاں قاضی غلام محمد صاحب بھی اپنی بیوی، بھابھی اور بھائی کے ساتھ موضع کھچی سے رتہ شریف منتقل ہوگئے ۔ دونوں بہنیں ایک ساتھ رہنے لگیں اور چونکہ نہایت ناز پروردہ تھیں اس لیے انہوں نے اصرار کرکے اپنے لیے ایک چوبارہ بھی تعمیر کروالیا ۔ رتہ شریف میں شاید یہ پہلا ڈبل سٹوری مکان تھا ۔

روایت ہے کہ موضع بھٹی گجر میں ایک مرتبہ کسی جلسے کی تقریب کی خاطر علماء کا اجتماع کثیر تھا۔ حضرت حاجی صاحب بھی اس اجتماع میں شریک تھے دعوت طعام میں ایک انتہائی عمر رسیدہ جید عالم سے گوشت کی بوٹی کو دانتوں سے نوچنے پر تکرار ہوگئی۔ حضرت حاجی صاحب نے اعتراض کیا کہ آپ کا یہ طریقہ سنت کے خلاف ہے۔ مذکورہ عالم صاحب نے اپنے عمل کے حق میں ایک حدیث پاک پڑھی جس کا جواب حاجی صاحب نے حدیث سے دیا ۔انہوں نے ایک دوسری حدیث طیبہ پیش فرمادی جس کا جواب حضرت حاجی صاحب نے ایک دوسری حدیث سے دیا ۔ پھر اپنے خیال کی تائید میں حضرت حاجی صاحب نے ستر حدیثیں پیش کردیں ۔تمام علماء دم بخود رہ گئے ۔ اس کے بعد حالت یہ ہوئی کہ اشکال حدیث مبارکہ کو حل کروانے کے لیے حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں علماء کے حاضر ہونیکا سلسلہ چل پڑا ۔اور پورے علاقے میں حضرت حاجی صاحب حافظِ حدیث کے لقب سے معروف ہوگئے ۔

حضرت حاجی صاحب کے اشغال واعمال کا سلسلہ چل رہا تھا کہ

Marfat.com

سوئے اتفاق سے پنجاب پر سکھوں کی بادشاہت قائم ہوگی۔ اور سکھ حکومت کے کارندے اپنی دھماچوکڑی سے پنجاب کے گاؤں پامال کرنے لگے۔ حضرت حاجی صاحب کو کسی نے اطلاع دی کہ سکھ کارندے رتہ شریف آنے کا پروگرام بنا رہے ہیں۔ حضرت حاجی صاحب نے ایک تعویز لکھااور ایک لمبی لکڑی کے سرے پر باندھ کر رتہ شریف کی شمالی پہاڑی کوٹ پر گاڑھ دیا۔ چنانچہ سکھ پولیس والے رتہ شریف کا ارادہ لیے بھون سے روانہ ہوئے اور بجائے رتہ شریف کے کلر کہار پہنچ گئے جب کلر کہار والوں نے بتایا یہ تو رتہ شریف نہیں ہے بلکہ رتہ شریف تم پیچھے چھوڑ آئے ہو تو وہ وہاں سے دوبارہ رتہ شریف کے لیے روانہ ہوئے اور بھٹی گجر جا نکلے۔ وہاں کے لوگوں نے کہا کہ رتہ شریف یہ نہیں ہے۔ رتہ شریف پیچھے ہے۔ جس پر وہ دوبارہ روانہ ہوئے اور جس جگہ پہنچے وہ موضع رہنہ تھی۔ رہنہ والوں کی راہنمائی سے وہ دوبارہ چل پڑے اور بھون پہنچ گئے۔ یہ پولیس والے سخت بیزار تھے اور غصہ میں تھے کہ رتہ کیسا فضول مقام ہے۔ جہاں تک پہنچنے کے لئے کوئی راستہ نہیں ہے مگر ان کو بھون کے باشندوں میں سے کسی نے بتایا کہ موضع رتہ میں ایک بزرگ ہستی حضرت حاجی صاحب ہیں۔ جنہیں تمھارا وہاں جانا پسند نہیں ہے اس لیے ان کی زندگی میں تم لوگوں کا رتہ پہنچنا ناممکن ہے۔ نتیجتاً یہ سکھ پولیس والے اس مہم کو سر کرنے سے باز آ گئے۔

حضرت حاجی صاحب اگرچہ بیعت، خلافت، مرید اور مرشد کے التزامات سے عمر بھر الگ رہے۔ لیکن غایت درجے کے زہد واتقا کی وجہ سے بے پناہ تصرفات کے مالک تھے۔ عوام اپنی مشکلات آپ کے سامنے پیش

Marfat.com

کرتے اور آپ سے تعویزات اور دعا کے طالب ہوتے آپ اکثر سنجیدہ رہتے اور لوگوں کو اپنی ذات سے بے تکلف نہ ہونے دیتے ۔ چنانچہ ہر ایک آپ کی شخصیت سے مرعوب نظر آتا ۔

تو ہم گردن از حکم داور پیچ
کہ گردن نہ پیچد ز حکم تہ ہیچ

حضرت حاجی صاحبؒ دھن کے پکے آسائشوں سے بے نیاز اور مشکلات سے ہمیشہ بے پرواہ رہے۔رتہ شریف ہی میں آپ کے ایک ہم عصر بزرگ حاجی نصر اللہ صاحب موجود تھے۔جوانتہائی باشرع اور زاہد و عابد تھے۔البتہ سادہ لوحی کی بناء پر شریر لوگوں کی باتوں میں آکر حاجی محمد اکرم صاحب کے ساتھ کبھی کبھار معاصرانہ چشمک پر اتر آتے لیکن آپ انکی خفگی کا قطعاً اثر نہ لیتے اور معمول کے تعلقات کو بحال رکھتے ۔

حضرت حاجی نصر اللہ صاحب انتہائی باکرامت بزرگ تھے ۔ ایک مرتبہ ان کی ایک گائے کچھ لوگوں نے ذبح کرکے چوری سے کھالی اور کچھ پکانے کے لئے ہانڈیاں چولہوں پر چڑھا دیں ۔ اس پر حاجی نصر اللہ صاحب نے گائے کے مخصوص نام سے پکارنا شروع کردیا روایت ہے کہ گائے کے گوشت نے ہانڈیوں کے اندر اور لوگوں کے پیٹوں میں بھی ڈکرانا شروع کر دیا۔ جن لوگوں نے یہ حرکت کی تھی ۔ وہ موضوع وڈھیال کے رہنے والے تھے اور یہ گاؤں حاجی نصراللہ کی بددعا کے بعد اجاڑ اور ویران ہوگیا ۔

حضرت حاجی محمد اکرم صاحب کی اولاد نہ تھی۔اس لیے آپ کے بھائی کی اولاد ہی آپ کی وارث ٹھہری۔آپ درس و تدریس، عبادات

Marfat.com

وریاضات کا اہتمام و انصرام فرماتے ہوئے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔اور آنے والی نسلوں کے لیے آپ اپنے علم وعمل کا ایک بیش قیمت نمونہ چھوڑ گئے ۔

ع خاک میں کیا صورتیں ہونگی کہ پنہاں ہوگئیں!

آپکے ایک شاگرد محمد اعظم جوآٹھ سال تک آپ کے پاس رہے قاضی خاندان تعلق رکھتے تھے۔ لیکن غباوت (کند ذہنی) کی وجہ سے نہ عالم ہوئے نہ حافظ۔ان کے والد صاحب نے آکر شکایت کی کہ بچہ آٹھ سال سے آپکی خدمت میں ہے لیکن اس نے کچھ بھی تو حاصل نہیں کیا۔ حضرت حاجی صاحب بے شمار مصروفیات کی وجہ سے توجہ نہ دے سکے تھے ۔ اچانک احساس ہوا اور پر جوش انداز میں فرمایا ! یہ چھوٹا قاضی اس رمضان شریف میں ہمیں قرآن سنائے گا۔ قاضی کے والد صاحب کہنے لگے کہ حضرت اس بچے کو تو الحمد شریف کے علاوہ کچھ بھی تو یاد نہیں، حضرت حاجی صاحب نے فرمایا،اللہ تعالی ہر شے پر قادر ہے۔

رمضان شریف میں ایک ہفتہ باقی تھا،قاضی صاحب کا مسجد میں تراویح پڑھانا ٹھہر گیا۔ اور حضرت حاجی صاحب کی بے مثل کرامت کے تحت ہر روز سوا پارہ منزل پختہ حفاظ کی مانند سنانے لگے۔ قاضی صاحب موصوف پھر رتہ شریف کو تاعمر چھوڑ نہ سکے۔آج بھی جو بچہ کند ذہن ہو وہ ان کی قبر پر جا کر دعا مانگے تو اس کا ذہن جاگ اٹھتا ہے۔

Marfat.com

حضرت قاضی غلام محمد رحمۃ اللہ علیہ

پیدائش ——— موضع کچھی

وصال ——— رتہ شریف

Marfat.com

Marfat.com

حضرت قاضی غلام محمد رحمتہ اللہ علیہ

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ آپ اپنے برادر بزرگ حضرت حاجی محمد اکرم صاحب کے ساتھ ہی موضع کھچی تحصیل تلہ گنگ سے رتہ شریف منتقل ہو چکے تھے ۔آپ خاندانی روایات کے مطابق صوم الصلوۃ کے پابند اور دینداری کی جملہ خصوصیات کے حامل تھے ۔ البتہ حاجی صاحب کی مقناطیسی شخصیت اور شہرہ آفاق علم و عمل کی بدولت عوام کی توجہ کا کسی اور طرف مبذول نہ ہونا ایک فطری عمل تھا ۔

قدرت الہی کا کرشمہ ملاحظہ ہو کہ حضرت حاجی صاحب کا نام نامی آپ کے اسی چھوٹے بھائی کی اولاد کے سبب سے زندہ تابندہ ہوا۔ اور قاضی غلام محمد صاحب کی اولاد آگے چل کر صحیح معنوں میں وارث و جانشین ثابت ہوئی ۔ اور علم و عمل اور زہد و ورع میں وہ مقام حاصل کیا کہ رتہ شریف کے نام کو چار چاند لگا دیے۔ آپ کے صرف ایک بیٹے تھے جن کا نام قاضی شمس الدین تھا۔

Marfat.com

Marfat.com

حضرت
قاضی شمس الدین رحمتہ اللہ علیہ

پیدائش ———————— رتہ شریف

وصال ———————— رتہ شریف

Marfat.com

Marfat.com

حضرت قاضی شمس الدین رحمتہ اللہ علیہ

آپ حضرت حاجی صاحب کے بھتیجے تھے۔ علم ظاہر سے آپ کو اگرچہ وافر حصہ نہ مل سکا۔ لیکن عبادت وریاضت کا شوق آپ میں بدرجہ اتم موجود تھا۔ آپ انتہائی سادگی سے اوقات بسر فرماتے اور اوراد وظائف اس کثرت سے معمولات میں شامل تھے کہ آرام اور نیند کا وقت نہ ہونے کے برابر رہ گیا تھا۔ کھیتی باڑی اور مویشیوں کی دیکھ بھال کے امور بھی آپ خود ہی انجام دیتے۔

اذکار کی کثرت نے باطنی قوتوں کو انتہائی عروج دیا تھا۔ آپ سیف زبان تھے جس شخص کے حق میں جو بات نکل گئی وہ پتھر پر لکیر ہوگئی۔ ایک مرتبہ آپ اپنے مویشیوں کو لیکر جنگل کی طرف نکل گئے۔ اور مویشوں کو چرتے ہوئے چھوڑ کر ذکر وفکر میں مصروف ہوگئے۔ اتفاق سے مویشی چرتے ہوئے نواحی قصبہ بھون کے ایک صاحب کے ملکیتی جنگل میں پہنچ گئے۔ انہوں نے مویشیوں کو ہانک کر سرکاری پھاٹک میں پہنچا دیا سرکاری پھاٹک میں دیے گئے مویشی کچھ جرمانہ ادا کر کے واپس لئے جاسکتے تھے اس لئے سرکاری پھاٹک گویا مویشیوں کے لئے حوالات کا درجہ رکھتی تھی۔

قاضی شمس الدین صاحب نے وظائف سے فراغت کے بعد جب مویشیوں کو موجود نہ پایا تو تلاش میں نکل پڑے ایک آدمی نے انہیں خبر دی کہ آپ کے مویشی فلاں شخص سرکاری پھاٹک میں پہنچا آیا ہے۔ قاضی صاحب یہ بات سن کر مذکوہ شخص کے گھر پہنچے اور شکایتاً کہا کہ تم نے یہ حرکت کیوں کی؟ وہ کہنے لگا میں نے ٹھیک کیا ہے۔ آئندہ بھی اگر تمہارے مویشی اس

Marfat.com

طرف آئے تو میں پھاٹک میں بند کرادونگا۔

قاضی شمس الدین نے سن کر کہا کہ اگر تم سات دن سے زیادہ زندہ رہ گئے تو یہ کام ضرور کر لینا۔ اللہ کی قدرت دیکھئے اسی شام آدمی کے پیٹ میں درد شروع ہوگیا اور کسی دوا اور علاج سے افاقہ نہ ہوا ۔اور لوگوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ تم نے قاضی شمس الدین صاحب کو کیوں چھیڑا جبکہ وہ دونالی بندوق کندھے پر رکھے ہوئے پھرتے ہیں۔مراد یہ تھی کہ سخت مؤثر بددعا کے مالک ہیں۔ اور ان کا فرمان گولی کا درجہ رکھتا ہے۔ چنانچہ وہ آدمی پچھتانے لگا اور دو آدمیوں کو معافی مانگنے کی غرض سے قاضی شمس الدین صاحب کے پاس رتہ شریف بھیجا ۔ قاضی صاحب نے جواب میں یہ کہا کہ جو اللہ کو منظور تھا وہ ہوا ۔ میرے بس میں کچھ نہیں ہے ۔وہ شخص چند روز درد میں مبتلا رہ کر جان کی بازی ہارگیا اس کے بعد علاقے کے لوگ قاضی شمس الدین کے بارے میں گستاخی کی جرأت نہیں کر سکتے تھے ۔ قاضی صاحب مذکور لوگوں کے اثرات سے بے خبر اپنے معمولات روز وشب میں محو رہے ۔

آپ کے چار بیٹے تھے ۔

1۔ بہاؤ الدین عرف بابا فقیر صاحب   2 ۔فتح دین صاحب

3۔قطب الدین صاحب   4۔غلام محی الدین صاحب

چونکہ آپکے دوسرے بیٹے فتح دین کی اولاد ہی اپنے وقت میں قضاء اور افتاء کے مقام پر فائز ہوئی ۔چنانچہ انہی کے مختصر تذکرہ پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

Marfat.com

حضرت قاضی فتح الدین رحمتہ اللہ علیہ

پیدائش ———— رتہ شریف

وصال ———— رتہ شریف

Marfat.com

Marfat.com

حضرت قاضی فتح دین رحمتہ اللہ علیہ

آپ عبادت وریاضت میں اپنے والد کے زیادہ قریب اور رابطہ عوام کے لحاظ سے زیادہ فہم وفراست کے مالک تھے۔ اس لئے آپ کے معتقدین کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے۔کہ **81** گاؤں آپکے زیر اثر تھے۔اور ان گاؤں کے باشندوں کا یہ عقیدہ تھا۔کہ اگر قاضی فتح دین صاحب کسی گاؤں کے گرد حصار کھینچ دیں۔ جسے پنجابی میں ''کڑا'' ڈالنا کہتے ہیں تو اس گاؤں کے مویشی ہر وبائی امراض سے محفوظ ہوجاتے ہیں۔

روایت ہے کہ اگر کوئی بھینس یا گائے کسی وبائی مرض کی وجہ سے دم توڑ رہی ہوتی اور قاضی فتح دین صاحب پہنچ کردم کر دیتے تو وہ اٹھ کھڑی ہوجاتی۔بسا اوقات ایسا ہوا کہ کسی جانور کی زندگی سے لوگ مایوس ہوکر ذبح کرنے والے ہوتے تو قاضی صاحب کے دم کی بدولت وہ جانور صحت مند اور ہوشیار ہوکر کھڑا ہوجاتا۔ اور چھریاں دھری کی دھری رہ جاتیں۔

آپ اپنے مریدوں کے پاس ایک ایسے دورے میں موضع ''نکہ کہوٹ'' نزد تلہ گنگ میں تھے کہ اچانک پیٹ میں شدید درد اٹھا اور کسی دوا دارو سے آرام نہ آیا اور آپ اسی درد کی وجہ سے انتقال فرماگئے۔

آپکے ہونہار بیٹے مفتی امام الدین صاحب ساتھ تھے انہوں نے گاؤں منادی کرائی۔ اور معتقدین سے یہ کہا کہ آپ میت کی چارپائی موضع ''دھرابی'' تک پہنچائیں اور موضع ''دھرابی'' پہنچ کر وہاں کے لوگوں کو میت بھٹی گجر پہنچانے کے لئے کہا اور وہاں سے میت رتہ شریف پہنچا دی گئی۔

Marfat.com

مفتی امام دین صاحب نے میت کو بہت سرعت سے رتہ شریف پہنچوا دیا تھا۔ اس پر تمام بڑے بوڑھے آپکی حسن تدبیر کے معترف ہوگئے۔کہ ایک نوجوان کی طرف سے یہ سوجھ بوجھ لوگوں کو حیرت میں ڈالنے والی تھی۔

بالائے سرش ز ہوش مندی

می تافت ستارۂ بندی

آپ نے دو بیٹے چھوڑے

1 قاضی شرف الدین صاحبؒ

2 مفتی امام الدین صاحبؒ

Marfat.com

میاں جمیل احمد شرقپوری
ذخیرہ

حضرت

مفتی

امام الدین

رحمۃ اللہ علیہ

پیدائش ——— رتہ شریف

وصال ——— 30 مئی 1919ء بروز جمعہ، رتہ شریف

عمر ——— 73 سال

Marfat.com

Marfat.com

حضرت مفتی اعلیٰ مرشد اول مفتی امام الدین رحمتہ اللہ علیہ

اللہ تعالی بعض سعید روحوں کو شائستہ نفوس کی صورت میں دنیائے ہست وبود میں پیدا فرمادیتا ہے۔ جن کی بودوباش، قیل وقال اور شخصیت ایک ایسا دل آویز مرقع بن جاتی ہے کہ مدتوں لوگ انکے تذکرے سے تسکین قلب و روح کا سامان بہم پہنچاتے رہتے ہیں ۔ ایک ایسی ہی تابدار ہستی امام الدین کے نام سے حاجی محمد اکرمؒ کے خانوادے میں موضع رتہ شریف میں ظہور پذیر ہوئی جسکے ''وجودمسعود'' سے رتہ، رتہ شریف ہوکرمشہورزمانہ ہوا۔

آپ کی پیدائش1264ھ کے لگ بھگ ہے اور اوائل عمر ہی میں علاقے کے مختلف مدارس میں حصول تعلیم کی خاطر داخل رہے اور تعلیم سے شغف رکھنے کے ساتھ ساتھ گھریلو کاموں میں بھی دلچسپی رکھتے تھے اور والد گرامی کا ہاتھ بٹاتے ۔فارسی کی جملہ کتب آپ کو ازبر تھیں صرف ونحو کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد علم فقہ کی طرف توجہ فرمائی ۔چند ابتدائی کتب پڑھ چکے تھے ۔ کہ اعلیٰ حضرت خواجہ غلام نبیؒ کے علاقے دھن کے سالانہ دورے کی خبر سنی اور آپ کی جامع الصفات اور معلم ومربی شخصیت کا شہرہ شوق ملاقات کا سبب بن گیا ۔غالباً آپ سدوال میں حاضر خدمت ہوئے ۔ اعلیٰ حضرتؒ للہی نے پہلی ہی ملاقات میں یہ ارشاد فرمایا کہ تمہارے لئے فی الحال بیعت موزوں نہیں ۔ اس لیے کہ تمہاری طبیعت تصوف کی طرف شدت سے مائل ہے اور علم دین کا حصول انتہائی ضروری ہے۔ اس لیے پہلے علمِ دین کی تکمیل کرو اور خصوصاً علمی فقہ پر عبور حاصل کرو ۔ اسکے بعد میرے پاس آنا ۔ غالباً

Marfat.com

مفتی امام الدین صاحب کی یہ خواہش تھی کہ علم دین بھی اعلیٰ حضرتؒ للہی سے پڑھا جائے ۔اور اعلیٰ حضرتؒ نے انکو اپنے درس میں داخل بھی فرما لیا ۔لیکن کچھ عرصہ بعد آپؒ نے یہ کہ کر روانہ کردیا کہ تم کسی استاد کے پاس جاکر فقہ کی تعلیم حاصل کرو،میرے حلقے میں بیٹھتے ہی تم پر استغراق کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے اور اس حالت میں اکتساب علم ممکن نہیں ۔ چنانچہ آپ للہ شریف سے رخصت ہوکر موضع اوڈھروال نزد چکوال ایک مدرسہ میں داخل ہوگئے اور نہایت شوق سے تعلیم کے حصول میں مصروف ہو گئے لیکن معتبر روایت کے مطابق آپ نے علم فقہ کی تکمیل موضع میکی ڈھوک تحصیل پنڈی گھیب سے کی۔

ضروریاتِ دین کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد مفتی امام الدینؒ اعلیٰ حضرت للہی کی خدمت میں حسب حکم حاضر ہوگئے ۔اورآپ نے طریقہ قادریہ میں نقشبندی سلوک کیساتھ داخل فرمالیا ۔مرشد یکتائے روزگار رتھے ،زمین زرخیز تھی قلیل عرصہ میں حکمت و معرفت کے وہ پھول کھلے جس کی مہک نے ایک وسیع ماحول کو معطر کردیا۔ بیعت کا شرف حاصل کرلینے کے بعد جب آپ رتہ شریف پہنچے تو آپکی والدہ نے بیعت کے متعلق سن کر بہت برامنایا کہ ہمارے خاندان میں مرید بننے کی رسم ہی نہیں ،ہمیں تو اللہ تعالی نے اسکے بغیر ہی بہت سے فضائل سے سرفراز کر رکھاہے۔ ہم خواہ مخواہ کسی کی غلامی کیوں اختیار کریں وغیرہ وغیرہ۔ یقیناً آپ نے جواب میں عرض کیا ہوگا کہ ہر غلامی قابل نفرت نہیں ہوتی ۔بعض غلامیاں تو انسان کو ہر بند سے آزاد کرنے والی ہوتی ہیں ۔تعجب ہے کہ انسان بعض اوقات خود کو انا کے دائرے میں قید کرکے سمجھ لیتاہے کہ میں آزاد ہوگیا ہوں حالانکہ وہ حقیقت میں پندار کا اسیر ہوتا ہے ۔

Marfat.com

خواجہ پندادرو کہ دارو حاصلے

حاصل خواجہ بجز پندار نیست

(صاحب کا گمان ہے کہ میں سرمائے کا مالک ہوں حالانکہ اس کا سرمایہ صرف اس کا گمان ہی ہے)

قارئین! اس دنیا میں ہر درست اور مفید کا م کے لیے خلوص نیت اور سلامتی فکر کا ہونا لازم ہے اور فقر و تصوف کا راستہ تو جہد مسلسل، فہم و فراست اور صبر وتحمل کا تقاضا کرتا ہے۔اور مفتی امام الدین صاحب کو یہ جملہ اوصاف اللہ تعالی نے بدرجہ اتم و دیعت فرمائے تھے۔

بلا خوف تردید یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت مجد د الف ثانی شیخ احمد سرہندی کا سلسلہ رشدوہدایت بغیر تغیر وتبدل کے بواسطہ شاہ غلام علی دھلویؒ اور پیر قصوریؒ جسطرح بغیر کسی حذف و اضافہ کے للہ شریف پہنچا تھا اسکی مثال کسی دوسرے واسطے میں نظرنہیں آتی، اور یہ خوش نصیبی تھی مفتی امام الدینؒ کی کہ اللہ تعالی نے انہیں مجددِ وقت عارف ربانی ،پیر کامل سر تاسر نور اعلیٰ حضرت غلام نبیؒ کی صورت میں رہبر کامل عطا فرما دیا۔

ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء

تصوف کا راستہ پہلو دار بھی اور طرح دار بھی کہ اسکے جاننے والے مدعی بہت زیادہ ۔لیکن آگاہ حقیقت مشائخ بہت ہی کمیاب اور سیرتیں بالکل ناپید ہیں ۔نتیجہ یہ کہ اکثر طالبان فقر رہنما کے انتخاب میں ایسا فریب کھا تے ہیں کہ شیطان کے پھندوں سے نکلنا اور راہ راست پر آنا قریب قریب ناممکن ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

سچ فرمایا مولانا رومؒ نے

اے بلیس آدم روئے ہست

پس بہر دستے نباید داد دست

(اس دنیا میں بہت سے شیطان انسانوں کی روپ میں موجود ہیں اسلئے ہر ایک کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ نہیں دینا چاہیے)

آپ اپنے مرشد سے اکتساب فیض نہایت خلوص، عاجزی اور جانفشانی سے کیا اور خلافت سے سرفراز ہوئے۔ اعلیٰ حضرتؒ للہی کے آخری دور میں خلفاء میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔

خلافت سے سرفراز ہونے کے بعد آپؒ تبلیغ دین اور ترویج سلسلہ مجددیہ کے لئے سرگرم ہوگئے۔ رتہ شریف سے سات کلومیٹر دور جانب مشرق قصبہ بھون میں آپ بلاناغہ مسجد کمہاراں میں نماز جمعہ پڑھاتے اور نماز کے بعد بعد عصر تک وعظ و ارشاد فرماتے۔ بھون کے اکثر اہلِ دل آپ کے ارادت مندوں میں شامل ہوگئے اور آپکے اکثر متعلقین ہر رات بھون سے چل کر تہجد کی نماز رتہ شریف میں جا کر ادا کرتے، صبح کی نماز تک آپ کے پاس مراقب رہتے اور نماز فجر کے بعد بھون واپس آتے، دن بھر اپنا کام کاج کرتے، رات کا کچھ حصہ آرام کرنے کے بعد پھر رتہ شریف روانہ ہوجاتے ایک وقت میں انکی تعداد تیس سے چالیس آدمیوں کے درمیان ہوتی اور یہ سلسلہ آپ کی حیاتِ مستعار کے دمِ واپسیں تک قائم رہا۔

بھون ایک بڑا قصبہ ہے اور اس میں رہنے والے کئی افراد صاحب حیثیت ہیں۔ حضرت مفتی امام الدینؒ کے زمانے میں اس گاؤں کا ہر فرد آپ

Marfat.com

کی تکریم ملحوظ خاطر رکھتا خواہ اس کا تعلق کس بھی روحانی مرشد سے ہوتا یا کسی بھی دینی فرقہ سے تعلق رکھتا۔روایت ہے کہ اس گاؤں کے ایک بڑے چوہدری نے ایک عورت اپنے گھر میں بغیر نکاح کے رکھ لی شاید کسی کی ضد میں آکر اس نے یہ کام کیا تھا۔وہ اتنا باأثر اورطاقتور تھا کہ اسکا مقاطعہ کرنا یا حقہ پانی بندکرنا گاؤں والوں کے بس کی بات نہیں تھی ۔چنانچہ مولویوں نے شریعت کا حکم تو بتایا مگر وہ شریعت کی علی الاعلان خلاف ورزی کرتا رہا۔کوئی بات اسکے دل پراثر کرنے والی نہ تھی ۔آخرکار گاؤں کے چند سمجھدار لوگوں نے یہ فیصلہ دیا کہ جب مفتی صاحب رتہ شریف والے آئیں تو یہ معاملہ انکے سامنے رکھا جائے اسکے علاوہ کوئی دوسری صورت مسئلہ کا حل نہیں ہے ۔

چنانچہ آپ حسب معمول جب جمعہ پڑھانے بھون تشریف لے گئے تو چند معتبر افراد نے پوری صورت حال نماز جمعہ سے پہلے آپ کے گوش گذار کر دی ۔ اتفاق یہ ہے کہ وہ شخص جمعہ پڑھنے بھی آپ ہی کی مسجد میں آیا کرتا تھا۔چنانچہ آپ نے اطمینا ن سے جمعہ پڑھایا،بعد میں واعظ ارشاد فرمایا ، نمازعصر ہوئی ،اور نماز کے بعد آپ نے اس شخص کواشارہ کرکے اپنے پاس بلایا۔کوئی لمبا مسئلہ نہیں بتایا بلکہ محض اتنا کہا کہ جاؤ تمہارے گھر میں جو عورت ہے اسکو اسکے والدین کے گھر پہنچادو ۔اس شخص نے کمال فرمانبرداری سے یہ بات سنی گھر پہنچا،عورت آٹا گوندھ رہی تھی ، اس کا نام لیکر کہا اٹھو۔ وہ آٹے والے ان دھلے ہاتھوں سمیت کھڑی ہوگئی ، اسے ساتھ لیا ،اور اسکے والدین کے گھر جا کر چھوڑ دیا ۔ اور مفتی صاحب کا یہی حکم ہے اسلئے میں بھی اسکو پورا کررہا ہوں۔ سچی بات یہ ہے کہ دلوں کو فتح کرنا اولیاء اللہ کا کام ہے کتب

Marfat.com

اور مکتب والے اس نکتے کو کہاں سمجھیں گے؟۔

آپ کا طرز زندگی انتہائی سادہ ،نپا تلا، اور گفتگو ازحد حکیمانہ اور دل نشین ہوتی ۔آپ کا پورے کا پورا وجود دینی سانچے میں ڈھلا ہوا تھا۔ آپ کی کوئی بات فالتو، بیکار یا بے مقصد نہ ہوتی اور کوئی کام بلا سبب بے سوچا سمجھا نہ ہوتا ۔

آپکے والد گرامی کے معتقدین اکاسی گاؤں میں پھیلے ہوئے تھے اس لئے آپ کی ذات کسی تعارف کی محتاج نہ تھی ۔البتہ آپ کے اطوار میں ایک نمایاں فرق نظر آنے لگا۔سلسلہ مجددیہ میں آنے کے بعد آپ اس بات کے شائق نہ تھے کہ اپنے دم وظائف کے ذریعے سے خود کو منوائیں ۔بلکہ اب آپ اس بات کے لیے فکر مند اور کوشاں ہوگئے تھے کہ مخلوقات خدا کی حقیقی راہنمائی کرکے بندوں کا تعلق اللہ سے جوڑا جائے اور اس خدمت میں کسی طرح کے طمع کا دخل نہ ہو اور اپنی خدمات کا صلہ اللہ کی رضا جوئی ہو۔آپ نے اپنی ذات کو ہر خواہش اور غرض سے بے نیاز کردیا تھا بلاشبہ آپ اخلاص کے انتہائی اعلیٰ درجے پر فائز تھے۔

آپ کے تین بیٹے تھے تینوں کو آپ نے قرآن مجید حفظ کرادیا ۔ اور اسلامی سانچے میں ڈھالنے کی بھر پور کوشش کی ۔آپ کے بڑے بیٹے حافظ عبدالحکیم ؒ جوانی میں ہی انتقال فرماگئے۔ باقی دونوں بیٹوں نے حتی المقدور حصول علم کے بعد آپ کے سلسلہ کو جاری وساری رکھا ۔خصوصاً آپ کے چھوٹے صاحبزادے حضرت مفتی عطامحمد صاحبؒ بے مثال علمی تبحر کے مالک ہوئے ۔

Marfat.com

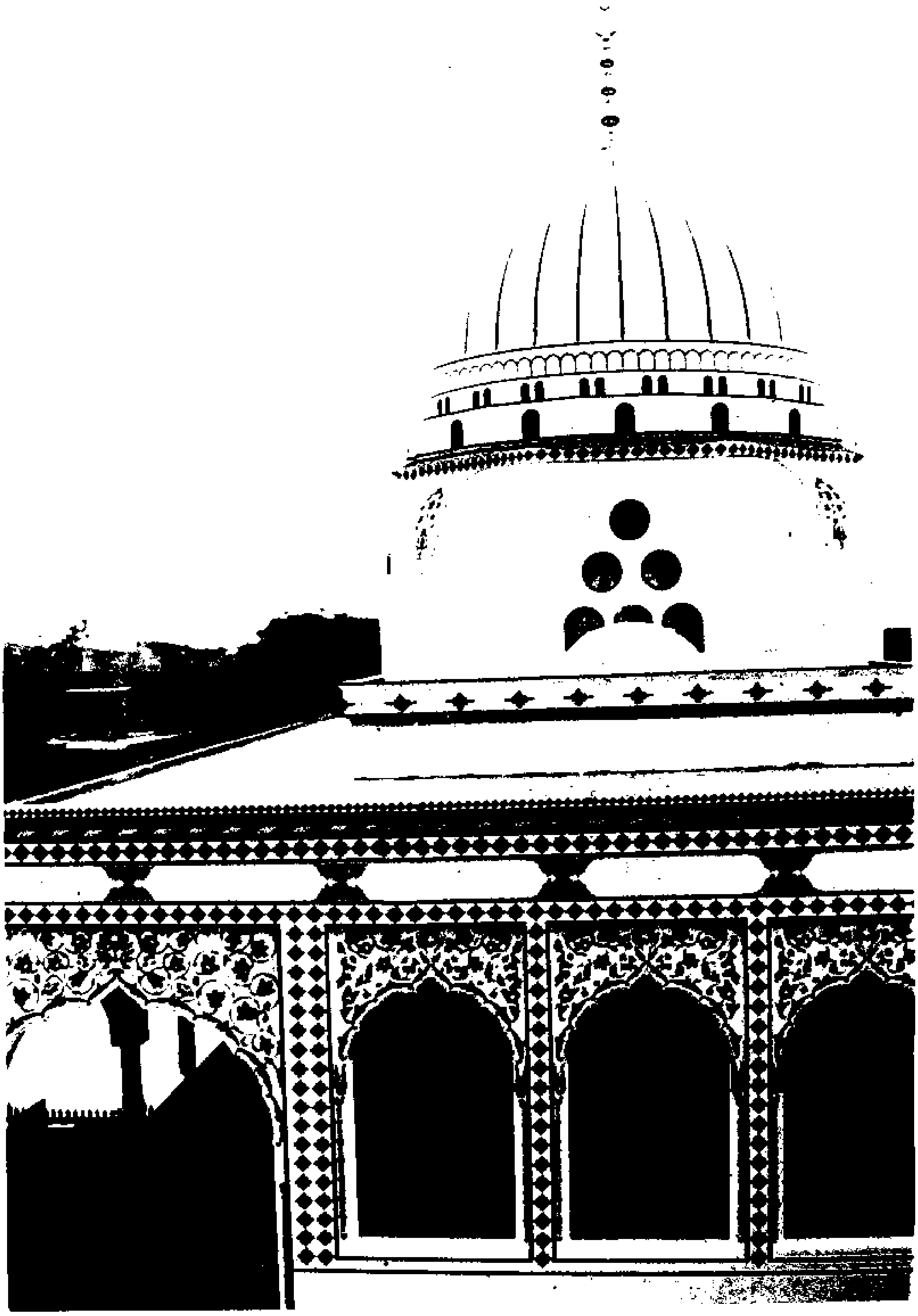

روضہ شریف کا بیرونی منظر

Marfat.com

Marfat.com

آپ نے اپنے دونوں صاحبزادوں یعنی الحاج قاری دین محمدؒ اور مفتی عطا محمد کو ثانی حضرت خواجہ دوستؒ محمد للہی کا مرید کرایا۔اور خود توجہ کر کے دونو ں بیٹوں کو سلوک مجددیہ کی تکمیل کرائی اور ثانی حضرت خواجہ دوستؒ محمدؒ للہی سے خلافت دلوائی ۔ بلاشبہ آپ کے دونو ں بیٹے اپنی مثال تھے ۔لیکن آپ کا طریقہ مبارک یہ تھا کہ آپ نے اپنی اولاد کا خود ادب نہ کر کے ان کو برخود غلطیوں سے محفوظ رکھا ۔آپ جب اپنے بیٹوں کو پکارتے تو صرف نا م لیکر دین محمدؒ اور عطا محمدؒ کے نام سے یاد فرماتے،نہ مولوی صاحب،نہ مفتی صاحب ،نہ قاری صاحب کسی طرح کا کوئی لقب چسپاں نہ فرماتے اگر غور کیا جائے تو جو لوگ اپنی اولاد کا ادب کرنے میں مصروف نظر آتے ہیں دراصل وہ دوسروں کو یہ سبق دے رہے ہوتے ہیں کہ تم ہماری اولاد کا احترام کرو ۔خواہ اولاد قابل احترام ہو یا نہ ہو ۔آپ ایک مرتبہ وضو فر ما رہے تھے کہ ایک چھوٹا بچہ قریب آ کر کھڑا ہوا آپ نے پوچھا کہ تمہارا نا م کیا ہے؟۔ وہ کہنے لگا میرانام جہان خان ہے ۔آپکو یہ سن کر بڑی حیرت ہوئی فرمانے لگے نہیں بیٹا ایسا نہیں کہتے تم یہ کہو کہ میرا نا م جہاناں ہے ۔لطف کی بات تو تب ہے کہ دوسرے لوگ یہ کہیں کہ تم جہان خان ہو۔ پھر لوگوں نے دیکھا کہ اس شخص نے ساری عمر اپنے آپ کو جہاناں ہی کہا ہے لیکن لوگون کی زبان پر بابا جہاناں اور جہان خان کا لفظ جاری ہوگیا ۔اور اہل بھون جانتے تھے کہ بابا جہاناں اور جہان خان کے بیل دور دور تک مشہور ہوگئے ۔صرف بھو ن ہی نہیں بلکہ ایک علاقہ باباجہاں خان کے نام سے واقف اور باخبر تھا ۔ آپ کے ایک مخلص مرید کا گھر ٹھٹی جنگا میں تھا ان کے مالی حالات زیادہ اچھے نہیں

Marfat.com

تھے ،آپ سے انہوں نے معاشی بدحالی دورکرانے کے لئے اللہ تعالی سے دعا کی درخواست کی۔آپ نے بھی دعا مانگی اوریہ فرمایا کہ تم برما جاؤ وہاں مزدوری عام ہے،جاکر اپنے حصے کا رزق حاصل کرو ۔وہ کمال تابعداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے برما روانہ ہوگئے ۔آپ کی دعا سے اللہ تعالی نے انکے لئے رزق کے دروازے کھول دیئے ۔وہ ریلوے لائن بچھانے کا ٹھیکہ لینے میں کامیاب ہوگئے ۔ انہوں نے آپ کو خط لکھا کہ اللہ کے فضل وکرم سے ہمارے سارے ''دلدر'' دور ہوگئے ہیں، پیسے کی فراوانی ہے، ہمارے لئے کیا حکم ہے،ہم کب تک واپس آئیں یا یہیں کام کرتے رہیں ۔آپ نے جواب میں لکھاکہ جب چھ مربعے خریدنے کے پیسے جمع ہو جائیں تو واپس آ جائیں ۔چنانچہ انہوں نے چھ مربعوں کے پیسے جب جمع کر لئے اور واپسی کا ارادہ کر رہے تھے کہ تقریباًدو چارمربعوں کی قیمت کا ایک اورٹھیکہ مل گیا وہ کام انہوں نے کیا لیکن اتفاق دیکھیے یا ایک اللہ کے بندے کی زبان کی کرامت کہ ان دونوں چچیرے بھائیوں کو اس اضافی ٹھیکے سے کسی فنی الجھن کے باعث رقم وصول نہ ہوسکی اورانہوں نے اپنے پیر کی بات کوحکمت پرمحمول کر تے ہوئے واپسی کا سفر اختیار کیا ۔اور ان دونوں بھائیوں کو اب تک لوگ سیٹھ فرمان علی اور سیٹھ فتح محمد کے نام سے جانتے اور پہچانتے ہیں ۔ ان سیٹھوں کا خاندان اخلاص کی صفت کا مشترکہ طور پر وارث ہے۔

آپؒ کا پیر خانہ للہ شریف اب جدید شاہراہ(موٹر وے) کے باعث رتہ شریف سے سوا گھنٹے کی مسافت پرواقع ہے لیکن آپکے زمانے میں یہ سفر کوہستان نمک کے پیدل راستے کی وجہ سے نہایت دشوار تھا ۔ اسکے باوجود

Marfat.com

آپ کا رابطہ مسلسل اپنے پیر خانے سے قائم رہتا۔پیدل چلتے ہوئے ان پہاڑوں کوعبور کرنا ان کے لئے نہ تو مشکل تھا نہ کسی تھکن کا سبب تھا۔ رتہ شریف آپ کی آمد ورفت اس کثرت سے تھی کہ یہ کہنا مشکل ہے کہ آپ کا زیادہ قیام للّہ شریف میں ہوتا یا رتہ شریف میں۔

للّہ شریف میں اعلیٰ حضرت للّہیؒ کے دور سے معراج کی تقریب نہایت ذوق وشوق سے منائی جاتی تھی۔ اور اللہ کے فضل وکرم سے اب تک وہی ذوق وشوق اس تقریب کے موقع پر کارفرما ہوتا ہے۔ بلکہ بعض پہلوؤں سے اس تقریب کی رونق دوچند ہوچکی ہے۔

مفتی امام الدینؒ اپنی زندگی میں اس تقریب مبارک میں بلاناغہ شرکت فرماتے اور واعظ ونصیحت بھی فرماتے۔ اور یہ سلسلہ ثانی حضرت کے دور سے لیکر رابع حضرتؒ کے ابتدائی دور تک اسی نہج پر چلتا رہا۔جب تک آپ کے بیٹے حضرت مفتی عطاء محمد فارغ التحصیل ہوکر آپکے ساتھ شریک نہیں ہوئے۔ اس وقت تک آپ اکیلے ہی پوری رات نماز عشاء کے بعد سے لیکر صبح کی اذان تک وعظ ونصیحت بھی فرماتے۔اور معراج المبارک کے سفر کی تفصیلات اوراحکامات سے لوگوں کو باخبر فرماتے۔لیکن جب آپ کے بیٹے پہلی مرتبہ آپ کے ساتھ معراج شریف کے موقع پر للّہ شریف حاضر ہوئے تو آپ نے اس رات تھوڑا سا وعظ فرمایا اور پھر پنجابی کے یہ دو مصرعے کہہ کر ختم کردیا۔

پپلا دے او پتیا کہی کھڑ کھڑ لائی ہوئی آ

ڈھ پاؤ پرانڑیاں رت نویاں دی آئی ہوئی آ

(یعنی کہ اے پیپل کے پتو! تم نے شور کیا کر رکھا ہے۔تم اب گر پڑو کیونکہ نئی

Marfat.com

کونپلیں پھوٹنے کا موسم آ گیا ہے۔)

یہ فرمایا اور اپنے بیٹے حضرت مفتی عطاء محمد کا ہاتھ پکڑ کر تقریر کے لئے کھڑا کر دیا ۔ آپ بیٹھ کر اور کتاب سامنے رکھ کر وعظ فرماتے تھے ۔لیکن مفتی ثانی حضرت عطاء محمد کا طریقہ اور وعظ و ارشاد یکسر مختلف تھا ۔جس کا تفصیل ذکر آگے آپ کے حالات میں کیا جائے گا ۔

آپ کے دونوں بیٹے جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ اپنی نظیر آپ تھے لیکن حضرت قاری الحاج دین محمدؒ کو درس نظامی کی کماحقہٗ تکمیل کا موقع میسر نہ آسکا ۔ وجہ یہ ہوئی کہ آپ کے گھر سے فارسی کی متداول کتب پڑھ لینے کے بعد موضع ''گھوٹے'' نزد ملتان حافظ جمال اللہؒ کے پاس صرف ونحو کی تحصیل کے لیے داخل ہوئے اور جب آپ صرف ونحو سے فارغ التحصیل ہوئے تو قضائے الٰہی سے آپ کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہوگیا ۔اور آپؒ کے والد ماجد نے آپ کو واپسی کے لئے خط لکھا اور یہ کہا کہ اب گھریلو امور انجام دینے کے لئے مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔

حضرت مفتی امام الدینؒ اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے،سفر وحضر میں احکام دین اپنے ملنے والوں اور ساتھیوں کو پہنچاتے رہتے ۔ یہ بات زبان زد خاص وعام ہوگئی کہ جو شخص آپ کو وضو کرانے کی خدمت انجام دے وہ کم ازکم وضو کے مسائل سے ضرور باخبر ہو جاتا ہے ۔

آپ کے چھوٹے صاحبزادے مفتی عطاء محمدؒ جب تحصیل علم کے بعد تشریف لائے تو بلاشبہ ایک بہت بڑے عالم تھے ۔لیکن فقر وتصوف کے ذوق سے آپ لاتعلق تھے ۔ جب امام الدینؒ صاحب نے مثنوی مولانا روم کا درس دینا

Marfat.com

شروع کیا، یہ درس کیا تھا۔ انتقال کمالات کاایک ذریعہ تھا۔اسی تدریس میں تصوف کے اسرارورموزبھی سمجھا دیئے اور قلبی کیفیات کو بھی روحانیت سے معمورکر دیا۔

آپ کسی کی دل آزاری نہیں فرماتے درویش یا غلام نے اگرکسی کام میں کوئی کوتاہی کی ہوتی تو آپ ہرگز اس کانوٹس نہ لیتے۔البتہ ہراچھے کام پر تعریف ضرور فرماتے بلکہ تھوڑی سی اچھائی کو زیادہ پزیرائی بخشتے۔ایک مرتبہ آپ کو ایک معتقد سیٹھ فرمان علی (مرحوم) نے ایک جیبی گھڑی بھیجی، گھڑی بہت خوبصورت تھی اور قیمتی بھی۔آپ اس گھڑی کو مصلے پر رکھ کر نماز سے فارغ ہوکر چارپائی پر تشریف فرما ہوگئے اتنے میں موضع سدوال کی مسمات رحمتاں بیگم جو کہ گھر میں خانہ داری کا کام کرتی تھیں کمرے میں داخل ہوئیں اوربلا دیکھے گھڑی پر پاؤں رکھ دیا۔ گھڑی فوراً چٹاخ سے ٹوٹ گئی۔اب وہ ڈریں کہ شاید آپ ناراض ہونگے۔لیکن آپ نے گھڑی کے ٹوٹنے کی آوازسن کرصرف اتنا فرمایا کہ دیکھو گھڑی کا شیشہ تمہارے پاؤں میں تو نہیں چبھ گیا۔ وہ کہنے لگی کہ نہیں جناب! آپ نے فرمایا شکر ہے تمہارا پاؤں زخمی نہیں ہوا۔

میں نے اپنی نانی جان محترمہ روشن بی صاحبہ سے دریافت فرمایا کہ حضرت مفتی امام الدینؒ آپ کے چچا بھی تھے اور سسر بھی اور آپکے شوہر مفتی عطاء محمد ایک جید عالم اوروقت کے مشہور وعظ اور مقرر ہیں۔آپ یہ بتائیں کہ آپ نے ان دونوں باپ بیٹے میں کیا فرق دیکھا اورآپ کے نزدیک ان کا کیا مقام ہے؟۔ تو نانی جان محترمہ فرمانے لگیں! کہ" مفتی امام الدینؒ اگر ایک روپیہ تھے تو یہ ان کے مقابلے میں دونّی ہیں"۔ نانی جان محترمہ کی یہ

Marfat.com

رائے غالباً مفتی امام الدینؒ کے بے پناہ اخلاق سے متاثر ہونے کے نتیجے میں تھی ۔ ورنہ مجھ ناچیز کے لئے تو حضرت مفتی عطاء محمد کی شخصیت بھی نایاب افراد کا ایک عکس تھی ۔

مفتی امام الدینؒ کو شاعری کا خاصا ذوق تھا اور آپ پنجابی کے بہترین شاعر شمار کئے جاسکتے ہیں ۔ آپ فی البدیہ شاعری فرمایا کرتے تھے ایک مرتبہ للّٰہ شریف سے آپ واپس آ رہے تھے کہ آپ کو پیر کھارا شریف میں رات رکنا پڑا ۔ رات گزارنے کے بعد صبح جب چلنے لگے تو ساتھیوں سے بلا تکلف اور فی البدیہ فرمایا

رات آئی وچ پیر کھارے جتھے پسواں دے گھڑ گھنج آہے
ساری صف آئی پردیسیاں دی وچ وتی دے چار پنج آہے
اس شہر دے لوک نہ بنڑن جانڑوں ویکھن سنڑن باجوں او رنج آئے
میاں جمعے غریب نوں یاد رہسی جس دے ٹڈے بھجدے انج آئے

یاد رہے کہ پیر کھارا حضرت پیر کرم شاہ صاحبؒ کی آباد کردہ بستی ہے جو ٹوپی والے کے نام سے مشہور ہیں ۔ جس طرح انسانوں کی زندگی میں نشیب وفراز آتے ہیں اسی طرح گاؤں ،قصبوں ،اورشہروں کے حالات بھی سدا یکساں نہیں رہتے ۔حضرت پیر کرم شاہ صاحبؒ کے پرفیض دور اور اس قدر معاشرتی انحطاط کے بعد اب یہ گاؤں نشاۃ ثانیہ کے عمل سے گزر رہا ہے ۔دینی روایات زندہ ہورہی ہیں ۔مسجدیں آباد ہیں اورحضرت پیر کرم شاہ صاحبؒ کا مزار اقدس طارق محمود پیر زادہ سجادہ نشین کی مساعی کی بدولت ایک مرتبہ پھر اسلام کے

Marfat.com

خانقاہی نظام کی صورت اختیار کرتا جارہا ہے۔ اتفاق یہ ہے کہ۔ پیر زادہ موصوف کی والدہ ماجدہ بھی مفتی امام الدینؒ کی پوتی حافظہ ،صالحہ ،عابدہ اور زاہدہ خاتون تھیں۔

حضرت مفتی امام الدینؒ کو حضرت ثالث کے وصال کے بعد حضرت مائی صاحبہؒ للہ شریف والوں کیطرف سے حکم ہوا کہ آپ حضرت رابعؒ کو رتہ شریف لیجائیں ۔ اور انکی دینی تعلیم اور تربیت فرمائیں آپ کے لیے انکار کی گنجائش نہ تھی ۔ چنانچہ آپ پہلے رتہ شریف چلے گئے اور حضرت صاحب رابعؒ کو جو اسوقت بمشکل آٹھ نو سال کے بچے تھے بعد میں بھجوادینے کا کہ آئے۔ آپ نے رتہ جا کر حضرت صاحب رابعؒ کے چند ہم عمر بچوں کو بلایا ۔ اور ان کے ماں باپ کو تاکید کی کہ انکے کپڑے وغیرہ صاف کرو۔ اور انکو نہلاؤ دھلاؤ، کیونکہ میرے پیر زادہ صاحب تشریف لانے والے ہیں یہ بچے انکی دلجوئی کے لیے انکے ساتھ کھیلیں گے اورانکو صاف ستھرا ہونا چاہیئے ۔ اس کے ساتھ ساتھ ان بچوں کو کئی دنوں تک بلا کر مسلسل یہ سمجھاتے رہے کہ تم نے اس طریقے سے کھیلنا ہے اور حضرت صاحب کی کسی بات کا تلخی سے جواب نہیں دینا ہے۔ ہر طرح سے ادب ملحوظ رکھنا ہے۔ تاکہ آپ کا دل رتہ شریف میں لگ جائے چند دنوں کے بعد حضرت رابعؒ تشریف لائے انکو سیکھے سیکھائے پڑھے پڑھائے ساتھی مل گئے ۔ آپ کا وقت نہایت خوشی سے گزرنے لگا۔ جب آپ مریدوں کو آپ کے رتہ شریف کی آمد کی اطلاع ہوتی تو جوق در جوق اپنے پیر کی زیارت کو آنے لگے۔ مگر آپ میل ملاپ کی روایات سے ابھی کچھ زیادہ آشنا نہ تھے اسلئے آپ اجنبی لوگوں کو دیکھ کر گھر کے اندر تشریف لے جاتے۔ چنانچہ

Marfat.com

کر گھر کے اندر تشریف لے جاتے۔چنانچہ حضرت مفتی امام الدینؒ کو لوگوں سے ملاقات کے لیے یہ صورت نکالنا پڑی کہ حضرت صاحب رابعؒ کے کھلونوں کو مسجد کے احاطے میں ہی رکھ دیا جاتا اور ہم جولیوں کو وہیں بلالیا جاتا تاکہ آپ یہاں کھیلیں اور معتقدین صاحبزادہ صاحب کی زیارت کر لیں اور اپنے شوق کی پیاس بجھالیں ۔اتفاق سے کچھ دنوں کے بعد خوب بارش ہوئی ۔رتہ شریف کے دامن میں بہنے والی برساتی ندی المعروف ''دھراب'' خوب بھر کر بہنے لگی حضرت رابعؒ کو جب اس نظارے کا علم ہوا تو آپ گھوڑے پر سوار ہوکر نکلے ۔اور گھوڑا ندی میں ڈال دیا ۔اس ندی کا پانی بہت تیزی سے بہتا تھا ۔اوراس میں بہت پتھر موجود تھے اورصرف اللہ کا فضل اور بزرگوں کی کرامت تھی گھوڑا پار نکل گیا ۔ ورنہ کسی کو بھی اسطرح آسانی کے ساتھ سلامتی سے پار جانے کی امید نہ تھی ۔تاہم اس واقعہ کے بعد حضرت مفتی امام الدینؒ نے حضرت مائی صاحبہ للّہ شریف والوں سے مؤدبانہ معذرت کی کہ بہتر ہوگا کہ آپ حضرت رابع صاحب کو للّہ شریف بلوالیں میں زیادہ وقت یہاں لنگر میں گزارلوں گا ۔اورجو خدمت آپ میرے سپرد فرمائیں گے بخوشی بجالاؤں گا۔چنانچہ حضرت مائی صاحبہؒ نے حضرت رابعؒ کوواپس بلا لیا ۔

حضرت مفتی امام الدین حضرت رابعؒ کے سن رشدوہدایت تک للّہ شریف لنگر میں قیام پذیر رہے اور پیر خانے کے مہمانان کی دیکھ بھال کی،تحائف اور ہدایہ کی نگرانی بھی آپ کے ذمہ تھی۔

آپکے ایک مرید جن کا تعلق بھون سے تھا۔ ان کے یہاں چار بیٹے وقفے وقفے سے پیدا ہوئے۔کوئی بیٹی پیدا نہ ہوئی اورغم زدہ ہوکر آپ اپنے

Marfat.com

پیر کی خدمت میں عرض کرنے لگے یا حضرت میں بہت غریب آدمی ہوں میرے سب بیٹے ہی ہیں کوئی بیٹی نہیں ہے۔ میں انکے رشتے ناطے کیسے طے کروں گا۔اگر کوئی بیٹی ہوتی تو ادلے بدلے میں رشتے قائم ہوسکتے تھے۔آپ نے فرمایا کہ غلام نبی فکر نہ کروتمہارے بیٹوں کولوگ گھر آکر رشتے دیں گے، چنانچہ یہ بات سو فیصد درست ثابت ہوئی اورغلام نبی مرحوم کوکسی بیٹے کے لیے رشتہ پوچھنا نہ پڑا،واضع رہے کہ غلام نبی کے چاروں بیٹے غلام حسین، غلام محمد، غلام مصطفیٰ اورمولوی غلام یٰسین تھے۔اور آخرالذکر جناب غلام یٰسین صاحب فاضل دیوبند پختہ عالم دین ،درویش سیرت انسان ہیں۔ بقید حیات ہیں ۔اللہ تعالی ان کی عمر میں برکت عطافرمائے (آمین)

شعبان کے مہینے میں آپکو بخار آنا شروع ہوا 29 شعبان صبح اشراق کے بعد آپ دونوں بیٹوں سے فرمانے لگے کہ تم خیال رکھو،ابھی ایک مہمان آنے والا ہے،اسے مجھ تک پہنچاؤ۔چنانچہ آپ کے بیٹوں نے دیکھا کہ ایک اجنبی جنوب مغربی راستے سے جہاں پر اب ماڈل سکول واقع ہے ،آرہا ہے، اس مہمان کااستقبال کیا گیا اور آپ کے پاس پہنچایا گیا ۔آپ علیحدگی میں اس سے بات چیت فرماتے رہے۔پھر وہ رخصت ہوگیا۔ اس کے جانے کے بعد آپ نے اپنے بیٹوں سے فرمایا یہ ابدال تھا اور کچھ ضروری کاموں کے متعلق مشورے کے لئے آیا تھا ۔آپ نے سب گھر والوں کی موجودگی میں یہ کہا کہ آج 29 شعبان ہے ۔رمضان شریف کا چاند نظر آجائے گا ۔ میری رخصتی کا وقت آگیا ہے۔ آپ لوگوں نے تدفین وغیرہ میں تاخیرنہیں کرنی اور مہمانوں کو اطمینان سے سحری کھلانا ہے تاکہ لوگوں کے روزے خراب نہ

Marfat.com

ہوں۔چنانچہ آپ ایک انتہائی پاکیزہ ،حکیمانہ اور پراز اخلاق زندگی گزار کر خالق حقیقی سے جا ملے ۔شام کو چاند نظر آگیا ۔اورآپ کی وصیت کے مطابق تمام امورسرانجام پاگئے ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔

ہر گز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

آپ کو احاطہ مسجد کے مشرق میں دفن کیا گیا ۔ آپ کے بعد آپ دونوں بیٹے اوردو پوتے ایک بھتیجی جو کہ بہو بھی تھیں وہیں مدفون ہوئیں۔ اوراب ایک شاندار روضہ ان مزارات پر تعمیر کرادیا گیا ہے۔

آپ نے اپنی زندگی میں جناب خان محمد صاحب کومسجد کاامام مقرر فرمایا تھا ۔اورحافظ فضل کریم صاحب کو درس قرآن کے لئے مسجد کے حجرے میں بٹھایا تھا ۔اور اپنے بیٹوں کو وصیت فرمائی تھی کہ تم لوگ پڑھے لکھے بھی ہو تمہارے مریدین وغیرہ بھی ہیں۔ایک بات کا خیال رکھنا کہ میاں خان محمد صاحب ہماری مسجد کے امام ہیں، باکردار لوگ ہیں انہیں تبدیل کرنے کی کوشش نہ کرنا اور حافظ فضل کریم کو درس قرآن کے لیے مقرر کیا گیا ہے ان سے تعاون کرنا ،چنانچہ میاں خان محمد مرحوم کے بعد ان کے بیٹے شیخ ماہی مرحوم امام بنے ،انتہائی پاک باز اور سادہ لوح ،اور بے لوث انسان تھے ،ان کے بعد ان کے بیٹے حافظ ظہور احمد صاحب یہ فرض خوش اسلوبی سے سرانجام دے رہے ہیں بلکہ درس قرآن کی ذمہ داری بھی ان کے ہی سپرد ہے۔اور اللہ کے فضل وکرم سے اولاد مفتیاں اور انکے مابین تعلقات باہمی محبت اور احترام کے ساتھ قائم ہیں ،اللہ تعالی یہ سلسلہ اسی طرح جار رکھے۔ آمین ۔

Marfat.com

آپ پنجابی کے بہت بلند پایہ شاعر تھے۔ افسوس یہ کہ آپ کا اکثر کلام ضائع ہوگیا ہے۔البتہ ایک سہ حرفی جو آپ نے خواجہ حضرت ثالث عبدالرسول للہی کے وصال پر لکھی تھی وہ محفوظ ہے ۔ جس کے چند بند درج ذیل ہیں قارئین سے گزارش ہے کہ حرف نون کے اشعار نگاہ عمیق سے ملاحظہ کریں ۔ دنیا کی حقیقت کا کس خوبصورتی سے تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔

(ظ) ظلم نہیں سیو میر یونی ایہونڈھ قدیم دی چال ہوئی
کئی آوندے تے کئی جاوندے نی غمی خوشی مڈھوں آدم نال ہوئی
کئی سدا گلاب تھیں رہن تازے کئیاں وچ مصیتاں جال ہوئی
لکھ حیلیاندے بھاویں کرے کوئی تیر تقدیر دی ڈھال ہوئی

(ع) عدل عدالتاں کر چکے جیہڑے زمین تے راج کما گئے
داؤد تے شاہ سلیمان نبی دونو ں اپنی وارلنگھا گئے
رہے مول نہ ذولقرنین جیسے جیہڑے شہنشاہ کہا گئے
دوہاں جگاں دے وچ سہاندے نی جیہڑے رب داناں وہا گئے

(ل) لا پریت نہ ہور بیا جدوں لاد اورد کمایا ای
غیراں نال خیال نہ مول لائیں کہیا جھیج نکمڑا پایا ای
شاہ باز لاہوت دی سیر والا گھگو ہو کے مکھ بھنوایا ای
انہاں مفت نکمیاں لالچاں تھیں سچ آکھ کیہڑا پھل پایا ای

(ن) نہیں چالا ہک جگ والا کدی رات تے کدی دیہاڑ ہوندی
کدی سی سیالے داہڈ ساڑے کدی لوتتی وچ ہاڑ ہوندی

Marfat.com

کدی لے پنجے پیارے یار ملدے کدی دوستی وچ وگاڑ ہوندی
کدی شرم کنوں بہوٹی گھنڈ کڈھے کدی وچ گلاں چاڑ کھاڑ ہوندی
دنیا نال پربت نہ مول لائیں کدی وسّوتے کدی اجاڑ ہوندی

نوٹ:

حرف "ل" میں آپ نے اپنے بیٹے جناب حافظ عبدالحکیمؒ کی یاد میں چار مصرعے کہے ہیں جو کہ حضرت ثالثؒ کے گہرے دوست تھے اور ان سے ایک سال پہلے ان کا انتقال ہوا تھا۔

(مکمل سی حرفی الگ دستیاب ہے)

Marfat.com

حضرت
قاری و حافظ

دین محمد
رحمۃ اللہ علیہ

پیدائش ——————— رتہ شریف

وصال — 19 اکتوبر 1946ء بروز ہفتہ، رتہ شریف

عمر ——————— 73 سال

Marfat.com

Marfat.com

مرشد ثانی حضرت قاری دین محمد رحمتہ اللہ علیہ

آپ مفتی امام الدینؒ کے دوسرے بیٹے تھے جب کچھ ہوش سنبھالا تو آپ کو اس وقت کی مشہور درسگاہ کھوکھر زیر میں قرآن کریم حفظ کرنے کے لیے داخل کرایا گیا، کیونکہ یہ درسگاہ بھی پیر بھائیوں کی تھی۔ آپ نے محنت اور دلجمعی کے ساتھ قرآن مجید حفظ کیا۔ اور واپس رتہ شریف آ کر اپنے والد گرامی سے فارسی کتب وغیرہ پڑھیں۔ اور ساتھ ساتھ قرآن مجید سے قلبی وابستگی کی بناء پر اور فطری شوق کی وجہ سے حفظ اور تجوید و قرأت میں پختگی اور رسوخ حاصل کرنے میں قیام پزیر ہوتے اور قراء سے اس فن کے رموز و اسرار معلوم کرتے اس کی مشق کے لیے آپ کو سرہند شریف میں مواقع میسر آ جاتے کیونکہ عرس کے ایام میں وہاں قراء کا جم غفیر ہوتا تھا۔

فارسی کی کتب کی متدولہ کتب پڑھ لینے کے بعد آپ صرف ونحو کی تعلیم کے حصول کے لیے موضع گھوٹے ضلع ملتان تشریف لے گئے، اور حافظ جمال اللہ کے مدرسے میں داخل ہو گئے اور تقریباً چار سال تک اس فن میں مہارت حاصل کی۔ آپ مزید علم پڑھنے کے لیے شہروں میں جانا چاہتے تھے لیکن اتفاق یہ ہوا کہ انہی ایام میں آپکی والدہ ماجدہ کا انتقال ہو گیا اور آپ کے والد گرامی نے آپکو گھر میں روک لیا، اب تم یہیں رہو، اور علمی امور میں میرا ہاتھ بٹاؤ اور صرف ونحو کی جو استعداد حاصل کر چکے ہو، اسے بنیاد بنا کر باقی علوم خاص طور پر فقہ، حدیث اور تفسیر میں دسترس حاصل کرو اور روح دین یعنی فقر وتصوف کے لئے اپنے اوقات کو صرف کرو۔ چنانچہ آپ نہایت

Marfat.com

فرمانبرداری سے گھریلو کام سرانجام دینے لگے اسی اثناء میں طب یونانی کا شوق آپ کے دل میں پیدا ہوا۔حالات اور ماحول کے مطابق آپ نے اس فن میں بھی مہارت حاصل کی اور بے شمار لا علاج مریض آپ کے ہاتھوں صحت کی نعمت سے مالامال ہوئے۔

ان کا طریقہ علاج بھی عجیب وغریب تھا حکیموں کے ستائے ہوئے مریض آپ کے پاس آتے اور لنگر خانے میں بستر لگا دیتے۔آپ کے شفاخانے میں داخلے کی صرف یہی وجہ بہت کافی تھی۔کہ وہ ایک سنجیدہ مریض ہے۔یہ شفاخانہ کوئی کاروباری شفاخاہ نہ تھا بلکہ لنگر خانہ کاایک حصہ تھا۔اس میں داخل کی کوئی فیس نہ تھی۔قیام و طعام اور ادویات کی سہولتیں لنگر خانہ سے ہی پوری کی جاتیں اور لنگر میں عطیات کا شامل کرنا بھی ہر مریض کی اپنی صوابدید اور استطاعت پر موقوف تھا۔آپ مریض کی دیکھ بھال اسکی خوراک اور اس کی تیمارداری کا خیال اس طرح رکھتے جیسے کسی گھر کے مریض کا خیال رکھا جاتا ہے۔ ایک حیرت انگیز مثال جس کا میں ذاتی طور پر گواہ ہوں موضع ''واڑے'' کا ایک شخص جس کا نام وریام تھا تمام حکیموں بشمول حکیم اللہ دین بھیروی سے مایوس ہوچکا تھا، چونکہ اس کی ٹی بی تیسرے درجے میں پہنچ چکی تھی ،اور ہر حکیم اسے گھر بیٹھنے ،موت کا انتظار کرنے اور اللہ اللہ کرنے کی تاکید کرتا تھا۔اسی مایوسی کے عالم میں وہ آپ کے پاس حاضر ہوا اور آپ کو حکیموں کی آراء سے مطلع کیا آپ حکیموں کی اس غیر حکیمانہ رائے پر بے حد برہم ہوئے اور اسے اپنامہمان بنا کر ایک نئے انداز سے اس کا علاج شروع کردیا۔عموماً جن چیزوں سے اس مرض میں پرہیز کراتے ہیں آپ اسے

Marfat.com

کثرت سے استعمال کراتے ۔ مثلاً آپ وافر مقدار میں لسی پلاتے ، پراٹھے کھلاتے ، اور شکم سیر ہوکر حلوہ کھانااس کے لیے قطعاً بد پرہیزی میں شامل نہ تھا ۔اور پھر دنیا نے دیکھا کہ وہ صحت یاب اور تندرست ہوکر رتہ شریف سے لوٹا اور مزید چالیس سال تک زندہ رہا۔میں نے اسے موضع واڑے میں کھڈی پر کپڑا بنتے ہوئے دیکھا ہے اور پھر انتقال کسی دوسرے مرض میں ہوا۔یہ سب قرابادینی نسخوں کے طفیل نہ تھا،بلکہ یہ حقیقت روزروشن کیطرح تھی۔ کہ اس علاج کے پیچھے زبردست روحانی تصرف کارفرماتھا۔ اس بات سے اہل علم آگاہ ہیں کہ ہمارے اکثر اکابر علماء بیک وقت علم الابدان اور علم الادیان میں ید طولی رکھتے ہیں اورعلم طب حقیقت میں صالح لوگوں کی میراث تھا البتہ بتدریج یہ علم دنیاوالوں کے ہاتھوں میں پہنچ کر ایک نفع بخش کاروبار کی صورت اختیار کرچکا ہے ۔اور بہت حد تک اپنی افادیت بھی کھو چکا ہے۔

حضرت الحاج قاری دین محمدؒ گھریلو ذمہ داریاں نبھانے اور طبی خدمات بجالانے کے ساتھ ساتھ اپنے والد ماجد کی تربیت سے بھر پور استفادہ کرتے رہے ۔اگرچہ آپ کو بیعت کا شرف ثانی حضرت للہ شریفؒ سے حاصل تھا ۔لیکن سلوک کی تکمیل آپ نے اپنے والد گرامی سے ہی کی اور خلافت آپکو ثانی حضرت للہیؒ نے عطافرمائی چوبیس سال کی عمر سے ہی آپ تہجد کی پابندی فرمارہے تھے ،اور اس بات پر ہمیشہ متاسف رہے کہ اتنے سال بغیرسحر خیزی کے کیونکر بسر ہوئے۔

اصحاب بصیرت پر یہ حقیقت واضح ہوگی کہ موجودہ وقت میں اعلیٰ حضرت کا خانوادہ وہ واحد مرکز فیوض و برکات ہے جہاں پر کسی حذف واضافہ

Marfat.com

کے بغیر حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ کے فقر و سلوک کا کامل ترین نمونہ اب تک الحمدوللہ جاری و ساری ہے۔جب کہ چار پشتیں گزر چکی ہیں اور موجودہ سجادہ نشین حضرت خامس جناب علامہ محمد مطلوب الرسول صاحب امت محمدیہ میں اس اعلیٰ اور اکمل طریقہ کی ترویج اور تزکیہ میں خدمات امتیازی صورت میں انجام دے رہے ہیں۔

ایہہ چشمہ فیض قائم رکھ خدایا
ہے جس تھیں فیض لوکاں عام پایا

حضرت الحاج قاری دین محمدؒ نے چشمہ صافی سے اکتساب فیض کیا اور خوب کیا ،آپ کے شب وروز کچھ اس طرح تھے کہ موسم خواہ گرمی ہو یا سردی کا آپ رات کے دو بجے تک لگ بھگ تہجد کے لئے بیدار ہو جاتے۔ تہجد کے بعد کچھ دیر کے لئے مراقب رہتے اورپھر زبانی قرآن کریم کی تلاوت نہایت ترتیل کیساتھ شروع فرماتے ، اورپھر اذانوں سے کچھ دیر پہلے طلباء کو بیدار کرتے جن کی تعداد ہمیشہ دس اور پندرہ کے درمیان ہوتی ،نماز فجر سے کچھ دیر پہلے مسجد میں تشریف لے جاتے ،خود نماز پڑھاتے اور اکثر اوقات پہلی رکعت میں دو رکوع اوردوسری رکعت میں ایک رکوع پڑھتے ۔اگر آپ کے چھوٹے بھائی حضرت مفتی ثانی علامہ عطاء محمد موجود ہوتے تو پھر جماعت کی امامت آپ ان سے کراتے غالباًیہ علم دین کا احترام تھا۔ نماز فجر کے بعد درس و تدریس میں مشغول ہوجاتے ،اشراق ادا کرنے کے بعد آپ ناشتہ فرماتے ،چائے پیتے،آپکو چائے سے رغبت رہی،اس وقت چائے کا رواج نہ تھا۔گاؤں میں آپکا واحد گھر تھا جہاں باقاعدہ اہتمام سے صبح وشام چائے کا دور چلتا ،پھر

Marfat.com

آپ طلباء کے پاس تشریف لے جاتے اور یہ حلقہَ درس دوپہر تک قائم رہتا، ملاقاتی مسلسل آتے رہتے، تعویزات لینے والے، مسائل پوچھنے والے اور اورادو ظائف کی اجازت لینے والے اور دواؤں کے طلب گار مریض بھی اس دوران میں نمٹائے جاتے۔اس کے بعد دوپہر کا کھانا کھا کر قیلولہ فرماتے اور پھر ظہر کی نماز سے عصر تک درس وتدریس اوردوسرے امور ساتھ ساتھ سرانجام دیئے جاتے۔ نماز مغرب پڑھ کر آپ گھر تشریف لیجاتے رات کا کھانا کھانے کے بعد آپ استراحت فرماتے۔اور نماز عشاء تک گھر والوں کے ساتھ ایک طرح سے محفل قائم رہتی جس میں اکثر اعلیٰ حضرتؒ للہی کے حالات و کمالات کا ذکر ہوتا کبھی مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات اور معمولات پر بات ہوتی اور کبھی پیر قصوری کے حالات کا تذکرہ شروع ہوجاتا، غرض یہ پرفیض محفل نماز عشاء تک جاری رہتی اور نماز عشاء ان دنوں رتہ شریف بہت تاخیر سے ادا کی جاتی کم ازکم رات کا ایک پہر ضرور گزر چکا ہوتاتھا اور نماز عشاء کے بعد آپ آرام فرماتے۔

آخری دس سالوں میں راقم نے خود دیکھا کہ آپ نماز تہجد کے بعد قرآن مجید کی تلاوت الحمد سے شروع فرماتے اور بہت سے پارے نماز فجر سے پہلے پڑھ لیتے ، اور نماز فجر کے بعد دوسرے کام انجام دینے کے ساتھ ساتھ ہر وقفے میں تلاوت بھی جاری رکھتے اور نماز ظہر کے بعد عصر سے پہلے ختم قرآن مکمل کرلیتے ۔ اگر کبھی لوگوں کی آمد ورفت زیادہ رہتی اورمنزل زیادہ باقی ہوتی تو آپ ظہر کے بعدنفل کی نیت کر لیتے اور کلام مجید ختم کرنے کے بعد سلام پھیرتے۔رمضان المبارک کے آخری عشرے میں آپ ایک مرتبہ ختم

Marfat.com

قرآن کی شبینہ محفل کا انعقاد فرماتے اس وقت شبینہ صرف تراویح یا نوافل میں پڑھا جاتا تھا،آپ پوری رات کھڑے ہوکر سنتے اور تمام حفاظ کے سامع آپ خود ہی ہوتے۔

آپ معاملات دین میں نرمی کے ہرگز روادار نہ تھے ،شیعت سے سخت متنفر اور وہابیت سے بیزار تھے ،ایک مرتبہ ایک شیعہ پٹواری آپ کے ہاں مہمان ہوا، آپ کو اسکے عقیدے کا علم نہ تھا صبح جب آپ مسجد میں تشریف کے لیے گئے تو کسی نے خبر دی کہ آپ کا مہمان شیعہ تھا آپ گھر تشریف لائے مہمان کے لیے جو کانچ کے برتن استعمال ہوئے تھے ،توڑ ڈالے ڈلیا اور روٹی والا کپڑا دہکتے ہوئے تنور میں جھونک دیا۔تاکہ کوئی مشکوک چیز گھر میں نہ رہے۔ آپ اپنی زندگی میں دینی غیرت وحمیت اور اعمال کی ہدیہ پاسداری کا ایک نمونہ تھے۔مگر اس شدت کے باوجود آپ کے پیرزادے حضرت رابع محمد مقبول الرسولؒ تشریف لاتے تو آپ سرتاپا عجزو انکساری کی تصویر بن جاتے نہ تیز چلے ،نہ اونچی آواز میں بات کرتے۔اور جتنی دیر آپ کی مجلس میں رہتے ،دو زانو ہوکر گم سم بیٹھے رہتے ، شاید یہ بھی کوئی مراقبے کی صورت ہو حضرت رابعؒ کو بھی آپ کا خصوصی لحاظ تھا۔روایت ہے کہ حضرت رابعؒ نے ریڈیو خریدنے کی خواہش کے باوجود صرف اس لیے نہ خریدا کہ حضرت مخدوم صاحب اسے بدعت سمجھیں گے اور ناراض ہونگے ،یادرہے کہ حضرت رابعؒ آپ کو مخدوم کے نام سے یاد فرماتے تھے ، آپ نے سلوک نقشبندیہ مجددیہ کے تمام مقامات طے کئے ہوئے تھے۔اور مریدین کو مشق کرواتے تھے، بے شمار لوگوں نے آپ سے فیض پایا۔ آپ اپنے مکاشفات کا بعض اوقات اظہار بھی فرمادیتے

Marfat.com

تھے ۔ اصحاب مزارات سے کلام فرماتے اور انکا تعارف خواص کے سامنے پیش فرمادیتے ۔

رتہ شریف اور بھون کے درمیان ایک مزار توتاں والے کے نام سے مشہور ہے ،جہاں پر رتہ شریف کے اکثر حضرات حاضری دیتے رہتے ہیں ۔ لوگوں کو ان کے بارے میں کچھ علم نہ تھا ۔آپ نے ہی بذریعہ کشف معلوم کر کے لوگوں کو بتایا کہ ان کا نام محمد ابراہیم ہے ۔لمبے قد والے ہیں ،سانولے رنگ کے ہیں، سبز پگڑی استعمال فرماتے ہیں ،حضرت خواجہ معصوم سرہندیؒ کے مرید اور خلیفہ ہیں ۔اور سکھوں کے ساتھ مقابلے میں یہاں پر شہید کیے گئے ۔

1934 ء کے آخر میں آپ حج کے لیے تشریف لے گئے ،چکوال کے مشہور نعت خواں اللہ بخش مرحوم آپ کے ہمسفر تھے ،حافظ صاحب مرحوم نے مجھ سے ذکر کیا کہ دوران حج آپ نے مدینہ امنورہ اور مکتہ المکرمہ میں کبھی جوتا نہیں پہنا اور ننگے پاؤں چلتے رہے تا کہ مقدس سرزمین کی بے ادبی نہ ہو ۔ حج سے واپسی پر آپ کثیر تعداد میں تبرکات لیکر آئے اور گاؤں والوں کو کچھ نہ کچھ تبرک ضرور دیا ،زم زم ،ٹوپی ،رومال یا تسبیح ۔

آپ کو مبارکباد دینے کے لیے مولوی محمد امین صاحب خطیب صاحب کلر کہار تشریف لائے تو مولوی صاحب نے پوچھا کہ حضرت ! آپ نے روضہ رسول پر مراقبہ بھی کیا تھا؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں میں مراقب ہوا تھا ۔ لیکن جلد ہی یہ احساس ہونا شروع ہوگیا جیسے گردن ٹوٹ رہی ہے اور کمر دوہری ہوگئی ہے ،چنانچہ میں نے جلدی سے پچھلی چاردیواری کو پکڑ کر اٹھنے کی کوشش کی اور اٹھ کر آہستہ سے باہر نکل آیا مگر آقائے دوجہاں کا فیض براہ

Marfat.com

راست حاصل کرنے کے لئے حضرت ابوبکر وعمر رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کا سینہ اور ظرف چاہیے۔ہم تو یہ فیض صرف مرشدان عظام کے وسیلے سے ہی حاصل کرسکتے ہیں ۔

جب آپ حج سے واپس تشریف لائے تو اس وقت میری عمر چار پانچ سال کی تھی ۔سب آپ سے مل رہے تھے اور تبرکات کا ڈھیر وہاں پر موجود تھا میں بھی پر رونق محفل میں آپ کے پاس چارپائی پر بیٹھا ہوا تھا ،اچانک جب مجھ پر نظر پڑی تو فرمانے لگے کہ عبید اللہ حج کریگا کیونکہ میں نے اسے طواف کرتے دیکھا ہے ۔ میرے لیے یہ بات اتنی عجیب تھی کہ ذہن پر نقش ہوگئی اور سب گھر والے بھی اس پیش گوئی کے سچ ہونیکا انتظار کرتے رہے،یہاں تک کہ اگست **1977**ء میں، میں آپ کے بعد اپنے خاندان میں پہلا شخص تھا جو عمرے کے لیے گیا اور عمرہ ادا کرنے کے بعد مطاف میں بیٹھ کر والدہ ماجدہ کی خدمت میں خط تحریر کیا کہ دادا جانؒ کا فرمان چالیس سال بعد آج پورا ہوا اور میں نے عمرہ ادا کیا ۔

حج سے واپسی پر آپ اہل حجاز کی غربت پر بے حد دل گرفتہ رہے،ان دنوں ابھی وہاں تیل نکلنا شروع نہ ہوا تھا اہل عرب بہت ہی غریب تھے چنانچہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اگر ہم عربی کو چار پیسے بھی ''بخشیش'' دے دیتے تو وہ دعائیں دیتے نہ تھکتا تھا ۔آپ اکثر یہ دعا فرمایا کرتے تھے کہ اے اللہ تو عربوں کی غربت دور فرما۔ موجودہ دور میں اس غربت کا تصور بھی محال ہے ۔

آپکے مریدین چک بھون ،واڑے ،ڈنگی زیر، بیگال، کھاراسوہیر، اور

Marfat.com

چاولی ،وغیرہ میں کثیر تعداد میں موجو د تھے ۔آپ ہر سال رابطے اور تبلیغ دین کے لیے دورے پر تشریف لے جاتے ،میں اور چھوٹے بھائی عنائت احمد حافظ صاحب بھی ساتھ ہوتے ۔ان دنوں سفر پیدل ہی ہوتا تھا ۔آپ گھوڑی پر سوار ہوتے تھے ،اور ہم دونوں بھائی باری باری آپ کے ردیف ہوتے ۔طلباء سامان سفر کے ساتھ پیدل ہوتے ۔اور خوش طبعی اور جوش و جذبہ کے ساتھ اپنا سفر جاری رکھتے ۔آپکے دورے کی پہلی منزل موضع چک بھون ہوتی ۔جہاں ہفتہ دس دن قیام رہتا۔ آپ وعظ و ارشاد کا سلسلہ کا جاری رکھتے ،کچھ تعویذات کے طالب ہوتے کچھ دواؤں کے خواہش مند ہوتے اور کچھ سعادت مند تزکیہ باطن کے لیے مراقبات اور توجہات کے مشتاق ہوتے اور اپنے اپنے ظرف کے مطابق استفادہ کرتے ۔

موضع چک بھون میں آپ کے ایک نہایت سمجھدار مرید میاں احمد میلنؒ تھے انہوں نے نہایت شوق اور ذوق سے اکتساب فیض کیا تھا ۔ظاہر وباطن کے لحاظ سے اپنے پیر کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے ۔ایک مرتبہ جوش عقیدت میں عرض کرنے لگے کہ میں تین بیگھے زرعی زمین لنگر کے نام کرنا چاہتا ہوں ،آپ نے یہ سنکر یکدم سنجیدہ ہوگئے اور فرمایا کہ ۔میاں احمد تمہارے منہ سے یہ الفاظ سنکر مجھے بہت دکھ ہوا ہے تم تو مجھے پہچانتے ہو تمہیں یہ بات نہیں کرنی چاہیے تھی ۔پھر فرمایا ۔کہ پیروں کا کام مریدوں کو دین سکھانا ہوتا ہے ان کی زمینیں ہتھیانا نہیں ہوتا ۔میاں احمد سخت نادم ہوئے ۔

موضع چک بھون کے بعد دوسری منزل ''واڑے'' ہوتی ۔اس گاؤں میں بڑی محترم شخصیتیں موجود تھیں ۔ بہت سے دمکتے ہوئے بایمن چہروں کو

Marfat.com

میں نے وہاں دیکھا کہ اس جگہ آپ کا تعلق سب سے پہلے قاضی شمس الدین ؒ سے ہوا۔روایت ہے کہ پہلی مرتبہ جب آپ وہاں تشریف لے گئے اور نماز کے لیے مسجد گئے تو اندر قدم رکھتے ہی بے ساختہ فرمایا۔بھائی شمس الدینؒ کس مسجد میں لے آئے ہو؟جس میں کسی انسان کا کھرا(نقش قدم) تک نظر نہیں آتا۔

قاضی صاحب نے عرض کی کہ کچھ نقوش ہی تو قائم کرنے کے لیے تو ممتاز نقشبندی کو تکلیف دی ہے چنانچہ یہ آپ کا تصرف اور قاضی صاحب کا اخلاص تھا کہ اب اس گاؤں کی کی مسجدیں نمازیوں سے بھری رہتی ہیں اور وہاں اکثریت متشرع اور باریش نمازیوں کی ہوتی ہے۔ ہر مہینے یہاں ایک محفل شبینہ منعقد ہوتی ہے اور حفاظ کے معاملے میں یہ موضعِ خود کفیل ہے۔

قاضی صاحب مذکور اس گاؤں کا عظیم سرمایہ تھے، بہت بڑے عالم تھے ،نہایت خوش طبع، بے حد نفیس ذوق کے مالک اور محفل کے روح و رواں تھے ۔چائے کے رسیا تھے ،اور حضرت الحاج قاری دین محمدؒ کے ساتھ اس معاملے میں ہم مذاق تھے۔آپ کی دعوت طعام تو مختلف معتقدین کے گھروں میں ہوتی ،البتہ چائے کا انتظام قاضی صاحب موصوف نے اپنی خواہش سے اپنے ذمے لے رکھا تھا ،اور اہتمام کا یہ عالم تھا کہ جن برتنوں میں صبح چائے آتی وہ برتن شام کی چائے میں استعمال نہ ہوتے ۔برادرخورد عنایت احمد حافظ صاحب آپکے ساتھ ہوتے ۔تعجب یہ ہے ہم دونوں کے لیے چھوٹے سائز کی پیالیاں الگ سے آتیں تھیں اور وہ بھی اسی طرح بدل بدل کر کہ یہ پہچاننا مشکل تھا کہ انکے گھر میں چائے کے کتنے سیٹ موجود تھے یہاں پر تمام

Marfat.com

قاضی برادری نقشبندی رنگ میں رنگی ہوئی تھی اور آخر میں قاضی صاحب اور انکے ساتھیوں نے بھی خوب استفادہ کیا ،یہاں کا قیام عجب کشادگی اور رونق کا حامل ہوتا۔

تیسری منزل موضع ڈنگی زیر تھی۔ یہ گاؤں بھی اپنی سادگی میں بے مثال تھا۔ یہاں کے لوگ شرافت میں یکتا تھے۔ اس گاؤں کے دو نمایاں طالب علم آپ دورے میں شامل رہے۔ایک قاضی عطا محمد مرحوم اور دوسرے اللہ یار مرحوم یہ دونوں آپس میں خالہ زاد تھے اور اوصاف حمیدہ میں ایک دوسرے سے سبقت لے گئے۔قاضی عطاء محمد کی اولاد موجود ہے،اللہ یار مرحوم برٹش آرمی میں شامل تھے۔شادی نہ ہوئی،دوسری جنگ عظیم کے دوران مدراس میں فوت ہوئے۔اور وہیں دفن ہوئے۔انکے علاوہ عطا محمد جو اصل میں آپ کے میزبان بنتے نہایت محبت والے انسان تھے اور مستری دین محمد مرحوم بھی ایک با صلاحیت انسان تھے ایک عرصے تک ان کو آپ سے گہری عقیدت رہی۔اب ان کے بیٹے جناب نذیر احمد جو کے ٹیچر ہیں اور چکوال میں قیام پذیر ہیں۔

اس گاؤں کی مسجد کا ایک سقہ تھا جس کی بیوی پر کسی جن کا اثر تھا ۔وہ جن کچھ ایسا دلیر واقع ہوا تھا کہ وہ فتح بی بی جو کے پھتاں کے نام سے مشہور تھی ۔جب ہانڈی وغیرہ بنا رہی ہوتی تو مکان کے اندر سے برتن اٹھا اٹھا کر باہر پھینکتا اور توڑ دیتا ۔پھتاں بیچاری دیکھتی رہ جاتی اور کسی شخص کو اس کا توڑ نظر نہ آتا۔ پھتاں مرحومہ کو میں نے دیکھا ہے، وہ خود بھی ایک جنی ہی دکھائی دیتی تھی ،مراد یہ ہے کہ اس کی شکل وصورت عام لوگوں سے مختلف تھی ۔جب

Marfat.com

وہ جن اس کے سر پر آتا تب تو وہ نیم پاگل دکھائی دیتی لیکن جب وہ اس سے الگ ہو جاتا تو مسکینہ ایک عاجز بندی بن جاتی۔ جب وہ پانی وغیرہ بھرنے کے لیے باہر نکلتی،دوسری عورتیں اس سے پوچھتیں کہ تمہارا جن کدھر ہے تو وہ بیزاری سے جواب دیتی کہ کہیں دفع ہوگیا ہے۔اس جواب کے ساتھ ہی دور جھاڑیوں سے ایک لمبی اور بلند آواز آتی پھتاں کُو۔۔۔ جسے سن کر عورتوں کے دل دہل جاتے۔ پھتاں کے گھر والوں نے بہت تعویذ گنڈے کرائے لیکن کچھ افاقہ نہ ہوا۔آخرکار جب الحاج قاری دین محمد اس گاؤں میں تشریف لائے تو گاؤں کے معزز افراد نے سفارش کے طور پر عرض کی کہ یہ غریب لوگ بہت مصیبت میں مبتلا ہیں ،ان کے لئے خاص دعا فرمائی جائے ۔ایسے مواقع پر علاج کی صرف ایک صورت آپ کے پاس تھی آپ اپنے طلباء سے ختم قرآن پاک کراتے ۔چنانچہ آپ نے اس کے گھر میں بھی ختم قرآن مجید کرایا۔ میں بھی اس میں شامل تھا اس کے بعد دوبارہ کسی جن کو اس گھر میں آنے کی جرأت نہ ہوئی۔

اس دورے کی چوتھی منزل کھارا سوہیر ہوا کرتی ۔اس گاؤں کے لوگ جو آپ کے متوسلین اور معتقدین تھے ہمہ وقت دیدہ و دل فرش راہ کئے رہتے۔ البتہ جن افراد کی نسبت دوسرے پیران عظام سے تھی وہ جمعہ کے اجتماع کے علاوہ عام طور پر الگ ہی رہتے۔ یہاں پر خصوصی تعلق رکھنے والے مستری حاجی غلام حسین صاحب ،مستری عالم دین صاحب ،میاں الف دین صاحب اور دوسرے کئی ایک محترم حضرات تھے ان سب حضرات نے ظاہری اور باطنی فوائد آپ سے حاصل کئے ۔البتہ میاں الف دین مرحوم اپنے پیر کے رنگ میں

Marfat.com

صد فی صد رنگے ہوئے تھے۔صاحب کشف،خاموش طبع اور اپنی تنگ دستی پر صابر و قانع تھے۔ان کی اولاد زیادہ تر چکوال منتقل ہوچکی ہے مستری غلام حسین بھی چکوال منتقل ہوگئے انتقال یہاں ہی ہوا۔آپکے دو بیٹے حافظ اور انجینیئر ہیں اور امریکہ میں مقیم ہیں،ایک بیٹا چکوال ہی میں ہے اور کاروبار میں مصروف ہے۔ان کے نواسے چکوال کے مشہور ڈاکٹر مشتاق اعوان ہیں۔عالم دین مرحوم کے بیٹے حافظ منور دین بھی چکوال منتقل ہوچکے ہیں اور دکانداری کر رہے ہیں۔

اس دورے کی پانچویں منزل موضع چاولی کی ڈھوک ملیاراں ہوتی۔یہاں پر پہنچ کر تارک الدنیا ہونے کا احساس اجاگر ہوتا۔یہ سادہ اور مخلص لوگوں کی ایک ایسی آبادی تھی جیس پر صرف اور صرف نقشبندیت اور مجددیت کی چھاپ تھی۔یہاں پر طلباء کی توجہ کا مرکز صرف بابا اللہ یار مرحوم تھے۔جنکی عمر اس وقت ۱۹۴۴ء میں ایک سو بیس سال تھی ان کے دانتوں کی پوری بتیسی صحیح سالم ،کان آنکھ درست اور چلنا پھرنا نوجوانوں کی طرح تھا۔وہ خود کھیتوں کہ رہٹ چلا کر سیراب کرتے اور اڑہائی فرلانگ دور سے گھر والوں کو احکام صادر کرتے۔ان کی اولاد کا سلسلہ کچھ اس طرح پھیلا ہوا تھا کے ان کے بیٹے تو خود ان کے بڑے بھائی دکھائی دیتے تھے اور ان کو خود بھی اپنے پوتوں اور پڑپوتوں کو پہچاننا مشکل تھا۔یہاں لوگوں کا ہجوم کسی قدر کم ہوتا اور طلباء کے اسباق میں باقاعدگی پیدا ہوجاتی۔

اس کے علاوہ کبھی کبھار دورے کی ایک منزل موضع بگال بھی ہوا کرتی۔یہاں پر قاضی عبدالمجید مرحوم نہایت عقیدت مند انسان تھے وہ آپ کے

Marfat.com

شاگرد بھی تھے اور مستری خاندان کے اکثر لوگ آپ کے مریدین میں شامل تھے اور گہرا ربط رکھتے تھے۔

قارئین یہ تاثر نہ لیں کے یہ دورہ خوشذائقہ کھانوں کے مواقع مہیا کرتا تھا نہیں ہرگز نہیں بلکہ یہ دورہ خالصتا تبلیغی اور تربیتی اسلوب کا حامل تھا۔میں اپنی ناسمجھی کے باعث یہ دعا کرتا اللہ کرے آپ مجھے اس دورے میں شامل نہ کریں کیونکہ بعض اوقات ایسا کھانا بھی ہوا کرتا کے جسے مجھ جیسے بیوقوف آدمی کے لئے حلق سے نیچے اتارنا مشکل ہوجاتا۔اندازہ کیجئے نمکین کھیر پر شکر ڈال کر بغیر سالن کے چپاتیاں دے دی جائیں تو کھانا کیسے کھایا جائیگا۔لیکن آپ نے کبھی بھی کھانے کی خرابی کا ذکر تک نہ کیا۔اس کی وجہ یہ تھی کہ اس دورے کامقصود کھانے کھانا نہیں تھا بلکہ دین وشریعت کا ایک ایسا عملی نمونہ پیش کرنا تھا۔جسکی بناء پر عامتہ المسلمین کے دلوں میں دین جڑ پکڑ سکے۔

وہ صورتیں الٰہی کس دیس بستیاں ہیں
اب جن کے دیکھنے کوآنکھیں ترستیاں ہیں

ایک دوسرا مختصر دورہ ضلع سرگودھا میں ''حویلی سیٹھاں'' کا بھی ہوتا۔ میں اس دورے مین کبھی شامل نہیں رہا۔یہ حویلی سیٹھاں بابو فتح محمد صاحب ٹھٹھی جنگا والوں کے نام سے موسوم تھی ،جن کا مختصر تذکرہ مفتی اعلیٰ کے ذکر کے ضمن میں آچکا ہے۔بابو صاحب موصوف مفتی اعلیٰ کی بیعت تھے۔البتہ پیرصحبت آپ کے قاری الحاج دین محمدؒ تھے جو آپ کے ہم عمر بھی تھے اور واقف حال بھی۔دونوں مستقل مزاج اور پختگی میں قدر مشترک کے

Marfat.com

مالک تھے بابو فتح محمد مرحوم و مغفور انتہائی گہرے تعلقات اور برادرانہ مراسم کے باوجود خودکو ہمیشہ بندہ بیدام ظاہر کرتے تھے۔

صوبیدار حافظ محمد لطیف صاحب چک بھون والے روایت کرتے ہیں کہ آپ ایک مرتبہ حویلی سیٹھاں تشریف لے گئے۔ بابو جی مرحوم نے آپ کو اپنی فصل دکھانے کے لیے تشریف لے جانے کی درخواست کی۔آپ ساتھ ہو لیے، جب آپ کی نظر گندم کی فصل پر پڑی جوتاحد نظر لہلہا رہی تھی تو آپ کے منہ سے بے اختیار یہ الفاظ ادا ہوئے۔"فتح محمد! کہیں ایسا نہ کہ یہ بے بہا فصلیں تمہارے ایمان کوخراب کر دیں یہ فقرہ سننا تھا کہ بابو فتح محمد مرحوم نے یہ عہد کر لیا کہ میں کھیتوں میں دن کے وقت زندگی بھر نہ جاونگا۔چنانچہ وہ خانہ نشین ہوگئے اور صرف حوائج ضرور یہ کے لیے گھر نکلتے،سب کچھ بچوں کے حوالے کرکے دنیاوی بکھیڑوں سے الگ تھلگ ہوگئے۔

صوبیدار صاحب موصوف روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک بہت غریب آدمی رتہ شریف میں آپکی خدمت میں حاضر ہوا عرض کرنے لگا کہ یا حضرت!میں بے روزگار ہوں اور ستر روپے کا مقروض بھی ہوں ازراہ کرم آپ کسی سے کہ کرمجھے کام پر لگوا دیں تاکہ قرض کے بوجھ سے سبکدوش ہوسکوں،آپ نے اس کی بپتا سن کر اسے رقعہ لکھ دیا اور بابو فتح محمد مرحوم کے پاس حویلی سیٹھاں جانے لوکہا آپ نے رقعہ میں تحریر کیا کہ حامل رقعہ بیکار ہے اور مقروض بھی۔اگر یہ کسی کام کا اہل ہوتو اسے کام پر لگالیں تاکہ یہ اپنا قرض اتار سکے۔بابو فتح محمد مرحوم نے رقعہ پڑھا۔اسے بٹھایا لسی پلائی گھر میں گئے ستر روپے لاکر اس کے ہاتھ پر رکھ دیے،نیز اسے کرایہ بھی دیا اور کہا

Marfat.com

کہ جاؤ پہلے جاکر اپنا قرض ادا کرو پھر اگر دل چاہے تو واپس آجانا تمہیں کام پر لگا دیا جائیگا نہ آنا چاہو تو میری طرف سے کوئی پابندی نہیں ہے ،یاد رہے کہ اس وقت کا ستر روپیہ آج کے ستر سو روپے سے بھی زائد ہوتا تھا ۔چنانچہ وہ شخص گھر گیا ،قرض ادا کیا اورواپس آکر کام پر لگ گیا ۔آپ جب حویلی تشریف لے گئے تو آپ نے دیکھا کہ وہ شخص کھیتوں میں کام کررہا تھا ۔آپ نے اسے پہچان لیا اور پوچھا کہ تمہارا کام یہاں لگ گیا تھا ۔بتاؤ تمہارا قرض کتنا اداہوا؟ وہ کہنے لگا کہ یا حضرت قرض کے پیسے تو بابو صاحب نے رقعہ دیکھتے ہوئے عنایت فرمادیئے تھے ۔اورمیں قرض اتار کر یہاں آگیا ہوں اور کام کر رہاہوں ۔آپ نے بابو فتح محمد سے فرمایا کہ میرا رقعہ دینے کا مقصد صرف یہ تھا کہ یہ شخص کام کرنے کیا ساتھ ساتھ اآہستہ آہستہ اپنا قرض ادا کرتا رہے ،اکٹھی رقم دلوانا نہیں تھا ،بابو فتح محمدعرض کرنے لگے کہ جناب کا فرمان بجا ہے لیکن میرے لئے یہ بات ذرا بوجھل تھی کہ آپ کا رقعہ ایک شخص لیکر آئے اور بدستور مقروض بھی رہے ۔ حضرت بابو فتح محمدؒ کی شخصیت اس بات کی متقاضی ہے کہ ان کی زندگی پر مستقل رسالہ لکھا جائے گا ۔ کاش اس کا اہتمام ان کے بیٹے محمد سعید قریشی صاحب ریٹائرڈ ۔ڈی۔اف۔او کریں ان کے پاس ثقہ معلومات بھی ہیں،وقت بھی اور علم بھی ۔

ان مقامات کے علاوہ موضع ''میرا تھرچک'' کا بھی آپ اکثر دورہ فرمایا کرتے تھے،یہاں کے دورے میں میں متعدد مرتبہ شامل ہوا ۔یہ گاؤں بڑی متنوع خوبیوں کا حامل تھا لوگ آسودہ حال مہمان نواز اورکسی قدر جزرس تھے ۔حافظ شمس الدین مرحوم آپ کے شاگرد اور اجل حافظ تھے محترم اور

Marfat.com

بزرگ شخصیتوں میں ایک بزرگ شخصیت فقیر صاحب کی تھی جو کہ فی الحقیقت اس گاؤں کی متاع بے بہا ،نہایت زیرک اور مخلص انسان تھے۔انہوں نے اہل گاؤں کی ضروریات کے لئے تن تنہا ایک خدمت کی اور مثالی گاؤں بنا ڈالا ۔انہوں نے اس کا محل وقوع ایسا انتخاب کیا جس میں انتہائی شفاف پانی بارش کے زریعے آکر جمع ہوجاتا۔اس پانی میں، مٹی نام کو بھی شامل نہ ہوتی اس عظیم کام کو سر انجام میں کوئی شخص فقیر صاحب مرحوم کا معاون نہ تھا لیکن ان کا عزم راسخ تیشہ فرہاد کا کام کرگیا۔

یہ گاؤں دراصل شیعہ چوہدریوں کی جاگیر تھا اور سنی حضرات زیادہ تر مزارعین کی حیثیت میں رہتے تھے ۔نہایت بے چینی کے ساتھ دبے سہے اور معتوب حالت میں زندگی بسر کررہے تھے ۔اور یہ بات بالکل یقینی ہے کہ اگر حضرات رتوی اور حضرات للہ شریف کی آمدورفت اس گاؤں میں نہ ہوتی تو الناس علی دین ملوکہم کے اصول کے تحت اکثریت وڈیروں کا دین قبول کرچکی ہوتی ۔مگر آج حالت یہ ہے کہ چوہدری حضرات کے ہاتھوں زمینیں بھی زیادہ تر نکل چکی ہیں ۔چوہدریوں کا صرف نام باقی ہے ،چوہدراہٹ ختم ہوچکی ہے۔

الحاج حضرت قاری دین محمد (رحمتہ اللہ) عقائد میں پختگی اور حمیت دین کو اجاگر کرنے اور اسلامی شعائر کو رواج دینے میں اپنے مثال آپ تھے ۔آپ مختصر اور گاہے بگاہے دورے کی صورت میں موضع سدوال ،ٹھٹھی جنگا،موہڑہ تھنیل اور بھون وغیرہ بھی تشریف لے جایا کرتیے اور جہاں جہاں آپ کے اثرات پہنچے وہاں پھر کسی اور عقیدے کو سر اٹھانے کی ہمت نہ ہوئی ۔

Marfat.com

پاکستان بننے سے پہلے آپ اس کے پرجوش حامیوں میں سے تھے ۔مسلم لیگ اور قائد اعظم کے بیانات مکالماتی معرکے متحدہ ہندوستان کے مسلمانوں کے دلوں میں ایک تازہ ولولہ جنون کی حد تک برپا کرچکے تھے ۔پیران عظام کی اکثریت مسلم لیگ کی پشت پر تھی ۔قیام پاکستان کی خواہش نے آپ کے دل میں اخبارات سے لگاؤ پیدا کردیا تھا ۔اس وقت دواخبار اشاعت کے لحاظ سے سرفہرست تھے مسلمانوں کا زمیندار اور ہندوؤں کا ملاپ ان دو کے علاوہ آپ اخبار تیج اور ویر بھارت کا مطالعہ بھی فرماتے ۔البتہ رتہ شریف کے قیام کے دوران روزناموں کا حصول مشکل ہوتا تھا صرف ایک سہ روزہ اخبار الفقیہ آپ کے پاس باقاعدگی سے آتا اس کا نہایت غور سے مطالعہ فرماتے اور مسجد جاتے ہوئے اخبار کو ساتھ لے جاتے مسجد کی ڈیوڑھی رتہ شریف کا اسمبلی ہال تھی ۔ جس میں قاضی عبد الحلیم مرحوم جیسے ذہین اور زیرک مبصر کے علاوہ صاحب دین مرحوم ،جناب میاں غلام جیلانی مرحوم ،جناب عبد الحکیم مرحوم ،جناب شمس الدین مرحوم اور جناب گل محمد مرحوم جیسے اہم ارکان موجود ہوتے ۔آپ انہیں الفقیہ سے خبریں اور ادارے پڑھ کر سناتے ۔اس مجلس کا انداز اور جوش مسرت زبان حال سے اس بات کا اعلان کررہاہوتا کہ انشاء اللہ پاکستان بن کررہے گا ۔اور ان اصحاب کے اندازوں کے مطابق پاکستان کا بننا گویا دور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی اجمعین کے لوٹ آنے کا ہم معنی تھا ۔

جیسا کہ ذکر کیا جاچکا ہے کہ آپ ہر رمضان المبارک کے آخری عشرے میں ایک محفل شبینہ کا اہتمام لازما فرماتے لیکن آپ نے اپنے آخری

Marfat.com

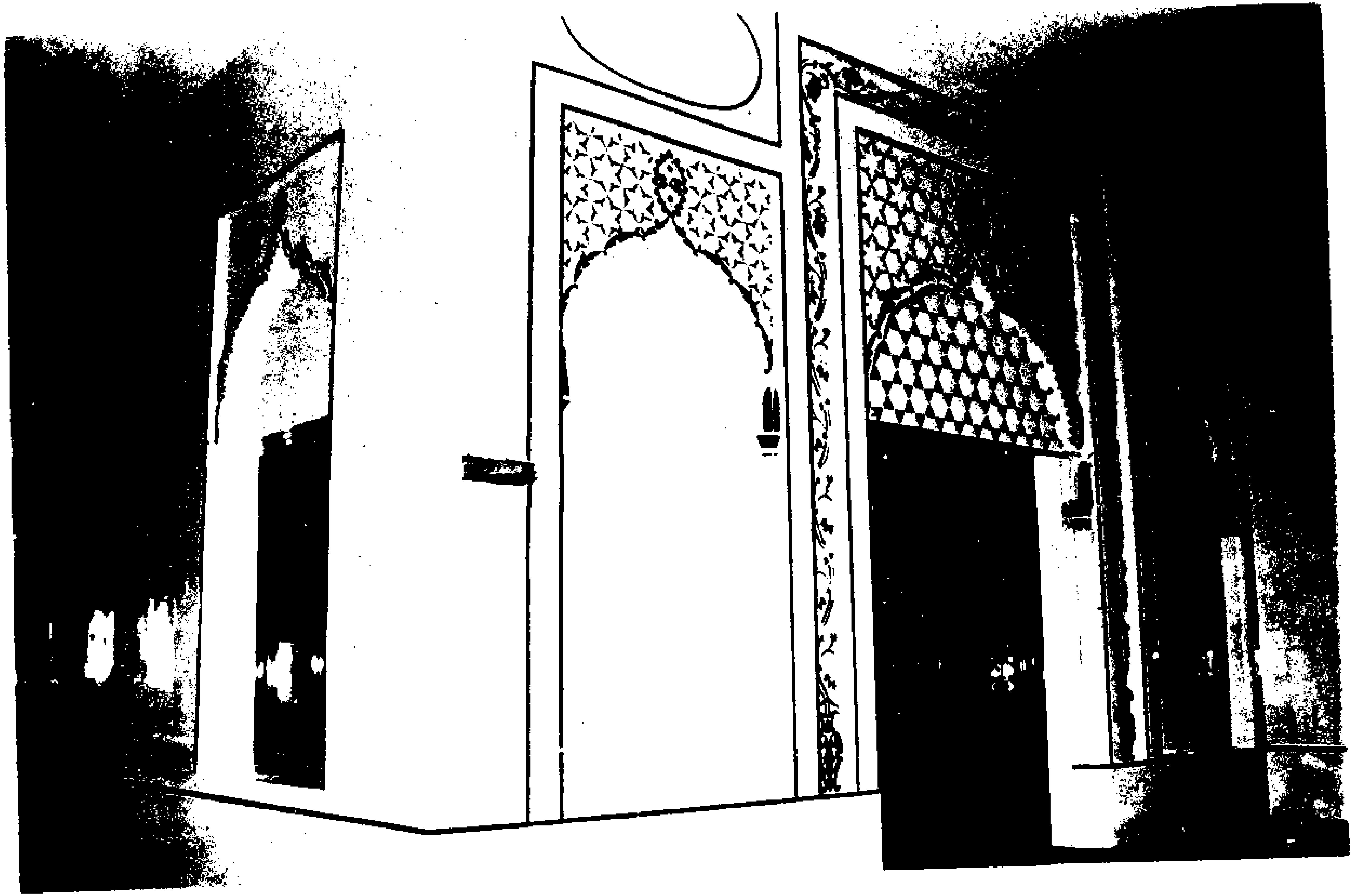

روضہ شریف کا بیرونی منظر

Marfat.com

Marfat.com

رمضان المبارک میں تین محافل شبینہ کا اہتمام فرمایا۔موہڑہ تھنیل میں حافظ سخی محمد نے حفظ کرنے کے بعد قرآن مجید سنایا۔آپ نے ۲۶رمضان المبارک تک درویشوں سمیت وہیں قیام کیا۔۲۷رات کو حافظ صاحب مذکور نے ختم کیا اور محفل شبینہ بھی منعقد ہوئی۔جس میں شرکت کرنے والے تمام کے تمام حفاظ آپ کے شاگرد تھے۔میرا تھر چک سے حافظ وزیر حسین صاحب، چک بھون سے حافظ غلام قادر صاحب،سدوال سے حافظ غلام یاسین صاحب اور دوسرے متعدد حفاظ تشریف لائے تھے۔قاری محمد بخش جنگوی مرحوم آپ کے ابتدائی شاگردوں میں سے تھے ان کی قرات اور لہجہ سب سے برتر تھا مگر بحیثیت حفاظ کا یہ میلہ حافظ غلام یاسین صاحب سدوالی لوٹ کر لے گئے۔

اب جناب حافظ وزیر حسین صاحب بھون والوں کا یہ اصرار ہوا کہ دوسری رات ۲۸رمضان المبارک کی رات مسجد کمہاران بھون میں شبینہ کا پروگرام رکھا جائے۔آپ نے یہ تجویز منظور فرمائی اور شام کے وقت بھون گئے پچھلی رات والے سارے حفاظ اس میں شامل تھے شبینہ مکمل ہوا آپ نے خود یہ تجویز دی کہ رتہ شریف میں اگلی رات یعنی ۲۹رمضان کی رات شبینہ کا پروگرام رکھا جائے۔آپ رتہ شریف تشریف لے گئے حفاظ کرام بھون میں رہ گئے کہ شام رتہ شریف پہنچ جائیں گے لیکن چونکہ حفاظ دودن کے تھکے ہوئے تھے اور کچھ روزے کی نقاہت بھی تھی یہ لوگ رتہ شریف عشاء تک نہ پہنچ سکے آپ بہت غصے میں تھے اسی خفگی کی حالت میں خود ہی نفلوں میں قرآن کریم کی تلاوت شروع کردی آپ کے چھوٹے بھائی حضرت مفتی عطاء محمد اور دوسرے حفاظ کرام بھی سامعین میں شامل تھے اپ نے بیس پارے پڑھ کر

Marfat.com

رکوع کیا اسی دوران میں حفاظ کرام بھون سے افطاری وغیرہ کر کے رتہ شریف پہنچ گئے اور مختلف آوازیں نکال کر اپنی موجودگی کا احساس دلا رہے تھے بالآخر آپکے چھوٹے بھائی حضرت مفتی عطاء محمد نے تلاوت روکنے کیلئے اللہ اکبر کہہ کر رکوع کرنے کا اشارہ کیا اور آپ نے دوسری رکعت میں چھبیسواں پارہ پڑھ کر رکوع کیا اللہ اکبر کے الفاظ تو کئی ایک سامعین نے کہے لیکن آپ نے کان نہ دھرا البتہ اپنے بھائی کی آواز پہچان کر رکوع میں چلے گئے اور حفاظ کیلئے چار پارے چھوڑ دیئے چنانچہ حفاظ کرام جو آپ کے شاگرد تھے اور تاخیر پر نہایت شرمندہ بھی تھے آدھا آدھا پارہ پڑھ کر شبینہ میں شمولت کی سعادت حاصل کر سکے۔

آپ بے مثل حافظ تھے۔روایت ہے کہ آغاز جوانی میں آپ موضع بھٹی گجر ایک شبینہ سننے کی خاطر تشریف لے گئے وہاں علاقے کے ایک مشہور حافظ بھٹہ صاحب منزل پڑھ رہے تھے اور مشہور تھا کہ حافظ بھٹہ صاحب کو کوئی لقمہ نہیں دے سکتا کیونکہ وہ قرآن مجید پڑھتے ہوئے کسی طرح کی کوئی غلطی کرتے ہی نہیں ان کا بڑا رعب اور ایک طرح کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی آپ اس رات شبینہ میں تیسری صف میں کھڑے تھے حافظ بھٹہ صاحب غلطی پر آپ نے لقمہ دیا بھٹہ صاحب کیلئے یہ بات سخت ناگوار تھی انہوں نے فوراً رکوع کیا اور سلام کے بعد پوچھنے لگے کہ لقمہ کس نے دیا ؟آپ نے کھڑے ہو کر کہا کہ لقمہ میں نے دیا ہے بھٹہ صاحب پہچانتے نہ تھے کہنے لگے کہ صرف لقمہ دینا ہی جانتے ہو یا پڑھنا بھی۔آپ نے کہا کہ جی دونوں کام کرتے ہیں بھٹہ صاحب نے کہا کہ پھر مصلی پر آجاؤ آپ آگے بڑھ گئے

Marfat.com

منزل شروع کی اور تقریباً پندرہ پارے پڑھ ڈالے اتنی دلکش آواز اور ترتیل کی رعایات کے ساتھ تلاوت سے اہل دیہہ پہلی مرتبہ متعارف ہوئے اور پھر لوگوں کے اصرار پر رکوع کیا اور سلام پھیرا سلام پھیرنے کے بعد بھٹی گجر کے تمام سمجھدار لوگ بیک زبان بول اٹھے کہ بھٹہ صاحب اب تمہارا دور ختم ہوگیا اب رتہ شریف کا ہی نام رہے گا۔

آپ نے عین عالم شباب سے ہی یہ معمول بنالیا تھا کہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کے عرس کے مواقع پر بلاناغہ حاضری دیتے اور اس معمول میں پینتالیس سال تک ناغہ نہ ہونے دیا اس سفر میں آپ کے ہمراہ زائرین کی جماعت ہوتی آپ وہاں پندرہ سے بیس روز تک قیام فرماتے ،سرہند شریف کے روضہ مبارک کے اکثر کارکنوں سے آپ کے گہرے تعلقات تھے۔وہاں کے خلیفہ صاحب سے تو آپ کے تعلقات نہایت نیاز مندانہ تھے اور وہ بھی آپ کا بہت احترام فرمایا کرتے البتہ خلیفہ صاحب اس بات سے کسی حد تک انقباض محسوس کرتے کہ آپ کے قافلے میں بڑی بوڑھی زائرات کیوں شامل ہوتی ہیں کیونکہ حضرت مجدد کے روضہ پاک پر عورتوں کی آمدورفت نہایت سختی سے ممنوع تھی آپ کے ساتھ عقیدت مند خواتین بھی ہمراہ جاتیں ۔لیکن آپ اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ مستورات کوایام عرس میں ہجوم خلائق کیوجہ سے اپنے اپنے ڈیروں پر پابند رکھا جائے ۔عرس مبارک کی اصل تقریبات ۲۶،۲۷،۲۸صفر کو اب بھی ہوتی ہیں عرس کے موقع پر ان گنت قراء حضرات نزدیک و دور سے کھچ کر وہاں پہنچ جاتے ہیں جناب قاری علامہ قمرالدین صاحب لکھنوی کے مدرسے کے تمام طلباء وہاں

Marfat.com

آتے کھانے اور نمازوں کے اوقات کے علاوہ ہر وقت وہاں تلاوت کلام پاک کی محفل جمی رہتی آپ کو ایک نوعمر طالبعلم قاری شاہد لکھنوی کی تلاوت سے خصوصی لگاؤ تھا اس وقت وہ نوعمر تھے اب وہ ضعیف ہوچکے ہیں اور پاکستان بن جانے کے بعد ٹنڈو محمد خان ضلع حیدر آباد میں قیام پذیر ہیں آپ کو ان کی تلاوت سے خاص دلچسپی تھی اور باربار آپ قاری صاحب موصوف سے کچھ نہ کچھ سننے کی فرمائش کرتے رہتے یہ پاکستان بننے سے پہلے کی باتیں ہیں میں بھی سرہند شریف کے ایک سفر میں آپ کے ساتھ شامل تھا اور آپ کے معمولات کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔1966 کی بات ہے کسی کام کے سلسلے میں کچھ دنوں کیلئے حیدر آباد میں مقیم تھا وہاں پر ایک دن میرے دوست وکیل غلام حیدر میمن ایک دن کہنے لگے کہ شہباز قلندر کے میلے میں سیون شریف چلتے ہیں غلام حیدر صاحب کے سسر محمد اسماعیل صاحب ضلع دادو کے ڈپٹی کمشنر تھے انہوں نے اپنے داماد کو اس عرس میں شرکت کی دعوت دی اور غلام حیدر صاحب نے مجھے بھی ساتھ لیا وہاں پہنچے اور افتتاحی کانفرنس میں شرکت کی۔ منتظمین کو در محمد اوستو جو سندھ کے صوبائی وزیر تھے کا انتظار تھا جب وہ آئے سٹیج سے اعلان ہوا کہ قاری نقوی صاحب تلاوت کیلئے تشریف لائیں۔ یہ اعلان سن کر میری دائیں جانب بیٹھے ہوئے ایک باریش صاحب اٹھ کر تلاوت کیلئے سٹیج پر جا پہنچے میں اس خیال میں تھا کہ اندرون سندھ میں معقول تلاوت کہاں سننے کو ملے گی لیکن انہوں نے تلاوت شروع کی تو ایک سماں باندھ دیا انتہائی موثر اور آداب قرات کے مطابق واپس آکر جب میرے پاس تشریف فرما ہوئے تو میں نے ان سے پوچھا کہ آپ انڈیا کے کس شہر کے

Marfat.com

رہنے والے ہیں تو کہنے لگے میرا تعلق لکھنؤ سے ہے میں نے دوسرا سوال کیا کہ وہاں کے ایک قاری شاہد صاحب تھے جو صفر کے مہینے میں عرس کے موقع پر سرہندشریف تشریف لایا کرتے تھے کیا آپ انہیں جانتے ہیں تو کہنے لگے کہ میں ہی قاری شاہد ہوں ان کا یہ اچانک جواب سن کر میں تو سکتے میں آ گیا میری حالت بھانپ کر پوچھنے لگے کہ کیا بات ہے؟آپ میرا نام کیسے جانتے ہیں میں نے کہا کہ آپ کو شاید یادنہ ہولیکن میرے دادا مرحوم آپکی تلاوت کے عاشق تھے کہنے لگے کیا نام تھا ان کا میں نے کہا کہ ان کا نام الحاج قاری دین محمد تھا وہ کہنے لگے وہ دین محمد جو رتہ شریف ڈاکخانہ بھون تحصیل چکوال اور ضلع جہلم کے رہنے والے تھے میں نے کہا کہ بالکل وہی ۔وہ کہنے لگے کہ بھائی وہ تو ہم بچوں کی حوصلہ افزائی فرمایا کرتے تھے اصل میں وہ خود قرات کے ہم سب سے بڑھ کر ماہر تھے ۔

مجھے جب تک ضلع حیدر آباد میں رہناپڑا قاری شاہد صاحب سے گاہے بگاہے ملاقات کا شرف حاصل ہوتا رہاالبتہ میری پنجاب واپسی کے بعد ان سے رابطہ ٹوٹ گیا ۔

ہر جا کہ باشی خدایا رتو
الہی ہمیشہ نگہدار تو

الحاج قاری دین محمد کے دو بیٹے ہوئے ایک حافظ عتیق اللہ اور دوسرے حافظ جمال الدین ۔ایک بیٹی تھی جن کی شادی چکوال کے قاضی خانے میں الحاج قاضی غلام مہدی سے ہوئے اور وہ پچاس سال تک باقاعدگی سے قرآن کریم کی تعلیم دیتے ہوئے خالق حقیقی سے جا ملے ۔

Marfat.com

آپ کے بیٹے عتیق اللہ صاحب مادر زاد ولی تھے اور انیس سال کی عمر میں ہی بے شمار خوبصورت یادیں چھوڑ کر اللہ کو پیارے ہوگئے۔حافظ جمال الدین آپ کے بعد سجادہ نشین ہوئے اور کم وبیش پچاس سال تک اس اہم ذمہ داری کو شاندار طریقے سے نبھایا اور چار بیٹے اور ایک بیٹی چھوڑ کا عالم آخرت کا سفر اختیار کیا۔

قارئین کرام الحاج قاری دین محمد ممتاز قاری، باکمال صوفی، شب زندہ دار زاہد، بے ریا عابد بے لوث حکیم، اپنے قول وفعل میں مبلغ دین محمدیہ علیہ الصلوۃ والسلام تھے۔مصلحت کوشی سے دور اور زمانہ سازی سے نفور تھے۔چند دنوں کی علالت کے بعد 23 ذیقعدہ 1365 ہجری دس بجے صبح اپنی جان جان آفرین کے سپرد کی۔جنازے کی نماز علامہ قاضی غلام جیلانی چکوالی رحمتہ اللہ نے پڑھائی اور مسجد سے ملحقہ روضے میں اپنے والد گرامی کی پائنتی میں آسودہ خاک ہوئے اور معتقدین و اقارب کو سوگوار چھوڑ گئے آپکا عرس مبارک دس ہاڑھ کو منایا جاتا ہے جس میں معتقدین نہایت ذوق وشوق سے شرکت کرتے ہیں۔

خوگر پرواز کو پرواز میں ڈر کچھ نہیں
موت اس گلشن میں جز سنجیدن ہر کچھ نہیں

Marfat.com

وائے آں قومے کہ از پا در فتاد　　میر و سلطاں زاد درویشے نہ زاد

حضرت علامہ مفتی عطا محمد رحمۃ اللہ علیہ

پیدائش ــــــــــ 1301ھ

وصال ــــــــــ 11 فروری 1957ء

عمر ــــــــــ 74 سال

Marfat.com

لاہور

عزیزے اعزی مولوی محمد عارف مد ظلہ فانوس آئیں

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ نامہ 2 مئی کا ملفوف ہو چکا کاشف حالات ہوا

میرا قیام کچھ دیر تو موقوف رہا پانچ روز تک باقی رہا ہے
ملتان ... دو چار روز پھر سرگودھا دو تین روز پھر للہ شریف پہنچکر چھ سات روز قیام ہوگا خط کا جواب ... بہتر ہے اپنی اوقات کو محفوظ رکھیں
... والدہ صاحبہ کا بہت بہت افسوس کا اظہار کرنا باقی خیر و عافیت ہے والسلام

دعاگو مفتی
عطا محمد عفی
عنہ بقلم خود
دربار گھیرہ محمد خواجگان

Marfat.com

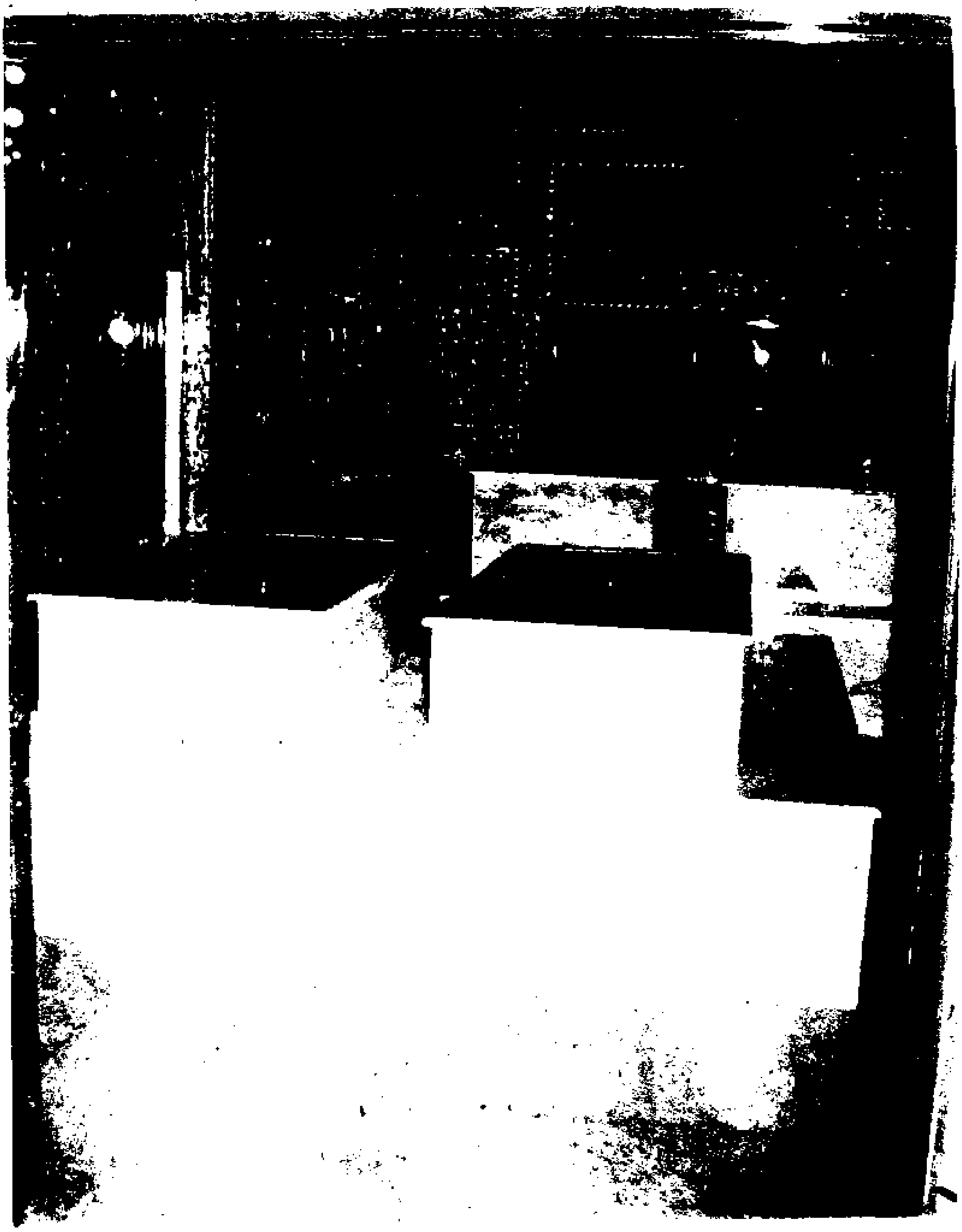

مزار مبارک

Marfat.com

Marfat.com

حضرت علامہ مفتی عطاء محمد رحمتہ اللہ

آپ نے مفتی اعلیٰ حضرت امام الدین رحمتہ اللہ کے گھر میں آنکھ کھولی جو کہ اعلیٰ حضرت للہی کے خلیفہ مجاز تھے اور جن کی بدولت رتہ شریف جیسا مختصر گاؤں طالبان حقیقت اور سالکان طریقت کیلئے مرکز و محور بنا ہوا تھا لوگ دور نزدیک سے کثیر تعداد میں آکر یہاں نقشبندیہ قادریہ مجددیہ طریقے کے فیوض و برکات سے مستفید ہو رہے تھے۔

حضرت عطاء محمد اپنے بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے اور پیری مرید کے ماحول میں پرورش پانے کی بدولت آپ کے مزاج میں خاصا لاڈلاپن آگیا تھا یہاں تک کہ آپ کے والد ماجد کو یہ فکر دامن گیر ہونے لگی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ بچہ علم وعرفان کے ضروری کمالات کے حصول سے محروم رہ جائے لیکن قسام ازل نے تو اسی بچے کے مقدر میں علاقے بھر کا بے مثل فرد، بے نظیر عالم اور بے عدیل عارف ہونا لکھ دیا تھا۔

آپکے والد ماجد نے آپ کو کسی مدرسے کے سپرد کرنے کی بجائے بچے کے حفظ قرآن کی خاطر ایک جید حافظ صاحب کو رتہ شریف بلوالیا حافظ صاحب مذکور نے نہایت شفقت اور حکیمانہ تدریس سے قلیل عرصے میں آپ کو حافظ قرآن بنادیا۔اس کے بعد آپ نے اپنے والد گرامی سے درس نظامی کی فارسی کتب کریما سے لے کر سکندرنامے تک پڑھ ڈالیں فارسی پر دسترس حاصل کرنے کے بعد آپ کے دل میں مکمل علوم دینیہ کے حصول کا شوق پیدا ہو چکا تھا عمر کے تقریباً چودہ سال گزر چکے تھے۔علم دین کے حاصل کرنے

Marfat.com

کیلئے آپ موضع شاہ یوسف ضلع سرگودھا تشریف لے گئے اس زمانے میں وہاں ایک معیاری دینی درس گاہ موجود تھی آپ کو ہدایۃ النحو شروع کرائی گئی لیکن صرف تین دن کے اندر آپ کی طبیعت اکتا گئی شاید یہاں کے اساتذہ ایک زیرک طالبعلم کی نفسیاتی الجھنوں کو سلجھانے سے قاصر ہوں چنانچہ آپ وہاں سے بیربل شریف تشریف لے گئے جہاں آپ کے بڑے بھائی الحاج قاری دین محمد زیر تعلیم تھے آپ بھی مولانا حافظ جمال اللہ صاحب کے مدرسے میں داخل ہو گئے۔

حافظ صاحب موصوف حضرت خواجہ شمس العارفین سیالوی (رحمتہ اللہ) کے خلیفہ مجاز تھے اور انتہائی بااخلاق جو ہر شناس استاد تھے۔حضرت مفتی ثانی (رحمتہ اللہ) فرمایا کرتے تھے کہ میرے لئے خصوصاً اور عام طلباء کیلئے عموماً حافظ صاحب موصوف خواجہ خضر سے کم نہیں تھے ۔ان کی ماہرانہ تدریس اور پراز اخلاق برتاؤ نے مفتی ثانی کو حافظ صاحب موصوف کا دل دادہ اور ان کے ماحول کا گرویدہ بنا دیا۔مفتی ثانی فرمایا کرتے کہ اگر حافظ موصوف جیسا استاد میرے لئے میسر نہ آتا تو شاید علم دین کی تکمیل نامکمل رہ جاتی کچھ عرصے کے بعد اپ کے بھائی لاحاج قاری دین محمد کو تو وہاں کی تعلیم مکمل کر کے والدہ ماجدہ کی وفات کی وجہ سے رتہ شریف میں ہی سکونت اختیار کرنا پڑی لیکن آپ تین سال تک وہاں ہی رہے آپ کو شیخ الجامعہ مولانا غلام محمد جیسا ہم سبق اور ذہین طالبعلم بھائی میسر آ گیا۔آپ نے اپنے آرام کو یکسر خیر باد کہہ کر حصول تعلیم میں کمال حاصل کیا شرح وقایہ سے فصول اکبری تک کی کتب میں وہ مہارت حاصل کر لی کہ اگر آپ اکو اپنے استاد کی مسند پر بیٹھ کر

Marfat.com

اسی مہارت اور اسی دلکش انداز میں تدریس کے فرائض انجام دینا پڑتے تو آپ آسانی سے عہدہ برآ ہوسکتے تھے۔

آپ فطری طور پر نمود و نمائش سے بیزار تھے جس کسی میں ذرا ریاکاری نظر آتی آپ اس سے دوری اختیار کرلیتے لیکن حافظ صاحب موصوف چونکہ صرف مدرس نہ تھے بلکہ ایک صوفی باصفا بھی تھے اور صوفیاء کا ریا سے کیا تعلق ۔لہذا آپ اس ماحول کا ایک حصہ بن کررہ گئے شاید حافظ صاحب کا یہ اثر تھا کہ آپ کو اپنے استاد کے پیر حضرت خواجہ شمس العارفین (رحمتہ اللہ) سے بے حد محبت پیدا ہوگئی تھی جو آخر تک قائم رہی۔

آپ کو مولانا غلام محمد شیخ الجامع سے بھائیوں کی سی نسبت پیدا ہوگئی اور دونوں ہم درس بھائیوں نے یہ طے کیا کہ گھوٹے کی فضاؤں کو الوداع کہہ کر مزید علم دین کے حصول کیلئے دہلی کا رخ اختیار کیا جائے چنانچہ آپ نے بذریعہ خط والدگرامی سے دہلی کے سفر کیلئے اجازت طلب کی جو آپ کو مل گئی اور اپنے محترم استاد سے رخصت حاصل کرکے دہلی کے سفر پر روانہ ہوئے وہ وقت ناداری اور تنگدستی کا تھا زادراہ کے طور پرآپ کے پاس کچھ نہ تھا صرف تین سیر کے قریب بھنے ہوئے چنے تھے جس میں ان دونوں ہم سبق بھائیوں نے گذر بسر کرنی تھی جب تک کوئی ٹھکانہ میسر نہ آجائے اس زمانے میں گاڑیاں بھی پسنجر قسم کی تھیں جن کے ذریعے سفر کرنا کئی دن اور راتیں لے لیتا تھا۔چنانچہ کئی دنوں کے بعد آپ دونوں دہلی پہنچ گئے اور جامعہ ملیہ میں داخلہ لے لیا اس زمانے میں مدارس کے اندر باقاعدہ خوردونوش کا انتظام نہ ہوا کرتا تھا نہ کچن نہ باورچی بلکہ جو طلباء مدرسے میں داخل ہوتے محلے کے کسی گھر

Marfat.com

کے ساتھ تعلق قائم کردیا جاتا اور عام اہل محلّہ بھی ایک ایک طالبعلم اپنے افراد خانہ کے ساتھ شامل کرلیتے تھے اور اس طالبعلم کی ضروریات کو گھر کے آدمیوں کی طرح پوری کرتے ۔البتہ رہنے سہنے کیلئے طالبعلم کی بیٹھک الگ ہوتی تاکہ وہ اپنے تعلیمی کام کو بغیر کسی خلل کے انجام دے سکے ۔اتفاق سے حضرت مفتی صاحب کو کوچہ ''بلی ماراں''میں حکیم اجمل خان (رحمتہ اللہ) کے لنگر میں ٹھکانہ میسر آ گیا لنگر خانہ میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ حکیم صاحب ایک وقت میں متعدد طلباء کی کفالت اپنے ذمے لیا کرتے تھے چنانچہ آپ کو اس قیام کے دوران حکیم صاحب کی دینداری ،اخلاق اور کمالات کے معترف رہے۔

جامعہ ملیہ مفتی کفایت اللہ کے زیر انتظام نہایت شاندار طریقے سے دینی خدمات انجام دے رہا تھا کثیر تعداد میں طلباء اس جامعہ سے منسلک تھے اور متعدد باکمال اساتذہ درسی خدمات پر مامور تھے ۔آپ وہاں ایک مہینہ کے لگ بھگ رہے لیکن تعلیم کے سلسلے میں تشفی نہ ہوئی اور آپ نے اپنی مشکلات جب اساتذہ کے سامنے رکھیں تو اساتذہ کرام نے یہ مشورہ دیا کہ تم دونوں بجائے دہلی کے سہارن پور جاؤ۔وہاں ممکن ہے تمہیں معیار تدریس کے بارے میں اطمینان نصیب ہو ۔ چنانچہ آپ دونوں وہاں کے لئے روانہ ہوگئے ۔وہاں کا مدرسہ جو مولانا اشرف علی تھانوی (رحمتہ اللہ) کے زیر اثر تھا وہاں آپ داخل ہوئے اور تعلیمی مصرفیات کا آغاز کیا لیکن صرف پانچ دن کے بعد ان ہمدرد اساتذہ نے آپ کو مشورہ دیا کہ آپ جس طریقہ تدریس کے متلاشی ہیں وہ آپ کو سوائے رام پور کے کہیں اور دکھائی نہ دے گا اس لئے آپ

Marfat.com

دونوں رام پور چلے جائیں۔چنانچہ آپ دونوں اپنے اساتذہ سے رقعہ لے کر رام پور پہنچے۔

رام پور میں نواب کے زیر اہتمام مدرسہ ''عالیہ'' قائم تھا جس کے صدر مدرس مولانا فضل الحق رام پوری تھے جوکہ منطق میں امام مانے جاتے تھے آپ نے حاضر ہوکر رقعہ پیش کیا۔سلسلہ کلام میں جب ان کو یہ پتا چلاکہ یہ دونوں نووارد طالبعلم موضع گھوٹے میں حافظ جمال اللہ صاحب سے تعلیمی تکمیل کے بعد یہاں آرہے ہیں تو فضل الحق رام پوری کاانداز تدریس اتنامعقول،اتنا مدلل اور اس قدر موثر تھا کہ آپ نے طے کرلیا کہ اب علم دین کی تکمیل ان شاء اللہ یہیں ہوگی اور یہیں سے سند فراغ حاصل کرنے کے بعد اپنے اپنے گھروں کو لوٹیں گے۔

چنانچہ آپ نے مسلسل سات سال وہاں گذارے اور یہ سات سال حضرت مفتی ثانی عطا محمد (رحمتہ اللہ) کی زندگی کا جزبن گئے۔وہی تہذیب آپکے لئے معیاری تہذیب تھی۔وہی انداز تکلم آپ کے مزاج کا حصہ بنا۔بودوباش کے وہی طریقے آپ کے پسندیدہ اور مرغوب ہوئے اور اسی زندگی کے طور اطوار آپ کیلئے ایک نمونے کا روپ اختیار کرگئے۔تعلیمی فراغت کے بعد آپ جہاں کہیں بھی رہے ذہناً آپ رام پور میں ہی بستے تھے۔

تعلیمی کی تکمیل کے بعد آپ کے شفیق استاد مولانا فضل حق رام پوری نے فرمایا کہ تم یہاں رہ جاؤ کیونکہ میں اپنی مسند تدریس تمہاری حوالے کرنا چاہتا ہوں اسلئے کہ مجھے تمہاری استعداد اور اہلیت پر بھروسہ ہے کہ تم میری مسند کا حق ادا کرسکتے ہو۔آپ نے عرض کی کہ آپکی محبت کا میں بے حد

Marfat.com

ممنون ہوں لیکن والد گرامی کی اجازات کے بغیر میرے لئے اس طرح کا فیصلہ کرنا ممکن نہیں ۔چنانچہ استاد محترم نے فرمایا کہ خط لکھ کر اجازت لے لو ۔آپ نے اپنے والد گرامی مفتی اعلیٰ (رحمتہ اللہ) کو عریضہ لکھا کہ استاد محترم کی یہ خواہش ہے کہ میں ان کی جگہ پر پڑھاؤں ۔بہت سی سہولتیں جو نواب صاحب کی طرف سے ان کو حاصل ہیں وہ مجھے بھی حاصل ہوں گی اور 400 روپے ماہوار مشاہرہ بھی ملے گا ۔اگر آپ اجازت دیں تو میں یہیں یہ کام شروع کردوں ۔جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ اسوقت طلباء کی بود وباش مختلف گھروں میں ہوا کرتی ۔یہاں رام پور میں بھی ایک گھر کے ایک فرد کے طور پر آپ قیام پذیر تھے ۔صاحب خانہ کا نام تو ذہن میں نہیں البتہ ان کا ایک لڑکا تھا جسکا نام عنایت علی تھا آپکو کھانا اور دوسری ضروریات بہم پہچانا اسی کے ذمہ تھا ۔آپ نے ان سب کو یہ اطلاع دے دی کہ شاید میں جلد ہی اساتذہ کی صف میں شامل ہوجاؤں گا اور میری رہائش مدرسے کے اساتذہ کے ساتھ ہوجائے گی ۔

کچھ دنو ں کے انتظار کے بعد آپ کو والد گرامی کا مکتوب موصول ہوا اور انہوں نے تحریر فرمایا کہ ''علم دین کا حصول کسی اچھی نوکری کی غرض سے نہیں ہوتا ۔اور یہ مکمل طور پر ایک مومن کی زندگی پر محیط بھی نہیں ہے ۔تم واپس آ ؤ علم کے ساتھ ساتھ عمل بھی سیکھنا ہے کیونکہ اسی پر کامیابی کا دارومدار ہے''۔

آپ نے والد گرامی کے جواب سے محترم استاد صاحب کو مطلع کیا ۔مولانا فضل حق رام پوری کو یہ بات اچھی تو نہ لگی لیکن بادل ناخواستہ

Marfat.com

روانگی کی اجازت دیدی ۔آپ نے روانگی سے قبل گھر والوں کو اطلاع دے دی ۔آپ کے پاس کتابوں کا ایک اچھا خاصا ذخیرہ موجود تھا جو آپ مختلف لکڑی کے صندوقوں میں بند کرکے لا رہے تھے بذریعہ ریل آپ للہ شریف تشریف لائے آپ کو آپ کے والد گرامی نے ثانی حضرت خواجہ دوست محمد للہی (رحمتہ اللہ) سے بیعت تو بہت پہلے ہی کروادیا تھا ۔جب آپ کے وہاں پہنچنے کی اطلاع ہوئی تو آپ کے والد گرامی کے ساتھ ساتھ آپ کے پیرومرشد حضرت ثانی للہی (رحمتہ اللہ) بھی آپ کے استقبال کے لئے ریلوے اسٹیشن پر تشریف لائے اور علم دین کی توقیر و تعظیم فرما کر مریدین کے لئے ایک نمونہ پیش کیا ۔ آپ للہ شریف ایک روز قیام کرنے کے بعد رتہ شریف کیلئے روانہ ہوئے ۔کتابوں کے صندوق رتہ شریف پہنچانے کیلئے دو اونٹ کرائے پر لے لئے گئے اور جب آپ رتہ شریف پہنچے تو پورے گاؤں والے آپ کے استقبال کیلئے گاؤں سے باہر موجود تھے ۔

مفتی اعلیٰ حضرت امام دین (رحمتہ اللہ) کے بڑے بھائی قاضی شرف الدین (رحمتہ اللہ) بہت بڑے عالم و فاضل انسان تھے اور انہیں موضع ''کھائی'' والے ان کے گھر والوں کی اجازت سے اپنے ہاں لے گئے تھے اس لئے کہ موضع مذکور میں عام لوگوں کی رہنمائی کیلئے کوئی عالم موجود نہ تھا ۔قاضی شرف الدین صاحب کی ایک بیٹی تھی ۔ان کی شادی مفتی اعلیٰ نے اپنے چھوٹے بیٹے مفتی ثانی سے دوران تعلیم ہی کردی تھی ۔وہ اپنے چچا کی خدمت دل و جان سے کررہی تھیں۔ وہ فرمایا کرتیں کہ جب ان کے شوہر نامدار تکمیل علوم کے بعد رتہ شریف تشریف لائے تو ان کی وضع قطع اور بول چال میں

Marfat.com

پنجابیت کا کوئی اثر باقی نہ رہا تھا ۔اردو ہی میں بات کرتے ،تنگ چوڑی دار پاجامہ زیب تن فرماتے ۔کھانے پینے میں میٹھی چیزوں سے دور اور بیزار ۔چٹ پٹی چیزیں مرغوب تھیں ۔گھر والوں کیلئے یہ سب کچھ نامانوس اور اجنبی تھا اور اردو زبان کا بولنا اس وقت عام پنجابیوں کیلئے اس طرح تھا جیسے آج کل کے دور میں افتادہ گاؤں والے سے کہا جائے کہ تم انگریزی بولو ۔بہر حال کچھ دن تو مفتی اعلیٰ ترجمانی کے فرائض انجام دیتے رہے اور پھر آہستہ آہستہ مفتی ثانی کو بھولی بسری باتیں یاد آنے لگیں اور بہت دیر کے بعد تہذیبی خلیج پائی جاسکی ۔لیکن گفتگو کا انداز تا عمر کچھ ایسا رہا کہ آپ کی پنجابی کو کسی اردو بولنے والے کو سمجھنے میں کوئی دشواری پیش نہ آتی تھی ۔آپ عام بول چال میں پنجابی کا کوئی ثقیل لفظ استعمال نہ فرماتے تھے بلکہ آپ کی اولاد میں بھی یہ اثر منتقل ہوا اور آپ کے گھر والوں کی پنجابی باقی سب لوگوں کی پنجابی زبان سے مختلف تھی یعنی کسی قدر سنوری اور سلجھی ہوئی ۔رتہ شریف کے قیام کے دوران آپ کے والد صاحب نے آپ کو تمام معمولات میں بتدریج شامل فرمایا۔ مراد یہ کہ مثنوی شریف کی تدریس کے ساتھ ساتھ مراقبات ،سحر خیزی ،آوابین اور اشراق کی پابندی اور دوسرے وہ اذکارو اشغال جن کی اجازت اعلیٰ حضرت للہی (رحمتہ اللہ) نے مرحمت فرمائی تھی وہ سب آپکے روز و شب کے اشتغال کا جز ہوگئے تھے۔

آپ کے کمالات علمی کا شہرہ سن کر نزدیک و دور سے طالبان علم دین رتہ شریف کی طرف کھنچ کھنچ کر آنے لگے ۔ یہ سارے کے سارے طلباء درمیانی درجے یا انتہائی درجے کی کتابوں کے پڑھنے والے تھے ۔جس کتاب

Marfat.com

کے پڑھنے میں اور سمجھنے میں کسی طالبعلم نے دشواری محسوس کی تو وہ اپنی مشکل کا حل ڈھونڈنے کیلئے مفتی ثانی کی خدمت میں رتہ شریف پہنچ گیا ۔چنانچہ آپ کے اس منفرد مدرسہ میں کوئی کلاس یا جماعت کا نظم موجود نہ تھا ۔جتنے طلباء ہوتے اتنے ہی مختلف کتابیں پڑھ رہے ہوتے اور اتنی ہی کلاسیں بن جاتیں ۔بہت کم ایسا ہوتا کہ کسی کتاب کو پڑھنے والے دو یا دو سے زیادہ طالبعلم موجود ہوں ۔اس طریقہ تدریس میں تعداد کتب کی بنا پر آپ کا وقت بہت زیادہ صرف ہوجاتا چنانچہ آپ صبح اشراق کے بعد سے لے کر دوپہر تک اسباق کی تدریس جاری رکھتے ۔پھر ظہر سے عصر اور بعض اوقات عشاء کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہتا ۔

آپ مولانا فضل الحق رام پوری کے طریقہ تدریس کے مطابق طلباء سے فرماتے کہ جو سبق کل پڑھنا ہے اس کا آج رات مطالعہ کرو اور صبح اس سبق کی قرأت کرکے اس کا خلاصہ بیان کرنیکے بعد اپنے اشکال پیش کرو ۔ چنانچہ آپ اسباق کی قرأت کراتے اور پھر طالبعلم سے پوچھتے کہ اس کا مطلب بیان کرو۔ اکثر طلباء اپنی ناسمجھی کا اظہار کرتے ۔پھر آپ کہتے کہ کتاب کو بند کرو اور آپ اپنی تقریر شروع کرتے ۔سبق کا اصلی موضوع بتاتے اور پیدا ہونے والے اعتراضات اور انکے جوابات پیش کرتے اور اس کا ایک خلاصہ اپنے لفظوں میں بیان فرما دیتے اور دوبارہ طلباء سے کہتے کہ اب کتاب کوکھولو اور عبارت کو پڑھو۔چنانچہ آپ کی وضاحت کے بعد طلباء کیلئے وہ اسباق سہل ترین ہوجاتے اور انہیں مزید استفسار کی ضرورت پیش نہ آتی ۔

اس طریقہ تدریس کاایک فائدہ یہ تھا کہ طلباء کو طویل عرصے تک

Marfat.com

رتہ شریف میں قیام کی ضرورت پیش نہ آتی ۔ کسی فن کی اگر ایک کتاب پڑھ لی تو اس جیسی کئی باقی کتابیں خود بخود آسان ہو جاتیں ۔ البتہ مولانا فضل الحق رام پوری چونکہ منطق کے امام تھے اسلئے آپ کے ذہن پر بھی علم منطق کے اثرات دوسرے علوم پر غالب تھے اور آپ کے ہم عصر علماء میں اس بات کا چرچا تھا کہ علم منطق کا صحیح استاد مولانا فضل حق رام پوری کے بعد مفتی عطاء محمد ہیں چنانچہ یہ بات متعدد افراد نے علم میں ہے کہ منطق کے ایک طالبعلم کو اسکے استادوں نے دہلی سے رتہ شریف بھیج دیا تھا کہ تم یہ کتاب مفتی عطامحمد رتوی (رحمتہ اللہ) سے جا کر سمجھو ۔ وہ یہاں آیا تقریبا تین مہینے رہا اور وہ کتاب پڑھ کر واپس چلا گیا ۔

آپ ایک انتہائی زیرک طالبعلم اور ایک انتہائی زود فہم استاد تھے اگر کوئی طالبعلم کند ذہن کا مالک ہوتا تو آپ اس سے بیزار ہو جاتے اور اگر کوئی ذہین ملتا تو اسے پڑھانے میں خوشی محسوس کرتے ۔ اور پھر دوران تدریس خزانہ علم کے موتی لٹاتے چلے جاتے ۔ آپ کے ذہن پر غیب سے مضامین نازل ہوتے رہتے ۔ آپکے الفاظ صاف ستھرے اور دل میں اترنے والے ہوتے اور دل نشین لب ولہجہ مسحور کر دینے والا ہوتا ۔ آپ کا سامع یا طالبعلم آپ کی تقریر کے دوران ذہنی طور پر خلاؤں میں پرواز کرنے لگ جاتا ۔ آپ کے کلام میں ایک عجیب مٹھاس تھی جو ہر سننے والے کو سرشار کر دیتی تھی ۔

حضرت رابع (رحمتہ اللہ) نے اپنے صاحبزادے حضرت محمد مطلوب الرسول سجادہ نشین صاحب کیلئے یہ انتظام فرمایا تھا کہ ایک نہایت پختہ عالم جناب حکمت شاہ صاحب (رحمتہ اللہ) کو آپ کی تعلیم کیلئے للہ شریف میں

Marfat.com

بلوالیا تھا۔

سجادہ نشین صاحب مدظلہ فرماتے ہیں کہ 1940 کی بات ہے میں اپنے استاد گرامی سے شرح "ماۃ عامل" کا سبق پڑھ رہا تھا اور ہمارے اسباق کا ترکیب بھی ایک جزو تھی۔اتفاق سے ایک ایسا مقام آیا کہ سبق اور ترکیب دونوں چیزیں ہمارے فہم سے بالا ہوگئیں۔استاد صاحب موصوف اپنی سی کوشش کررہے تھے کہ طلباء مطمئن ہوجائیں لیکن حقیقت یہ تھی کہ استاد صاحب موصوف کا ذہن خود بھی کچھ زیادہ صاف نہیں تھا۔چنانچہ طبیعت میں ایک انقباض باقی رہا۔ اتفاقاً ان دنوں حضرت مفتی ثانی (رحمتہ اللہ) للہ شریف میں موجود تھے۔میں جب پڑھنے کے بعد گھر پہنچا تو حضرت مفتی صاحب پوچھنے لگے کہ آپ کیاپڑھ رہے ہو؟میں نے اسباق کے متعلق بتایا اور اور یہ عرض کی کہ آج کا سبق سمجھ میں نہیں آیا اور استاد صاحب موصوف بھی ہمارا ذہن صاف کرنے میں ناکام رہے ہیں۔آپ فرمانے لگے کہ ٹھیک ہے وہ مقام نکالو۔ میں نے کتاب کھول کر ایک آدھ فقرہ سبق کا پڑھا۔آپ فرمانے لگے کتاب بند کردو۔اس کے بعد حضرت مفتی صاحب "کتاب کی وہ عبارت زبانی اس طریقے سے پڑھنا شروع کردی جیسے قرآن مجید کی تلاوت کی جاتی ہے۔میں محو حیرت تھا کہ آپ کو یہ عبارت یاد کیسے ہے؟اس کے بعد آپ نے اس کی شرح فرمائی،ترکیب بتائی اور ذہن اس سبق کے متعلق بالکل صاف ہوگیا۔چنانچہ میں نے وہ سبق استاد صاحب کوجاکر سنایا بلکہ ان کو سمجھایا۔استاد صاحب موصوف پوچھنے لگے کہ تم نے سبق کوکس سے حل کروایا ہے؟میں نے حضرت مفتی صاحب کا ذکرکیا تو وہ سن کر خاموش ہوگئے۔

Marfat.com

میں نے آپ سے کچھ فارسی کتب اور مثنوی مولانا روم کے تین دفتر سبقاً پڑھے ۔ایک دن دوران سبق آپ فرمانے لگے کہ ایک اچھے استاد کو طالبعلم سے سبق کا امتحان لینے کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ استاد شاگرد کی آنکھوں میں اس بات کو پڑھ لیتا ہے کہ طالبعلم استاد کی باتوں کو سمجھ رہا ہے یا نہیں ۔چنانچہ آپ نے مجھ سے کبھی امتحاناً کوئی سوال نہیں فرمایا اور میں نے اس بات کو اپنی سمجھداری پر محمول کرلیا تھا۔

آپ از خود آنے والے طلباء کی تشفی تو ضرور فرمایا کرتے لیکن آپ کو اس بات کا کبھی شوق نہ رہا کہ میں نے چونکہ اتنا کچھ پڑھا ہے کہ مجھے باقاعدہ کسی درس گاہ کی بنیاد ڈالنی چاہئے تاکہ طلباء وہاں سے عالم و فاضل بن کر نکلیں اور طبقہ علماء میں ایک خاص مقام پیدا ہوجائے ۔اسی سبب.آپ تدریسی امور سرانجام دینے کیلئے مستقل طور پر رتہ شریف میں قیام بوجوہ اختیار نہ فرماتے تھے بلکہ والد گرامی کے مطابق اپنے مریدوں کے ہاں ان کے اسرار پر تشریف لے جاتے اور پھر تقاریر اور وعظ حسنہ کا سلسلہ ہی چلتا رہتا ۔ لوگ مختلف مقامات پر آپ کو لے جاتے ۔ حضرات للہی کے دوروں میں آپ کی شمولیت ضروری ہوتی جس کی بنا پر کسی ایک جگہ رہنا ممکن نہ تھا اور سرہند شریف کی حاضری بھی لازمی ہوتی اور دوسری مصروفیات کی بنا طلباء کے اسباق میں مسلسل ناغے رہتے جس کی وجہ سے طلباء دل جمعی سے اپنی تعلیم کو جاری نہ رکھ سکتے ۔ اس کے سبب آپ کے ہاں طلباء کا ہجوم کبھی نہیں رہا ۔صرف وہی طلباء آپ کے ہاں جم کر رہتے جو یا تو کسی دوسرے مقام پر اپنی مشکلات کا حل ڈھونڈنے میں کسی ماہر استاد کو موجود نہ پاتے یا پھر آپ کے انداز تدریس

Marfat.com

پر اس قدر فریفتہ ہوجاتے کہ اسباق کے ناغوں کے باوجود آپ کے حلقے سے باہر نہ نکلنا چاہتے۔

آپ ہندوستان کے مراکز میں رہ کر اور ہر طرح کے طلباء اور علماء سے رابطہ رکھ کر علماء کی باہمی آویزشوں سے آگاہی کے باوصف اپنے آپکو کسی ایک دھڑے سے منسلک نہیں کرتے تھے۔آپ کو نہ کسی کی تکفیر کا شوق تھا اور نہ آپ کسی کو بدعات کا سرچشمہ سمجھتے تھے۔آپ تمام صاحب کمالات علماء کے معترف اور قدر دان تھے۔

آپ فطرتاً بریلویت کے قریب ضرور تھے اور اپنی تحقیق کے مطابق اکثر مسائل میں بریلوی مکتبہ فکر کے قریب تر تھے۔لیکن آپ کو نہ تو دیوبندیوں سے چڑ تھی اور نہ ہی آپ ان کی تحریروں کو عوام الناس میں اچھال کر ہدف تنقید بنایا کرتے۔ میں نے ایک مرتبہ عرض کی کہ میں صاحبزادہ مقصود الرسول صاحب کے ساتھ کچھ دن پہلے سید ابو البرکات صاحب جو اس وقت ''حزب الاحناف'' لاہور کے مہتمم اور صدر مدرس تھے،کی خدمت میں حاضر ہوا اور صاحبزادہ صاحب نے سید صاحب موصوف سے ہم کلام ہوتے ہوئے عرض کیا کہ مولانا اشرف علی تھانوی کی بڑی دینی خدمات ہیں اگر گرفت ضروری ہوتو آپ انہیں فاسق اور فاجر کہہ لیں مگر ان کیلئے کفر کا فتویٰ دیا جانا آپ کی طرف سے مناسب نہیں۔ سید صاحب نے یہ بات سن کر بے تامل کہا کہ فاسق و فاجر تو آپ بھی ہیں کہ آپ دونوں نے داڑھیاں منڈوا رکھی ہیں۔ اشرف علی تو کافر ہے اور جلی کافر ہے اور بقول خود کافر ہے۔ظاہر ہے کہ اس دوٹوک فیصلے کے بعد ہم تو کچھ عرض کرنے کی حالت میں نہ تھے۔

Marfat.com

میں نے حضرت مفتیؒ ثانی (رحمتہ اللہ علیہ) کو یہ بات اس غرض سے سنائی کہ معلوم کریں گے آپ کا مولانا تھانوی کے متعلق کیا خیال ہے ؟ آپ یہ بات سن کر دم بخود رہ گئے ۔ کئی منٹ کی خاموشی کے بعد آپ یوں لب کشا ہوئے کہ میں اور بھائی غلام محمد المعروف شیخ الجامعہ صاحب دوران تعلیم رخصت پر گھر آرہے تھے ۔لاہور آکر کچھ دن ٹھہرنا پڑا ۔ جمعہ کا دن تھا ،ہم انارکلی سے گذر رہے تھے کہ ایک منادی کرنے والا یہ منادی کررہا تھا کہ آج جمعہ کی نماز مسجد نیلا گنبد میں فلاں صاحب پڑھائیں گے اور نماز کے بعد مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا خطاب ہوگا ۔ ہمارا پروگرام لاہور سے روانگی کا تھا ۔لیکن اس منادی کو سن کر ہم نے اپنا پروگرام تبدیل کرلیا اور یہ فیصلہ کیا کہ آج مولانا تھانوی کا خطاب سنیں گے کہ جن کا ہندوستان بھر میں شہرہ ہے۔ دیکھیں کہ حقیقت کیا ہے اور وہ علم کے لحاظ سے کس درجے میں ہیں۔ لہٰذا ہم نے جمعے کی نماز مسجد نیلا گنبد میں پڑھی۔ نماز کے بعد سٹیج سے یہ اعلان ہوا کہ اب آپ کے سامنے مولانا تھانوی خطاب فرمائیں گے۔ اس اعلان کے ساتھ ہی ایک شخص بہت ہی مختصر قدوقامت والا اور بہت ہی معمولی کھدر کا لباس پہنے ہوئے اور بہت چھوٹی پگڑی سر پر لپیٹے سٹیج پر پہنچا۔اسکی وضع قطع دیکھ کر ہمیں بڑی حیرت ہوئی کہ یہ شخص حکیم الامت۔ مولانا تھانوی نے مروجہ طریقہ تقریر کی بجائے اپنے خطاب کا آغاز اس شعر سے کیا۔

؎ خدا اور انتظار حمد نیست
محمد ﷺ چشم برراہ ثنا نیست

Marfat.com

اس کے بعد جو آپ نے وعظ کا سلسلہ شروع کیا تو پورے مجمعے پر سکوت طاری ہوگیا۔ ہر شخص دم بخود تھا۔ ہر سننے والا محو حیرت تھا اور یوں محسوس ہوتا تھا کہ پورے مجمعے پر رحمت کی بارش ہو رہی ہے۔ حقائق اور معارف کا ایک دریا بہہ رہا تھا۔ مثنوی کے اشعار مواقع کے مطابق آ رہے تھے۔ آیات اور احادیث کو موتیوں کی طرح اپنے بیان کی لڑی میں پرو دیا جا رہا تھا۔ وقت کا احساس ختم ہو چکا تھا کہ سٹیج سیکرٹری نے گھنٹی بجائی جس کا مطلب یہ تھا کہ عصر کا وقت ہوگیا ہے۔ مولانا تھانوی نے گھنٹی کی آواز سنی تو فرمایا کہ افسوس کہ وقت ختم ہوچکا اور ہماری تو ابھی تمہید بھی مکمل نہیں ہوئی تھی۔ یہ واقعہ بیان فرما کر حضرت مفتی ثانی رحمتہ اللہ علیہ خاموش ہوگئے۔ میں نے اپنا سوال دہرانا بے معنی تصور کیا کیونکہ میرے سوال کو جواب تو اس واقعہ میں موجود تھا۔

آپ فی الحقیقت مفتی تھے اور لوگ دوردراز سے فتوے حاصل کرنے کیلئے آپ کے ہاں حاضری دیا کرتے۔ آپ کے فتوے بے لوث اور بے لاگ ہوتے۔ آپ صرف مفتی نہ تھے ولی کامل بھی تھے اور عالم بے بدل بھی۔ آپ کے فتاوی گہری فکر و بصیرت کے آئینہ دار ہوتے جن کی تہہ تک عام علماء کی نظر کم ہی پہنچ پاتی۔ لیکن ظاہر بات ہے کہ کسی قاضی کا کوئی فیصلہ یا کسی مفتی کا کوئی فتوی تمام لوگوں کی خوشنودی کا باعث نہیں ہوسکتا۔ کوئی نہ کوئی تو اس کی زد میں آتا ہے اور اپنی مرضی کے خلاف فیصلہ سن کر سیخ پا بھی ہوتا ہے اور اپنے حق میں فیصلہ حاصل کرنے کیلئے دوڑ دھوپ بھی کرتا ہے۔ چنانچہ آپ کی زندگی میں بھی کئی مواقع آئے کہ آپ کے فتوؤں کے

Marfat.com

بالکل برعکس لوگ دوسرے علماء سے اپنے حق میں فتوی لے آئے اور مناظرہ کی شکل پیدا ہورہی ۔اس الجھن کو دور کرنے کیلئے حضرت مولانا موصوف فرمایا کرتے کہ مفتی صاحب آپ مجھے اصل دلائل بتادیں مخالفین سے میں خود نمٹ لوں گا ۔مولانا کرم دین رحمتہ اللہ علیہ بہت نڈر اور دلیر انسان تھے ۔وہ اپنی بات عوام کو سمجھانے کیلئے ہرطرح کے الفاظ استعمال کر لیتے جبکہ مفتی ثانی رحمتہ اللہ علیہ کیلئے ایسا کرنا ممکن نہ تھا ۔

ایک مرتبہ موضع کھارا سوہیر کے ایک برساتی تالاب کے متعلق جس میں بہت زیادہ مقدار میں پانی موجود تھا اور پانی میں ایک عجیب طرح کی ہلکی سی بدبو آجانے کی وجہ سے آپ سے یہ مسئلہ پوچھا گیا کہ یہ پانی پاک ہے یا ناپاک ۔آپ نے اس کے پاک ہونیکا فتوی دے دیا ۔دراصل اس گاؤں کی ایک عورت کچھ روز سے غائب ہوگئی تھی اور لوگوں کو یہ شک تھا ک اسے قتل کرکے اس پانی کے اندر پھینک دیا گیا ہے ۔لیکن اس شک کا کوئی ٹھوس ثبوت نہیں تھا ۔آپ کے اس فتوے کے بعد کچھ لوگ قاضی احمد دین صاحب کے پاس گئے جو کہ اپنے علاقے کے ایک بڑے عالم اور مخلص دیندار انسان تھے ۔ان سے لوگوں نے تمام صورت حال بتا کر فتوی مانگا تو قاضی صاحب مذکور نے اس تالاب یعنی ''بنی'' کے ناپاک ہونے کا فتوی دے دیا ۔ اب لوگوں کے درمیان اختلا ف پیدا ہوا جس کی وجہ سے قاضی صاحب اور مفتی صاحب کا مناظرہ کرکے یا آمنے سامنے بیٹھ کر فیصلہ کرنا لازم ہوگیا ۔دن مقرر ہوا اور اسی تالاب کے میدان میں مناظر ہ طے پایا ۔مفتی صاحب کے ساتھ مولانا کرم دین صاحب تھے اور اسی طرح قاضی احمد دین صاحب کی امداد کے

Marfat.com

لئے بھی کوئی صاحب موجود تھے ۔عوام کا ایک بت بڑا ہجوم تھا۔مفتی صاحب نے قاضی صاحب سے فرمایا کہ میں نے اس تالاب کے پاک ہونے کا فتوی دیا ہے آپ ناپاک کہتے ہیں ،آپ کے پاس کیا دلائل ہیں وہ دلائل پیش کریں۔ قاضی صاحب نے ایک کتاب اٹھائی اور اسکی عبارت کو پڑھنا شروع کیا ۔مفتی صاحب نے قاضی صاحب کو ٹوکا کہ آپ یہ عبارت غلط پڑھ رہے ہیں ۔ یہ عبارت ایسے نہیں ایسے ہے بلکہ اس طرح ہے ۔انہوں نے تصحیح کر کے دوبارہ پڑھنا شروع کیا کیا تو پھر مفتی صاحب نے روکا کہ آپ پھر تلفظ کی غلطیاں کررہے ہیں ۔یہ عبارت ایسے نہیں ایسے ہے ۔اب مولانا کرم دین صاحب بے اختیار بول اٹھے کہ مفتی صاحب آپ یہ کیا ظلم کررہے ہیں ؟ آپ انہیں صحیح عبارت کیوں بتارہے ہیں ؟آپ اصل عبارت میرے کان میں بتائیں اور میں قاضی صاحب کو عبارت صحیح پڑھنے کیلئے کہوں گا اور آگے چلنے نہ دوں گا اور فیصلہ یہیں ہوجائے گا کہ جو عالم عربی عبارت صحیح نہیں پڑھ سکتا وہ مسائل کا درست استنباط کیسے کرسکتا ہے ۔بہر حال بار بار کی عبارت درست کرانے سے لوگوں میں یہ تاثر پھیل گیا کہ قاضی صاحب ایک شاگرد کی طرح سے غلطیاں کررہے ہیں اور مفتی صاحب ایک استاد کی طرح سے اصلاح کررہے ہیں اور مفتی صاحب کے حق میں لوگوں نے نعرے بازی شروع کردی اور قاضی صاحب نے خاموشی اختیار کرلی ۔پولیس کی خاصی تعداد وہاں موجود تھی تاکہ کوئی جھگڑا کھڑا نہ کرسکے ۔اسکے بعد میں جیسا کہ روایات سے پتہ چلا مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے کھڑے ہوکر تقریر فرمائی اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ پانی میں صرف بو پیدا ہوجانے سے اس کے ناپاک ہوجانے کا فتوی نہیں

Marfat.com

دیا جاسکتا کیونکہ ہماری کتابوں میں ایک پرندے کا ذکر موجود ہے ۔جو اگر کسی پانی کے اوپر سے بھی گذر جائے تو بھی بسا اوقات پانی کے اندر بو پیدا ہوجاتی ہے لیکن ناپاک نہیں ہوتا جبکہ ہزاروں ٹن پانی صاف ستھرا کھڑا ہوا موجود ہو یعنی متعدد دہ دردہ کی پیمائش کے مطابق تو وہ پانی کیسے ناپاک ہوسکتا ہے ؟ اس گاؤں کے کچھ لوگوں کا اصرار تھا کہ جو عورت غائب ہوئی ہے اسے یقیناً اسی پانی میں چھپا دیا گیا ہے اس لئے پولیس کو اس رپورٹ کی وجہ سے اس تالاب کا سارے کا سارا پانی بند کاٹ کر نکالنا پڑا ور کیچڑ کی اچھی طرح دیکھ بھال کی گئی لیکن وہاں کسی انسان تو کیا کسی چھوٹے سے چھوٹے جانور کی لاش تک کا بھی نشان نہ ملا اور گاؤں کی اکثر آبادی اس بلاوجہ شک کی وجہ سے پانی کے عظیم ذخیرہ سے محروم ہوگئی ۔

ایک اور مناظرہ جسکی روداد مجھے موضع" کھائی" کے مولوی عالم شاہ مرحوم نے سنائی تھی۔ وہ یوں کہ مفتی ثانی رحمتہ اللہ نے موضع " ٹھٹھی جنگا" کے معتبر لوگوں کی شہادت پر فتویٰ دیا کہ فلاں شخص پر اسکی بیوی اب حرام ہو چکی ہے کیونکہ مضبوط گواہوں کی شہادت کے مطابق اس عورت کے ساتھ اس کے اپنے سسر کی نازیبا حرکات دیکھی گئی ہیں۔ اس فتوے کے بعد کچھ متعلقہ لوگوں نے تگ ودو شروع کر دی اور مولوی اسحاق صاحب مانسہرہ والوں سے یہ فتویٰ حاصل کر لیا کہ یہ عورت اپنے گھر میں رہ سکتی ہے اور کسی صورت ان کے نکاح میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا۔ اب ان دو متضاد فتوؤں کے باعث مناظرہ کی نوبت آ گئی۔ مناظرے کا مقام چکوال کے غربی محلے کی علامہ صاحب کی مسجد طے پائی۔ مولوی اسحاق صاحب دو دوسرے مولویوں کو

Marfat.com

ساتھ لے آئے اور ادھر حسب معمول مفتی صاحب کے ساتھ معاون مولانا کرم دین صاحب بھیں والے موجود تھے۔ اس مناظرے کی اطلاع گرد و نواح کے تمام دیہات میں ہو گئی۔ مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے پوری صورتِ حال مولانا کرم دین صاحب کو سمجھا رکھی تھی۔ مولوی اسحاق صاحب مانسہروی نے کھڑے ہو کر اپنے فتویٰ کو حق بجانب ٹھہرانے کیلئے تقریر شروع کر دی ۔ جب وہ دلائل دے کر بیٹھے تو مولوی کرم دین صاحب مرحوم کھڑے ہو گئے اور بلند آواز میں کہنے لگے کہ حضرت مولوی اسحاق صاحب بہت بڑے عالم ہیں۔ انہوں نے بہت بھاری الفاظ اپنی تقریر میں استعمال کئے ہیں۔ آپ زیادہ تر ان پڑھ لوگ بیٹھے ہیں اس لئے ان کی بات میں آپ کو سادہ لفظوں میں بتاتا ہوں تاکہ آپ کو مولوی صاحب کا مطلب سمجھ میں آ جائے۔ جب مولانا کرم دین مرحوم نے اپنا بیان شروع کیا تو کہا کہ مولوی اسحاق صاحب کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی سسر ان حرکات کا ارتکاب کرے تو بھی اسکے بیٹے پر اسکی بہو حرام نہیں ہوتی۔

قارئین یہاں جان بوجھ کر وہ بے پردہ الفاظ حذف کر دیئے گئے ہیں جو مولانا کرم دین نے ادا فرمائے تھے اس لئے کہ یہ تحریر خواتین اور بچوں کے سامنے بھی آئے گی۔ بہر حال جب ایسے برہنہ الفاظ عوام الناس نے سنے تو مولوی اسحاق صاحب کے خلاف عجیب وغریب نعرہ بازی شروع ہو گئی۔ اب مولوی اسحاق صاحب چیخ چیخ کر کہتے رہے کہ یہ تم نے میرا کیا مطلب بیان کر ڈالا؟ لیکن عوام کب سنتے تھے اور یہ مناظرہ عجیب دنگے کی صورت اختیار کر گیا اور مولوی اسحاق صاحب اپنا آپ بچا کر نکل گئے۔ بہر حال اس میں

Marfat.com

کوئی شک نہیں کہ مناظرہ میں جب تک ایک مناظر بے باکانہ اور جارحانہ انداز اختیار نہ کرے اچھا مناظر نہیں ہو سکتا اور مفتی ثانی رحمتہ اللہ علیہ مسائل تو بتا سکتے تھے لیکن کسی اکھڑپن کا مظاہرہ کرنا ان کے مزاج کے خلاف تھا۔

ایک مرتبہ آپ کے پاس ایک استفتاء آیا کہ فلاں شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں لیکن بیوی کا نام نہیں لیا بلکہ اس نے یہ کہا کہ میں اس گدھی کو تین طلاق دیتا ہوں۔ مفتی صاحب نے فتویٰ دے دیا کہ طلاق واقع ہو گئی۔ کچھ لوگوں نے کسی اور جگہ سے اس کے الٹ فتویٰ لیکر عدالت میں کیس دائر کر دیا۔ اے سی صاحب نے مفتی صاحب کو بلوا لیا اور چیمبر میں کرسی پر اپنے سامنے باوقار طریقے سے بٹھایا۔ دونوں فریق عدالت میں موجود تھے۔ اے سی صاحب نے پوچھا کہ جناب آپ نے فتویٰ دیا ہے لیکن یہ شخص کہتا ہے کہ اس کے پاس اس کے حق میں ایک اور فتویٰ ہے کہ اس نے اپنی بیوی کا نام نہیں لیا بلکہ گدھی کا لفظ کہا۔ مفتی صاحب نے اے سی صاحب سے کہا کہ اس شخص کا نکاح گدھی سے نہیں اس عورت سے ہوا تھا اور اس نے طلاقیں اس عورت کو دی ہیں جس کے ساتھ اس کا نکاح تھا۔ اب اس عورت کا نام اسکا جی چاہے تو گدھی رکھے یا گھوڑی، نام سے فرق نہیں پڑتا۔ اس نے اس عورت کو طلاق دی تھی جس کے ساتھ اس کا نکاح ہوا تھا۔ اے سی صاحب مطمئن ہو گئے اور آپ کو نہایت احترام کے ساتھ الوداع کہا۔

آپ عظیم واعظ اور مقرر تھے۔ آپ کی تقریر نکات سے بھرپور ہوتی۔ آپ کی تقریر میں مثنوی مولانا روم کا انداز بیان بہت نمایاں ہوتا۔ قرآنی آیات موقع و محل کے مطابق پڑھتے، احادیثِ طیبہ کا ذکر ہوتا، آثارِ صحابہؓ سے

Marfat.com

نظائر پیش کیے جاتے اور فقر و تصوف کے اسرار و رموز سامنے لائے جاتے۔ آپ تقریر پنجابی زبان میں فرماتے لیکن ایسی پنجابی جسے اردو دان طبقہ بھی سمجھ لے۔ آپ جب خوش الحانی کے ساتھ تلاوت قرآن پاک فرماتے یا انتہائی نادر سُروں میں مثنوی کے اشعار پڑھتے تو فضائیں جھوم جاتیں اور سامعین مسحور ہو کر رہ جاتے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے نہایت سریلی آواز سے نوازا تھا اور جیسے جیسے آپ کی تقریر آگے بڑھتی جاتی آواز میں بتدریج نکھار پیدا ہوتا چلا جاتا۔ سردیوں کی راتوں میں مسلسل چھ چھ گھنٹوں تک آپ نے تقریر کیں اور آواز نہ کبھی بیٹھی اور نہ کبھی بھرائی۔ اور آپ کی آواز میں ایک عجیب اثر یہ تھا کہ آپ کے زمانے میں لاؤڈ سپیکروغیرہ کا استعمال شروع نہ ہوا تھا۔ آپ کی آواز نزدیک بیٹھنے والوں کو زیادہ بلند اور بوجھل محسوس نہ ہوتی تھی اور دو دو ،تین تین فرلانگ تک اور رات کے پچھلے پہر میں اس سے بھی زیادہ دور تک ایک ایک لفظ سنائی دیتا تھا اور ایک ایک بات وضاحت کے ساتھ دل و دماغ میں اترتی جاتی تھی۔ صاحبان حال کا یہ خیال ہے کہ آپ کی آواز کا یہ کمال آپ کی ولایت کا ایک کرشمہ تھا۔

آپ تقریر کے لیے کبھی باقاعدہ کتب بینی یا تیاری نہیں فرمایا کرتے تھے بلکہ آپ کی تقریر فی البدیہ ہوا کرتیں اور اس بات کے بہت سے جاننے والے موجود ہیں کہ آپ معراج المبارک کی رات للہ شریف میں مغرب کا کھانا کھا کر سو جاتے۔ آپ کو دس سوا دس بجے بیدار کیا جاتا۔ آپ عشاء کی نماز ادا کرنے کے بعد اعلیٰ حضرت للہی کی خانقاہ والی مسجد میں تشریف لے جاتے اور پونے گیارہ بجے آپ تقریر کا آغاز فرماتے۔ لوگ آپ کے منتظر

Marfat.com

ہوتے۔ آپ کے سٹیج پر پہنچنے کے ساتھ ہی ہر طرف سے یہ آوازیں آنے لگ جاتیں کہ مفتی صاحب " رتہ" والے آ گئے۔ آپ ہمیشہ پندرھویں پارہ کی آیات کی تلاوت فرماتے لیکن ہمیشہ اس کی تشریح کرتے ہوئے نئے سے نئے نکات سامعین کے سامنے لاتے۔ کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ مفتی صاحب وہی بات بیان فرما رہے ہیں جو پچھلے معراج المبارک کے موقع پر بیان فرمائی تھی۔ اس حوالے سے ایک روایت مولانا رشید احمدؒ سے مجھ تک پہنچی ہے کہ مولانا مذکور سجادہ نشین للّہ شریف حضرت علامہ حافظ مطلوب والرسول صاحب مدظلہ العالی کے فارسی کے استاد تھے۔ انہوں نے یہ فرمایا کہ میں نے مفتی صاحب کے کم و بیش ۷۰ وعظ سنے ہیں اور کسی ایک وعظ کو کسی سابقہ وعظ جیسا نہیں پایا بلکہ ہمیشہ نئے نکات، نئی تشریحات اور نئی تعلیمات حاصل ہوئیں۔ آپ کا للّہ شریف کی معراج المبارک کی تقریر کا وعظ ہمیشہ رات گیارہ بجے سے لیکر صبح صادق تک جاری رہتا، راتیں خواہ گرمی کی ہوں خواہ سردی کی۔

سب انسپکٹر سیف الرحمٰن مرحوم ''میرا تھر چک'' والے پاکستان بننے سے پہلے ایک دن ہمارے گھر رتہ شریف آئے اور دوران گفتگو کہنے لگے کہ میں آج کل جہلم ڈیوٹی کر رہا ہوں۔ کچھ دن ہوئے مفتی صاحب وہاں پر پہنچ گئے تھے۔ کسی ملنے والے کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ کالج کے چند لڑکوں کو آپ کی موجودگی کا علم ہوا اور انہوں نے اپنے دوستوں سے مشورہ کر کے کالج گراؤنڈ میں مفتی صاحب کی تقریر رکھوا دی۔ یہ ایک عام جلسہ تھا جس میں تمام تعلیمی اداروں کے طلباء کو دعوت دی گئی اور شہر کے لوگوں کو شرکت کی اجازت تھی۔ سیف الرحمان مرحوم کہنے لگ کہ مجھے یہ خدشہ ہوا کہ مفتی صاحب

Marfat.com

پنجابی میں تقریر فرماتے ہیں اور یہاں اردو کا رواج ہے کیا خبر آپ اس پڑھے لکھے مجمعے کو متاثر کرسکیں یا نہیں لیکن حیرت کی بات یہ ہے مفتی صاحب نے اردو میں تقریر کی اور خوب کھل کر تقریر کی تمام سامعین کے لئے یہ تقریر ایک یادگار تقریر بن گئی سیف الرحمان مرحوم کو زیادہ حیرت اس لئے ہوئی کہ انہیں اس بات کا علم نہ تھا کہ مفتی صاحب نے تو طالب علمی کا سنہری دور اردو تہذیب کے مراکز میں گزارا ہے۔ مفتی صاحب کے لئے اردو اجنبی نہ تھی البتہ پنجابی میں شاید انہیں کوئی دقت محسوس ہوتی ہے۔

آپ کے استاد بھائی شیخ الجامعہ مولانا غلام محمد رحمتہ اللہ علیہ گولڑہ شریف بیعت تھے اسلئے وہ خود تو ہر سال باقاعدگی سے پیر خانے میں عرس کی تقریبات میں شامل ہوا کرتے تھے اور ان کا یہ اصرار اور خواہش بھی ہوتی تھی کہ آپ بھی وہاں شرکت فرمایا کریں۔ چنانچہ کئی ایک ابتدائی تقریبات میں آپ نے شرکت بھی فرمائی اور تقاریر بھی کیں۔ لیکن آہستہ آہستہ یہ شمولیت ختم ہوگئی کیونکہ انہی تقاریر کے ایام میں آپ کو اپنے پیر خانے میں بسلسلہ دورہ مصروفیات ہوتی تھیں جس میں غیر حاضری آپ کو ہرگز گوارا نہ تھی۔ چنانچہ شیخ الجامعہ صاحب نے بھی آپ کو اپنے پیر خانے کی تقریبات میں پر تکلف حاضری سے مستثنیٰ کر دیا شیخ الجامعہ مرحوم کے ساتھ آپکے تعلقات برادرانہ رہے اور آپ کے بیٹے حکیم عبدالرزاق عبرت مرحوم بھی شیخ الجامعہ صاحب کو چچا کے نام سے موسوم کرتے تھے۔

آپ اپنے پیر خانے کے علاوہ نہایت مسرت اور بشاشت سے اگر کسی کے ہاں تشریف لے جاتے تھے تو وہ صرف صاحبزادہ عبدالرب صاحب

Marfat.com

کے ہاں ''روپڑ شریف'' میں عرس مبارک کی تقریب ہوتی۔ اس دلچسپی کی وجہ ایک تو ہم مسلک ہونا تھا کیونکہ وہ بھی نقشبندی تھے، دوسرا ہم مزاج اور ہم اطوار ہونا قابلِ غور تھا۔ صاحبزادہ عبدالرب بھی آپ ہی کی طرح صاف دل، مفرح گفتگو کرنے والے، بلا تکلف ملنے جلنے والے اور ان لوگوں سے جنہوں نے تکلفات کے لبادے اوڑھ رکھے ہیں نفرت کرنے والے لیکن باطن کے اسرار و رموز سے آگاہ، نقشبندیت سے آگاہ، صحیح معنوں میں واقف اور نور عرفان سے معمور شخصیت تھے۔ حضرت مفتی صاحب کو ان سے خاص قلبی لگاؤ تھا۔ نہایت خوش دلی سے تشریف لے جایا کرتے تھے اور جب بھی تقریب سے واپس تشریف لاتے کئی دنوں تک اپنی محافل میں آپ صاحبزادہ صاحب موصوف کا تذکرہ فرمایا کرتے۔ البتہ "روپڑ شریف" کی حاضری بھی اس لئے باقاعدہ نہ ہوسکی کہ آپ کا اصل کام تو صرف اپنے پیر خانے کی خدمات بجا لانا تھا۔ باقی ہر کام ثانوی حیثیت رکھتا تھا۔ میں نے روپڑ شریف کے معتقدین سے حضرت مفتی صاحب کا تذکرہ نہایت محبت بھرے انداز میں سنا ہے جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ صاحبزادہ صاحب موصوف بھی اپنے معتقدین کی مجالس میں حضرت مفتی صاحب کے متعلق رطب اللسان رہتے ہوں گے بلکہ متعدد حضرات مفتی صاحب کی ملاقات کی خواہش اپنے پیر کی وفات کے بعد بھی رکھتے تھے۔ کیونکہ مفتی صاحب کے وجود میں انہیں اپنے پیر کی شباہت نظر آتی تھی۔

آپ ایک مرتبہ موضع "کھوڑ" تیل کمپنی کی جامع مسجد میں وہاں کے منتظمین کی دعوت پر تشریف لے گئے۔ آپ کی تقریر سننے کے لیے کثیر تعداد

Marfat.com

روضہ شریف کا ایک منظر

Marfat.com

Marfat.com

میں لوگ جمع تھے۔ تقریر کے دوران ایک شخص کھڑا ہو کر کہنے لگا کہ جناب آپ قرآن مجید سے پانچ نمازوں کے اوقات ثابت کریں۔آپ نے اسکے جواب میں فوراً یہ آیت کریمہ پڑھی:

اقم الصلوة لدلوک الشمس الی غسق الیل و قرآن الفجر

آپ نے فرمایا کہ اس آیت مبارکہ میں رات اور صبح کی نماز کے اوقات تو واضح ہیں اور " دلوک" کے معنی ڈھلنے کے ہیں جس سے تین اورقات ثابت ہوتے ہیں۔ سورج کا سر سے ڈھلنا، سورج کا نظر کے مقابلے میں سے ڈھلنا اور سورج کا افق سے ڈھلنا۔ اور پھر آپ نے فرمایا کہ اس تفسیر سے اگر کسی کو اختلاف ہو تو بتائے کہ وہ کس علم کی رو سے "دلوک" کے لفظ کو کسی ایک نماز کے اوقات میں مقید کرتا ہے اور اسکے پاس کون سے منطقی دلائل ہیں۔ آپکے اس جواب پر کوئی شخص معترض نہ ہوا اورآپ نے اطمینان سے اپنے بیان کو عصر تک جاری رکھا۔

ایک مرتبہ آپ " کلرکہار" میں تقریر فرما رہے تھے ایک شخص کھڑا ہوا جو کہ مولوی نما تھا اور لوگوں میں اپنے علم کا چرچا کرتا رہتا تھا۔ کہنے لگا کہ میں چند مسائل میں آپ سے مناظرہ کرنا چاہتا ہوں۔آپ نے اس کی بات کو غور سے سنا اور آپ کے جواب سے پہلے آپ کے ایک شاگرد مولوی عبدالحکیم صاحب جو کہ بعد میں چکوڑہ نزد کلرکہار میں تاحیات امامت کے فرائض انجام دیتے رہے وہ اس مولوی سے کہنے لگے کہ میں مفتی صاحب کا ایک ادنیٰ سا طالبعلم ہوں، یہ بات بتاؤ کہ مفتی صاحب سے تم کس حیثیت سے مناظرہ کرنا چاہتے ہو۔ وہ کہنے لگا کہ میں عالمِ دین ہوں اور مجھے حق ہے کہ میں اپنے

Marfat.com

نظریات کی اشاعت کیلئے علماء سے مناظرے کروں۔ مولوی عبدالحکیم صاحب کہنے لگے کہ میرے استادِ محترم سے مناظرہ کرنے سے پہلے مجھے تم " بسم اللّہ شریف" کے معنی بتا دو۔ اسکے بعد استاد محترم سے بیشک مناظرہ کر لینا۔ اس مولوی نے فوراً ترجمہ سنا دیا کہ شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔

مولوی عبدالحکیم نے اس سے سوال کیا کہ " بسم اللّہ شریف" کے کس لفظ کا معنی تم نے " شروع" کے کئے ہیں۔ اب مولوی صاحب سوچ میں پڑ گئے، بغلیں جھانکنے لگے اور کھسیانہ سا ہو کہ کہا کہ "بسم اللہ" کا یہی معنی ہر جگہ لکھا ہوتا ہے۔ مولوی عبدالحکیم مرحوم نے کہا کہ لکھا ہونا کا کیا مطلب؟ تم مولوی ہو، تمہیں پتہ ہونا چاہیئے کہ ترجمہ کیا ہے اور کیسا ہونا چاہئے۔ بہرحال مولوی مذکور سخت کھسیانہ ہو کر مجمع سے نکل گیا اور اسے کوئی جواب نہ آیا۔

آپ ایک مرتبہ بھون کی عید گاہ میں نماز عید سے پہلے تقریر فرما رہے تھے کہ دوران تقریر چوہدری محمد خان صاحب مرحوم نے جو کہ ڈی سی جہلم کے ریڈر تھے اور دینی علوم سے دلچسپی رکھتے تھے، اچانک سوال کر ڈالا کہ جناب مفتی صاحب میں نے تو پڑھا ہے کہ آنحضرت ﷺ دوران نماز سلام کا جواب دیا کرتے تھے۔ یہ طریقہ کب ختم ہوا اور کس حکم کے ذریعے؟ آپ نے فوراً فرمایا کہ بیشک ابتدا میں حضور نبی کریم ﷺ نماز کے دوران میں سلام کا جواب عنایت فرمایا کرتے تھے لیکن جب آیت " وقوموا للہ قٰنتین " نازل ہوئی تو اس کے بعد یہ طریقہ موقوف ہو گیا۔ چوہدری صاحب موصوف حضرت مفتی صاحب کے نہایت قدردان تھے اور محبت کرنے والے تھے۔ ان کا یہ سوال بطور

Marfat.com

اعتراض نہیں برائے اطمینانِ قلب تھا۔

آپ انتہائی ذہین طالبعلم تھے اور نہایت ماہر استاد تھے۔الفاظ کے استعمال میں نہایت محتاط تھے اور اگر ذرا سی بھی غلطی کسی شخص کی طرف سے ہوتی تو انہیں کھٹکتی اور اکثر آپ اسکا اظہار بھی فرماتے اور اصلاح بھی کرتے تھے۔

آپ کے آخری سالوں کے فتوے میں نے اپنے ہاتھوں سے تحریر کیے ہیں جنہیں آپ اِملا کرایا کرتے تھے۔اگر میں کبھی سہواً کوئی لفظ بدل دیتا تو آپ نہایت تاکید سے اسے درست کراتے اور فرماتے کہ بظاہر جن الفاظ کا مفہوم ایک جیسا محسوس ہوتا ہے وہ حقیقی معنی کے لحاظ سے آپس میں ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔

ایک مرتبہ کسی فتوے کے لیے گواہوں کے بیانات قلم بند ہو رہے تھے تو ایک معزز گواہ نے جو کہ امام بھی تھے اپنا بیان لکھواتے ہوئے کہا یہ بدمعاش نکاح میں نے نہیں پڑھایا۔مفتی صاحب کے ہونٹوں پر اچانک مسکراہٹ پھیل گئی اور فرمانے لگے کہ امام صاحب بیان تو جو آپ لکھوائیں گے وہی لکھا جائے گا لیکن یہ تو بتائیں کہ نکاح بذاتِ خود بدمعاش تھا یا نکاح کرنیوالے بدمعاش تھے۔ کیونکہ نکاح تو بدمعاش نہیں ہوتا لوگ بد معاش ہوتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے بیان کی تصحیح کرا دی۔ اس لطیفے کا فائدہ یہ ہوا کہ فریقین جو ایک دوسرے کی موجودگی میں کھچے کھچے سے بیٹھے تھے کھلکھلا کر ہنس پڑے اور محفل کے تناؤ میں کچھ کمی ہو گئی۔

آپ کا طریقہ مبارک یہ تھا کہ فتویٰ نویسی کیلئے کوئی لمبی چوڑی تحقیق

Marfat.com

یا تفتیش نہیں فرماتے البتہ عبارت کو ہو بہو اگر نقل کرنا مقصود ہوتا تو کتاب کھول کر لکھوا دیتے۔ وعظ اور تقریر وغیرہ کیلئے بھی تیاری کے طور پر آپ نے کبھی کتابوں کی ورق گردانی نہیں کی۔ اکثر ایسا ہوتا کہ آپ نماز چاشت کے وقت ایک موٹی سی کتاب جو مصر کی چھپی ہوئی تھی اور جس کا نام " نزہت المجالس" تھا۔ آپ اسے ہاتھ میں لیکر اور تکیے پر ٹیک لگا کر مطالعہ فرمانا شروع کرتے لیکن چند سطور کے مطالعے کے بعد ہی نیند کی آغوش میں چلے جاتے اور کتاب سینے پر دھری رہ جاتی اور اسکے بعد آپ کو مطالعہ کا کوئی وقت نہ ملتا لیکن جب وعظ شروع ہوتا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ دنیا بھر کی کتابیں پڑھ کر آرہے ہیں۔

آپکے والد ماجد نے آپ کو فقر و تصوف کے جس راستے پر ڈال دیا تھا آپ اس راستے پر ایسی مستقل مزاجی کے ساتھ سرگرم سفر رہے کہ تادم آخر اس میں کوئی کمی نہ آنے دی۔ آپ فقر و تصوف کے بحر ناپیدا کنار کے عظیم غواص تھے لیکن اپنے کسی کمال کا اظہار اپنی زبان سے نہیں فرمایا۔ آپ کے ایک شاگرد اور مرید مولوی صوفی غلام محمد مرحوم جو کہ تلہ گنگ کے قریب موضع "بھلمار" کے رہنے والے تھے اور آخر میں وہ راولپنڈی منتقل ہو گئے انہوں نے بتایا کہ میں ایک دن بھیرہ میں حضرت مفتی ثانی علیہ الرحمتہ کیساتھ تھا۔ جب جمعہ کے دن آپ بعد از نماز جمعہ وعظ فرما رہے تھے۔ میں سامعین میں بیٹھا تھا، وعظ سنتے سنتے اونگھ سی آگئی اور میں نے دیکھا کہ آپ کرسی پر بیٹھے ہوئے وعظ فرما رہے ہیں اور ایک صاحب، نہایت بزرگ صورت، دائیں طرف کھڑے ہیں اور ایک بزرگ بائیں طرف کھڑے ہیں۔ وعظ فرماتے

Marfat.com

فرماتے کبھی بائیں طرف والے سرگوشی کے انداز میں آپکے کان میں کچھ کہتے ہیں اور آپ مزید بولنا شروع کر دیتے ہیں اور کبھی بائیں طرف والے کچھ کہتے ہیں تو آپ تقریر کو مزید بڑھاتے چلے جاتے ہیں اور یہ عمل باری باری جاری رہا۔ میں مراقبے کی سی کیفیت سے جب سنبھلا تو دیکھا کہ مفتی صاحب تو اکیلے ہی بیٹھے ہوئے وعظ فرما رہے ہیں کوئی دوسرا بندہ نظر نہیں آتا کیونکہ یہ مشاہدہ کچھ انوکھا نظر آرہا تھا۔ میں نے یہ طے کیا کہ صبح اشراق کی نماز کے بعد جب تنہائی ملے گی تو آپ سے اس مشاہدے کی حقیقت دریافت کروں گا۔ لیکن صبح جب میں نے حقیقت معلوم کرنے کا ارادہ کیا تو عین اسی وقت آپ نے مجھے کسی کام کیلئے بھیج دیا۔ جب واپس آیا تو آپ اکیلے نہیں تھے کچھ ملنے والے پہنچ چکے تھے۔ میں نے دل میں سوچا آج تو موقع نہ مل سکا انشاء اللہ کل صبح ضرور دریافت کروں گا۔ دوسرے دن اسی وقت جب میں نے پھر پوچھنے کا ارادہ کیا آپ نے دوبارہ مجھے کسی کام کیلئے بھیج دیا۔ تیسرے دن میں نے تہیہ کر لیا کہ آج میں اپنی الجھن دور کروں گا اس کے بعد کام کیلئے جاؤں گا۔ آپ بھانپ گئے اور فرمانے لگے کہ آدمی جو کچھ دیکھے اس کا چرچا نہیں کرنا چاہیے۔ تم نے جن دو بزرگوں کو دیکھا ان میں جو میرے دائیں طرف تھے وہ شیخ عبدالقادر جیلانی تھے اور بائیں طرف والے حضرت بہاؤ الدین نقشبند تھے لیکن تم نے اس کا تذکرہ کسی سے نہیں کرنا۔ صوفی غلام محمد صاحب مذکور نہایت پختہ انسان تھے۔ آپ کی زندگی میں انہوں نے کسی سے ذکر نہ کیا۔ آپ کے وصال کے بعد آپ عرس مبارک کے موقع پر اس واقعہ کو بیان کیا۔

Marfat.com

صوفی غلام محمد مرحوم کا مزید بیان ہے کہ میں ابھی نو عمر تھا۔ حضرت مفتی ثانیؒ سے فارسی کتب اور مکتوبات امام ربانی پڑھا کرتا تھا لیکن باوجود مراقبات میں شامل ہونے کے مجھ علم باطن میں کوئی ورک حاصل نہ تھی۔ ایک دن ایسا ہوا کہ بھیرہ شریف میں ہی آپ کے ساتھ تھا۔ اسباق سے فارغ ہوا تو شہر دیکھنے کیلئے باہر نکل گیا۔ ایک جگہ دو چار آدمی کھڑے تھے اور پیروں اور صوفیوں کی مخالفت میں کچھ باتیں کر رہے تھے۔ دوران گفتگو ایک بڑے آدمی نے جو بھیرہ کا ایک طرح سے چوہدری تھا اس نے میرے استاد یعنی حضرت مفتی ثانیؒ کے حق میں کوئی گستاخانہ لفظ استعمال کیا۔ مجھ سے برداشت نہ ہوا۔ میں آگے بڑھا اور اچھل کر اس کے منہ پر تھپڑ دے مارا اور تھپڑ مار کر بھاگ نکلا۔ وہ لوگ میرے پیچھے دوڑے لیکن آگے تنور پر عورتوں کا ہجوم تھا، میں ان کے درمیان سے نکل کر گلیوں میں گم ہو گیا اور وہ لوگ پیچھے رہ گئے۔ صوفی صاحب فرمانے لگے کہ جب میں نے اس چوہدری کے منہ پر تھپڑ مارا تھا میرا قلب اسی وقت جاری ہو گیا تھا۔ صوفی صاحب مرحوم نے باطن کے کچھ مقامات طے کر رکھے تھے۔ دل کی باتیں اہلِ دل ہی جانتے ہیں۔

بھٹی گجر سے تعلق رکھنے والے کرنل فضل الرحمٰن صاحب کا بیان ہے کہ جب میں ہائی سکول میں پڑھتا تھا میری والدہ اپنے ساتھ مجھے حضرت مفتی صاحبؒ کی خدمت میں رتہ شریف لے گئیں اس زمانے کے رواج کے مطابق چادر اور قمیض اور سر پہ کلاہ پر ''شملا دار'' پگڑی میں نے پہن رکھی تھی۔ جب ہم رتہ شریف پہنچے تو حضرت مفتی صاحب مسجد میں تھے۔ میری والدہ محترمہ گھر میں چلی گئیں اور میں آپ کے پاس مسجد میں پہنچ گیا۔ ختم خواجگان ہو رہا تھا۔

Marfat.com

ختم شریف کے بعد مراقبہ شروع ہو گیا۔ سب لوگ سر جھکا کے دائرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے سر جھکانے کی کوشش کی لیکن ایسی محافل کے آداب سے ناواقفیت کی بناء پر کبھی آنکھیں بند کر لیتا اور کبھی کن اکھیوں سے ادھر ادھر دیکھنے لگ جاتا۔ مجھے ایسے یاد ہے کہ حضرت مفتی صاحبؒ حلقے میں بیٹھے ہوئے ہر آدمی کی طرف رخ پھیر پھیر کر توجہ فرما رہے تھے اور جب میری طرف آپ کی توجہ ہوئی تو معلوم نہیں کیا ہوا مجھ پر ایک سرور کی سی کیفیت طاری ہو گئی اور میں اونگھ گیا۔ مجھے ایسے نظر آنے لگا جیسے کھلے آسمانوں کی فضاؤں میں پرواز کر رہا ہوں اور اڑنا میرے لئے کچھ عجیب بات نہیں رہی۔ میں جدھر چاہتا ہوں ہوا میں تیرتا پھرتا ہوں، کبھی دائیں طرف کبھی بائیں طرف، کبھی اوپر، کبھی نیچے یہاں تک کہ حلقہ ختم ہو گیا۔ آپ نے دعا مانگ لی اور میں وہیں بیٹھے کا بیٹھا رہ گیا۔ جب میری آنکھ کھلی تو آپ کھڑے ہوئے میری طرف دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔ کرنل فضل الرحمٰن صاحب فوج سے ریٹائر ہو چکے ہیں اور آج کل راولپنڈی میں مقیم ہیں۔ حضرت مفتیؒ ہی کا فیض ہے کہ کرنل صاحب موصوف بزرگانِ دین سے متعلقہ کتب اور فقر و تصوف کے موضوعات پر مطالعہ فرماتے رہتے ہیں اور ان کی گفتگو بھی صوفیانہ حضرات کے اقوال سے مزین ہوتی ہے۔

کرنل فضل الرحمٰن صاحب تقسیم سے پہلے جب کپتان کے عہدے پر فائز تھے اور دہلی کے قریب کسی چھاؤنی میں تھے۔ ان کا چھٹی پر آنے کا پروگرام بنا تو حضرت مفتی صاحبؒ کو خط لکھا کہ میں کچھ دنوں کے بعد چھٹی آ رہا ہوں اور میرا دل یہ چاہا رہا ہے کہ میں دہلی میں اپنے بزرگوں کے مزارات

Marfat.com

پر حاضری دیکر آؤں۔ آپ نے جواب میں لکھا کہ اچھی بات ہے آپ ضرور جائیں اور جب حضرت خواجہ باقی با اللہؒ کے مزار پر حاضری دیں تو میرا سلام بھی عرض کریں۔ کرنل صاحب کا بیان ہے کہ میں اپنے پروگرام کے مطابق وہاں حاضر ہوا، میرے ساتھ میرا اردلی قطب الدین بھی تھا۔ حضرت خواجہ باقی با اللہؒ کے مزار پر مراقبہ بھی کیا کوئی خاص کیفیت پیدا نہ ہوئی۔ وہاں سے اٹھنے کا ارادہ کیا کیونکہ جس گاڑی سے میں نے آنا تھا اس کی روانگی میں ایک گھنٹہ باقی تھا۔ میں اٹھ ہی رہا تھا کہ مفتی صاحبؒ کا سلام یاد آ گیا۔ میں نے فوراً عرض کی کہ جناب حضرت مفتی صاحبؒ کا خط آیا ہے اور وہ سلام عرض کرتے ہیں۔ کرنل صاحب کہتے ہیں کہ یہ الفاظ ادا کرتے ہی مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے کہ کرنٹ لگ گیا ہو، جسم سارا جکڑا گیا اور میں کیف و سرور کی وادیوں میں گم ہو گیا۔ میں اس نشے کی حالت میں بے خود بیٹھا رہا یہاں تک کہ قطب الدین نے میرا دامن کھینچ کر مجھے متوجہ کیا کہ گاڑی نکلنے کا وقت قریب ہو رہا ہے۔ کرنل صاحب کہتے ہیں کہ کہاں وہ حالت کہ پانچ دس منٹ وہاں بیٹھنا بھاری محسوس رہو رہا تھا اور کہاں یہ حالت کہ آپ کا سلام لے جانے کے بعد یہ التفات کہ اب آدھ گھنٹہ پلک جھپکتے میں گذر گیا۔

کرنل فضل الرحمٰن کے قلب و دماغ پر حضرت مفتی ثانیؒ کے گہرے اثرات قائم ہوئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ باوجود ایک زمانہ دیکھ لینے کے اور بے شمار مدعیاں فقر و تصوف سے ملنے ملانے کے کوئی شخص ان کی نظروں میں آج تک جچا نہیں اور وہ حضرت مفتی ثانیؒ کے احوال و خیالات میں ہی گم رہتے ہیں۔

Marfat.com

آپ کے ایک نہایت معتبر شاگرد اور مرید باوفا مولانا محمد عارف مرحوم موضع نین رانجھا گجرات کے تھے۔ مولوی صاحب مذکور رتہ شریف میں حاضری سے پہلے درس نظامی کی تحصیل کر چکے تھے۔ صرف چند کتب کی بنیادی باتیں سمجھنے کیلئے آپ کے پاس آئے، پڑھنا شروع کیا۔ باطنی پردے ہٹ گئے۔ اور مقامات سلوک طے کرنے لگے۔ نہایت خلوص سے حضرت مفتی صاحب کی ہر خدمت بجا لانے کیلئے ہمہ وقت مستعد رہتے۔ مجھے اتفاقاً ایک دن حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا کہ مولوی محمد عارف نے بڑا بے مزہ کر دیا ہے۔ آدمی سحری کے وقت اٹھتا ہے کہ تنہائی میں کچھ اپنے خالق و مالک سے عرض نیاز کرے لیکن یہ اللہ کا بندہ جب بھی اٹھو پانی کا لوٹا بھر کر سامنے لئے کھڑا ہوتا ہے اور سحری کا سارا لطف غارت کر دیتا ہے۔

دراصل حضرت مفتی صاحب کو کسی طرح کی کوئی نمائش گوارا نہ تھی۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ہر وقت خدام کی صورت کچھ لوگ دائیں بائیں کھڑے ہوں اور خصوصاً تہجد کا وہ پرنور وقت جب اللہ کے سامنے ایک عاجز بندے کی طرح انسان کو پیش ہونا چاہیے، اس وقت بھی مخدوم کی حالت میں ہونا زیبا نہیں ۔ مولوی محمد عارف صاحبؒ ہم لوگوں سے شکوہ سنج رہتے کہ تم عجیب نادان لوگ ہو معرفت کا دریا تمہارے سامنے بہہ رہا ہے، تمہیں نہ اس کی پہچان ہے نہ اس کی قدر ہے۔ انہیں یہ شکایت مجھ سے اور میرے ماموں زاد بھائی حافظ مشتاق الرحمٰن مرحوم سے اور چھوٹے ماموں جان عبدالقدوس ہاشمیؒ سے رہتی۔ انکی یہ شکایت سو فیصد درست تھی۔

مولوی صاحب مذکور علم باطن کی تکمیل کے بعد اپنے گاؤں تشریف

Marfat.com

لے گئے۔ اور اسے اتفاق کہیے یا علم باطن کا کرشمہ کہ جس روز مفتی ثانیؒ کا وصال ہوا اسی صبح بغیر کسی اطلاع کے موصوف رتہ شریف پہنچ گئے۔اور آپ کی نمازِ جنازہ بھی انھی سے پڑھوائی گئی۔

للّہ شریف میں جب حضرت رابعؒ کا وصال ہوا تو اس وقت موجود سجادہ نشین للّہ شریف حضرت صاحبزادہ محمد مطلوب الرسول صاحب کی عمر مبارک 19 سال تھی۔ آپ بھیرہ میں درس نظامی کے اس وقت طلباء میں شامل تھے۔ والد گرامی کے وصال کے بعد آپ کو سجادہ نشین ہونا پڑا۔ حضرت صاحبزادہ محمد عمر بیربلویؒ اور کچھ دوسرے حضرات کا خیال یہ تھا کہ آپ کو سند فراغ حاصل کرنے سے پہلے سجادہ نشین نہ بنایا جائے بلکہ ایک دو سال مزید انہیں بھیرہ شریف میں رہنے دیا جائے، اس کے بعد حضرت مفتی صاحبؒ نے مجمع عام کے سامنے کھڑے ہو کر فرمایا کہ سجادہ نشینی کا منصب خلافت کی طرح ہے یہ منصب ایک دن کیلئے بھی خالی نہیں رہنا چاہیے۔ صاحبزادہ صاحب نے ضروری علم حاصل کر لیا ہے جو کسر ہے اس کو میں پورا کر دوں گا اور دستارِ خلافت اسی وقت بندھوائی جائیگی۔ چنانچہ سب نے اس پر صاد کیا اور آپ کو منصب خلافت پر بٹھا دیا گیا۔ اب حضرت مفتی صاحب کا زیادہ وقت حضرت سجادہ نشین صاحبزادہ محمد مطلوب الرسول کیساتھ گزرتا، اسباق کتب بھی جاری رہتے اور کتاب دل کا مطالعہ بھی شروع ہو گیا۔ مفتی صاحب ہر روز آپ کو تخلیے میں توجہ فرماتے۔ حضرت سجادہ نشین صاحب چونکہ حضرت مفتی صاحب کے نواسے بھی ہیں اور سب سے بڑی بات یہ کہ آپ حضرت مفتی صاحب کے پیرزادے بھی ہیں اس لیے آپ نے نہایت باقاعدگی اور دلجمعی سے

Marfat.com

توجہات اور مراقبات کا سلسلہ جاری رکھا اور باطن کے جو کمالات حاصل کیے۔

اصل واردات قلبی کے متعلق تو میں حضرت سجادہ نشین صاحب سے عرض کروں گا کہ وہ خود اپنے دست مبارک سے کچھ تحریر فرمائیں تا کہ ان کے ارشادات کو شامل کتاب کیا جا سکے۔ بہرحال جہاں تک مجھے علم ہے آپ کے سجادہ نشین بننے کے بعد حضرت مفتی صاحبؒ آٹھ سال تک موجود رہے اور فیض کا یہ سلسلہ چلتا ہی رہا۔ ایک دن میرے استفسار پر حضرت سجادہ نشین نے فرمایا کہ حضرت مفتی ثانیؒ نے جب باطن کے مقامات عبودیت مطلقہ تک طے کرا دیے تو فرمایا کہ اب یہ سلسلہ کافی ہو چکا ہے، آگے کی منازل وقت کے ساتھ ساتھ طے ہوتی چلی جائیں گی۔

حضرت سجادہ نشین صاحب نے ایک دن فرمایا کہ حضرت مفتی ثانیؒ کے وصال کے بعد مجھے خیال ہوا کہ علم باطن کی تکمیل سے متعلقہ آپ نے مجھے کوئی سند وغیرہ عطا نہیں فرمائی۔ مجھے کسی اور طرف رجوع کرنا چاہیے تا کہ علم باطن کی تکمیل ہو جائے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں میں نے ایک رات سامانِ سفر تیار کر لیا کہ صبح تین بجے کی گاڑی سے سرگودھا روانہ ہو جاؤں گا اور بیربل شریف جا کر حضرت صاحبزادہ محمد عمرؒ کے سامنے اپنا مسئلہ پیش کروں گا۔آپ فرماتے ہیں کہ خواب میں حضرت مفتی صاحب تشریف لائے، ایک بڑا سا کاغذ سند کیطرح کا ہے ،آپ مجھے دیتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ یہ سند تمہیں دے جو دی ہے، تمہیں اور کیا تصدیق چاہیے۔ آپ فرماتے ہیں کہ اس خواب کے دیکھنے کے بعد میری آنکھ کھل گئی اور میں نے سفر کا ارادہ ترک کر دیا۔

Marfat.com

حضرت سجادہ نشین صاحب فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھے نزلہ زکام اور بخار کی تکلیف تھی اور کئی دن اس علالت میں گذر گئے، افاقہ نہیں ہو رہا تھا۔ ان دنوں حضرت مفتی صاحبؒ اپنے دورے کے سلسلے میں بھیرہ میں مقیم تھے۔ میں للہ شریف میں اسی بیماری کی حالت میں دھوپ میں چادر اوڑھ کر لیٹا ہوا تھا اور ابھی سویا نہیں تھا کہ مجھے حضرت مفتی صاحب کے آنے کا احساس ہوا۔ آپ کے جوتوں کی آواز اور چلنے کی آواز کا اچھی طرح اندازہ تھا اور آپ غالباً گنگنا بھی رہے تھے۔ آپ تشریف لائے اور میرے سرہانے کے ساتھ بیٹھ گئے اور مجھے دم کرنے کی غرض سے کچھ پڑھنا شروع کر دیا۔ آپ دیر تک پڑھتے رہے اور اس پڑھنے کے دوران پیروں کو جو حرکت دے رہے تھے، وہ بھی میں سن رہا تھا۔ چنانچہ آپ نے مجھے دم فرمایا' دم فرمانے کے بعد آپ چل پڑے' مجھے جوتوں کی آواز آ رہی تھی کیونکہ میں جاگ رہا تھا۔ پھر میں اچانک اٹھ کر بیٹھ گیا کہ یہ تو بڑی گستاخی ہے کہ میں نے سلام و دعا بھی نہیں کیا اور جب ادھر ادھر دیکھا اور پتہ کیا تو معلوم ہوا کہ مفتی صاحبؒ تو تشریف ہی نہیں لائے، وہ تو بھیرہ میں ہیں۔ اس کے بعد میری علالت جاتی رہی۔ •

حضرت سجادہ نشین صاحب للہ شریف فرماتے ہیں کہ کئی بار ایسا ہوا کہ میں مراقبے میں بیٹھا ہوں اور محسوس ہوا کہ جیسے مفتی ثانیؒ بھی میرے ساتھ مراقب ہیں۔ اور جیسے کہ آپ اپنی زندگی میں استغراق کی حالت میں ہلکے ہلکے خراٹے لیتے تھے، انہیں خراٹوں کی آواز مجھے آ رہی ہے۔ حالانکہ ان کے وصال کو کافی عرصہ گزر چکا ہے لیکن یہ رحلت فراق کا باعث نہیں بن سکی۔

Marfat.com

جناب قاضی حافظ فضل حسین صاحب شاہ پور والے (نزد موضع منوال) فرماتے ہیں کہ میں آٹھ سال تک بھون میں بسلسلہ حفظِ قرآنِ مجید مقیم رہا۔ متعدد وعظ حضرت مفتی ثانیؒ کے سنے۔ ہر وعظ سننے کے بعد دوسرا وعظ سننے کی خواہش دل میں مچلتی رہتی تھی۔ قاضی صاحب کو جو آپ سے محبت پیدا ہو چکی تھی اس کی بناء پر انہوں نے حضرت مفتی صاحب کو شاہ پور تشریف لانے اور تقریر کرنے کی دعوت دی۔ شاہ پور میں شیعہ آبادی بہت زیادہ اور سنی بہت ہی قلیل تھی۔ جس دن آپ تشریف لے گئے اس دن آپ کے صاحبزادے جناب حکیم عبدالرزاق عبرت صاحب بھی آپ کے ساتھ تھے۔ مفتی صاحب گھوڑی پر سوا تھے۔ ایک حویلی نما " دارا" رستے میں پڑتا تھا ،جس میں چند چرسیوں اور بھنگ پینے والوں کا مستقل ڈیرہ تھا۔ ان لوگوں نے جب آپ کو دیکھا تو الٹے سیدھے نعرے لگانے شروع کر دیے۔قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے بہت شرمندگی ہوئی۔میری حالت بھانپ کر حضرت مفتی صاحبؒ گھوڑی سے اتر پڑے اور مجھے تسلی دیتے ہوئے فرمانے لگے کہ'' قاضی صاحب تم پریشان مت ہو۔ اگلے سال تک نہ یہ دارا ہو گا اور نہ یہ دارے والے ہوں گے۔''قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ مفتی صاحبؒ کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ سو فیصد درست ثابت ہوئے اور ایک سال میں بھنگ پینے والوں کا یہ مرکز ختم ہو کر رہ گیا۔

موضع تھوہا بہادر کے حافظ اورنگ زیب صاحب بیان کرتے ہیں کہ میرا ایک بیٹا جس کی عمر چار پانچ سال تھی بیمار ہو گیا جو علاج ممکن تھا کر لیا لیکن کوئی افاقہ نہ ہوا۔ ہم بچے کی زندگی سے قریب قریب نا امید ہو گئے۔

Marfat.com

میرے والد صاحب سخت پریشانی کی حالت میں رتہ شریف کی طرف روانہ ہو گئے۔ حضرت مفتی ثانیؒ کی خدمت میں جا کر عرض کی کہ میرا پوتا اور آپ کے شاگرد کا بچہ سخت بیمار ہے اور ہم تقریباً نا امید ہو چکے ہیں آپ خصوصی دعا فرمائیں۔ آپ نے دعا فرمائی، کچھ تعویز پلانے کیلئے دیئے اور فرمایا پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ تم اطمینان سے واپس جاؤ، جب تم پہنچو گے تو وہ بیٹھا ہوا دانے کھا رہا ہو گا۔ حافظ جی کہتے ہیں کہ جب میرے والد صاحب واپس پہنچے تو واقعتاً میرا بچہ بیٹھا ہوا دانے کھا رہا تھا۔ المومن ینظر بنور اللہ

میں او۔ٹی کی کلاس میں داخل ہونے کیلئے گکھڑ گیا، کاغذات وغیرہ دکھائے، انہوں نے مجھے داخل کر لیا۔ میں اپنا سامان لیکر گکھڑ ایلیمنٹری سکول کے ہاسٹل میں منتقل ہو گیا۔ چند روز کے بعد تمام طلباء کی میڈیکل رپورٹ بننا تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے میرا معائنہ کرنے سے انکار کر دیا کہ تمہارے بازو پر پولیو کا اثر ہے۔ میں پرنسپل صاحب کے مشورے کے بعد تمہیں چیک کروں گا۔ مجھے سخت پریشانی لاحق ہو گئی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہاں سے واپس جانا پڑے۔ سخت سبکی ہو گئی کیونکہ سب جاننے والوں تک یہ بات پہنچ چکی ہے کہ میں او۔ٹی کر رہا ہوں۔ بہر حال میں ہسپتال سے واپس آ کر ہاسٹل کے کمرے میں لیٹ گیا، نمازِ ظہر کا وقت قریب تھا اس لئے سونا نہیں چاہتا تھا، کچھ نیم بیداری کی حالت میں میرے قریب ہی حضرت مفتی صاحبؒ کی آواز سنائی دی کہ ”بیٹا گھبرانے کی بات نہیں سب ٹھیک ہو جائے گا“۔ میں ایک دم اٹھ کر بیٹھ گیا کہ حضرت مفتی صاحب تشریف لے آئے ہیں اور میں لیٹا ہوا ہوں، سخت گستاخی کی بات ہے لیکن جب میں بیٹھ گیا تب مجھے خیال آیا کہ حضرت

Marfat.com

مفتی صاحبؒ کے وصال کو تو ایک سال گزر چکا ہے۔ لیکن اب مجھے اطمینان ہو گیا کہ انشاء اللہ کسی طرح کی پریشانی کی کوئی بات نہیں۔

آپ کا مزاج شاداں اور آپ کی فطرت ہمہ وقت فرحاں، آپ کی باتوں میں ظرافت ہوتی لیکن پر وقار۔ آپ پریشان کن باتوں سے ہمیشہ دور رہتے۔ غم و اندوہ کی کیفیت آپ پر کبھی طاری نہ ہوتی۔ طویل عرصے تک آپ کی مجلس سے استفادہ کیا۔ ہمیشہ آپ کو باغ وبہار حالت میں دیکھا البتہ میرے اپنے تجربے میں صرف ایک دن یہ استثنائی صورت سامنے آئی جب میں آپ سے مولانا جامی کی زلیخا پڑھ رہا تھا۔ حضرت یوسفؑ کے بازارِ مصر میں بکنے کا واقعہ شروع ہوا اور مختلف لوگوں نے قیمتیں لگانا شروع کیں۔ اس موقع پر مولانا جامی نے یہ شعر لکھا ہے کہ:

ولے ایں نرخ را یعقوب داند

زلیخا ایں خریداری تواند

جب آپ نے اپنی مخصوص لے میں اس شعر کو پڑھا تو میں نے دیکھا کہ آپ کی آنکھوں سے چند آنسوؤں کے قطرے بہہ کر کتاب پر ٹپک پڑے ہیں۔ میرے لئے یہ بات عجیب تھی کیونکہ میں نے آپ کو ہمیشہ خوش و خرم دیکھا تھا۔ اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ آپ حقیقت میں کتنے رقیق القلب ہیں۔

عمر حیات ٹوانہ مرحوم کالرہ سٹیٹ والے آپ کے واعظ سننے کے نہایت شائق رہتے تھے۔ آپ کو اپنے نمائندے بھیج کر اپنے ہاں اکثر بلوا لیتے۔ کئی کئی دنوں تک اپنے ہاں ٹھہرائے رکھتے۔ ہر روز وعظ و ارشادات

Marfat.com

سے مستفید ہوتے۔ انگریز حکمرانوں کی طرف سے انہیں عام لوگ فوج میں بھرتی کرانے کی وجہ سے بہت سی مراعات حاصل تھیں۔ ایک دن حضرت مفتی صاحبؒ سے عرض کرنے لگے کہ لوگوں کو مربعے وغیرہ دینا میرے اختیار میں ہے۔ اگر آپ فرمائیں تو میں چھ مربعے آپ کے نام کر سکتا ہوں۔ آپ نے جواب دیا کہ زمینوں کی دیکھ بھال میرے بس کی تو بات نہیں، میرا بڑا بیٹا کچھ دنیا دار ہے اس سے بات کر کے میں آپ کو جواب دونگا۔

مفتی صاحبؒ گھر میں تشریف لائے اور حکیم عبدالرزاق صاحب سے بات کی۔ حکیم صاحب موصوف طب یونانی کی تعلیم حاصل کر کے واپس آ چکے تھے اور کسی حد تک پریکٹس بھی کر رہے تھے۔ حکیم صاحب نے جواب دیا کہ جناب میری جاگیر تو ہلیلہ بلیلہ اور صندل سفر جل ہیں، مجھے مربعوں سے کیا سروکار۔ چنانچہ آپ نے عمر حیات ٹوانہ صاحب مرحوم کو لکھ دیا کہ ہمارے یہاں مربعوں کی دیکھ بھال کا روگ پالنے کیلئے کوئی شخص تیار نہیں اس لئے آپ کا شکریہ کے ساتھ معذرت طلب ہوں۔

آپ کی دلی ارادت مندوں میں سے حافظ امام محمد مرحوم ٹھٹی نور ضلع سرگودھا والے بھی تھے۔ حافظ جی صاحب کی یہ خواہش ہوتی کہ زیادہ سے زیادہ وقت حضرت مفتی صاحبؒ کی خدمت میں گزارا جائے۔ آپ جب بھی للہ شریف تشریف لے جاتے، حافظ جی صاحب کو محفل کی فرصت میسر آجاتی۔ حافظ جی صاحب ٹھٹی نور میں اسلامیہ پرائمری سکول چلا رہے تھے۔ جس کے ہاسٹل میں ایک کثیر تعداد بیرونی طلباء کی تھی۔ حافظ جی صاحب کی ان تھک محنت سے اس سکول کی تعلیم کا معیار بہت بلند تھا اور وظائف کے امتحانات

Marfat.com

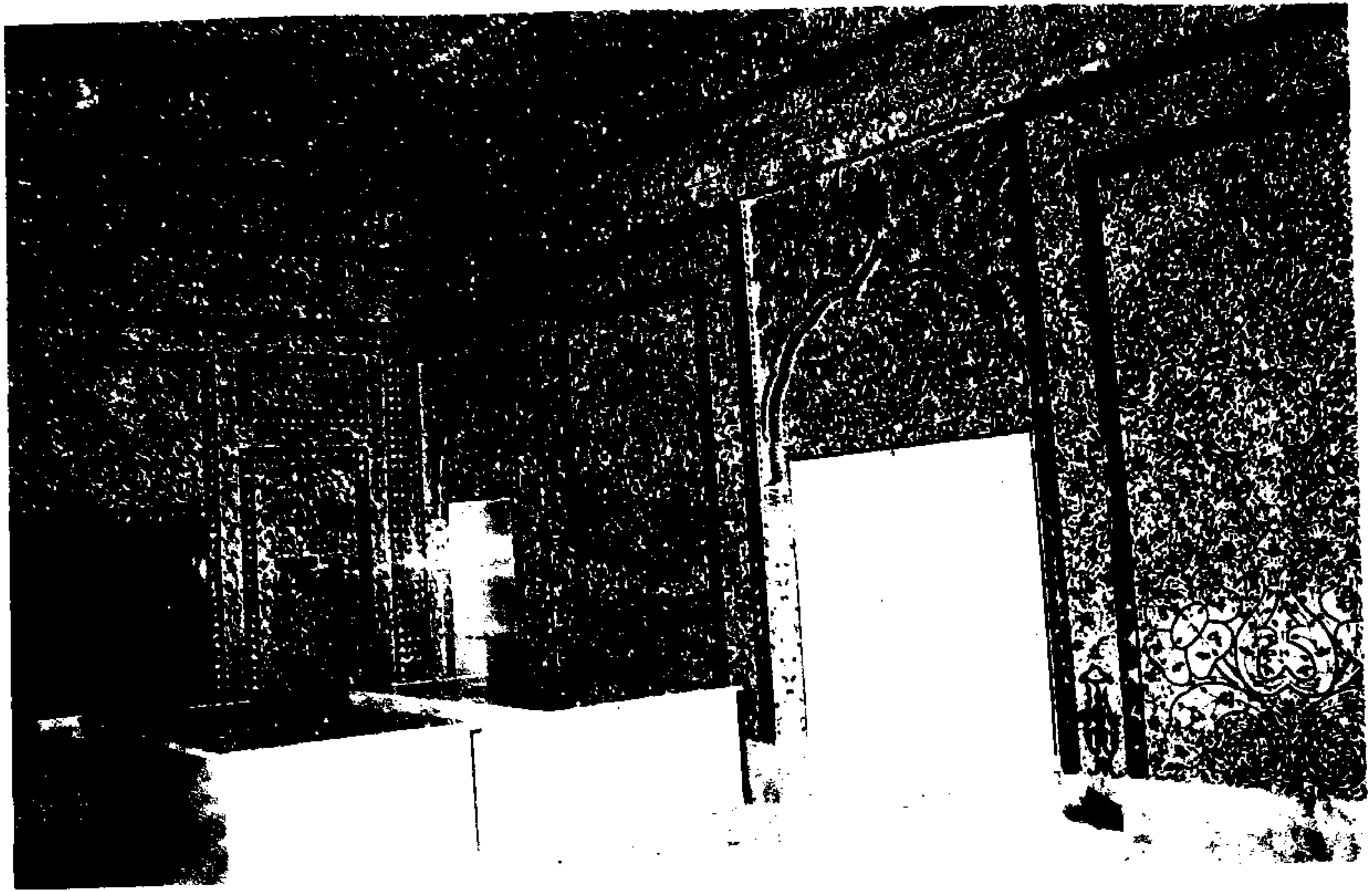

مزار مبارک

Marfat.com

Marfat.com

میں اسی سکول کے طلباء وظیفے حاصل کرتے تھے۔ ان کا ہر طالبعلم نہایت خوشخط، حساب میں ماہر اور باقی مضامین میں بھی طاق ہوتا تھا۔ بعد میں یہ سکول مڈل ہو گیا۔ حضرت مفتی صاحب نے رتہ شریف کے متعدد بچوں کو وہاں داخلہ دلوایا۔ وہاں کے فارغ طلباء میں جناب شفیق الرحمان مرحوم مالک ایس ٹی پرنٹرز راولپنڈی بھی تھے۔ جناب عبدالحکیم صاحب رتوی، جناب محمد رفیق صاحب (ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر) اور حافظ محمد حنیف صاحب ایڈووکیٹ ہائی کورٹ لاہور بھی ٹھٹی نور کے طلباء میں سے ہیں۔ ایک مرتبہ حافظ جی صاحب نے اصرار کر کے حضرت مفتی صاحبؒ کو ٹھٹی نور وعظ و ارشاد کیلئے بلایا۔ آپ جب تشریف لے گئے تو گاؤں کے لوگوں نے اور سکول کے طلباء نے نہایت نظم و ضبط کے ساتھ آپ کا استقبال کیا۔ سکول کے احاطے میں اجتماع ہوا اور سکول کے ایک استاد جو فارسی کے شاعر بھی تھے، آپ کی خدمت میں منظوم استقبالیہ پیش کیا۔ وہ ساری نظم تو نہیں مل سکی اس کا ایک شعر میرے حافظے میں ہے جو یہ ہے:

چو نورت آمدہ در ٹھٹی نور
از ٹھٹی شدہ نور علی نور

آپ کا یہ دورہ نہایت پر وقار اور با رونق رہا۔ ٹھٹی نور سے کچھ فاصلے پر موضع للہانی میں بھی آپ کے بہت سے عقیدت مند تھے اور ان سب میں حافظ عبدالعزیز صاحب مرحوم کا نام سرفہرست ہے، جو آپ کے مرید بھی تھے اور شاگرد بھی۔ حافظ صاحب مذکور کا آپ کے پاس اکثر آنا جانا ہوتا۔ وہ اسقدر آپ کے معمولات سے باخبر اور آشنا تھے کہ حضرت مفتی صاحب کے

Marfat.com

وصال کے بعد مفتی ثالث حضرت عبدالقدوس ہاشمیؒ کی رہنمائی اور حضرت مفتی صاحبؒ کے معمولات سے آشنا کرنے کی غرض سے کئی مہینوں تک رتہ شریف میں مقیم رہے۔ حافظ صاحب مذکور کی اولاد بہت خوشحال ہے اور انکے ایک بیٹے کرنل غلام حسین تھے۔

آپ کے بھیرہ کے مریدین میں سے ایک شخص حافظ محمد صدیق صاحب پراچہ بہت بڑے کاروبار کے مالک تھے۔ اکثر کراچی میں قیام رکھتے۔ ان کا ایکسپورٹ امپورٹ کا بہت بڑا کاروبار تھا۔ کراچی قمر ہاؤس کے قریب ویسٹ وہارف میں انکی " جلیل برادرز" کے نام سے کمپنی قائم تھی جہاں درآمد و برآمد کرنے والا مال جمع رہتا تھا اور اس جگہ کو میں نے بھی بہت عرصہ بعد دیکھا ہے۔ حافظ صدیق صاحب نے ایک مرتبہ حضرت حضرت مفتی صاحبؒ کو بیمے کے ذریعے کچھ رقم ارسال کی اور ساتھ رقعہ لکھا کہ میں آپ کو زادراہ، آپ کے خادم کے اخراجات سمیت بھیج رہا ہوں، آپ عریضہ ملتے ہی کراچی تشریف لائیں۔ مجھے ایک بہت بڑی مشکل درپیش ہے۔ امید ہے کہ آپ کی آمد کی برکت سے وہ مصیبت ٹل جائیگی۔ آپ یہ عریضہ ملنے کے بعد دو تین روز کے اندر کراچی روانہ ہو گئے۔ آپ کے وہاں پہنچنے سے پہلے حافظ صدیق صاحب لندن روانہ ہو چکے تھے اور ساری تفصیل گھر میں لکھ کر چھوڑ گئے تھے۔ دراصل حافظ صاحب پر امپورٹ ایکسپورٹ کے سلسلے میں ایک نہایت پیچیدہ مقدمہ لندن کی کسی عدالت میں زیرسماعت تھا اور انہیں قریب قریب اس بات کا یقین تھا کہ فیصلہ میرے خلاف ہو گا اور میرا سارا سرمایہ ضبط ہو جائے گا۔ حافظ صاحب مذکور اپنے بال بچوں کو یہ تاکید کر کے گئے تھے کہ جب تک میں

Marfat.com

واپس نہ آؤں، حضرت مفتی صاحب کا قیام یہیں رہنا چاہیے۔ حافظ صاحب ایک ڈرائیور اور ایک کار الگ مفتی صاحبؒ کیلئے خاص طور پر چھوڑ گئے تھے کہ اس کار اور ڈرائیور سے کوئی دوسرا کام نہ لیا جائے۔ یہ گاڑی صرف حضرت مفتی صاحبؒ کی سیرو سیاحت کیلئے وقف ہے۔ آپ اپنے معمولات کے مطابق اپنے اوقات بسر فرما رہے تھے۔ آپ کی زندگی میں سیرو سیاحت کیلئے کوئی وقت نہ تھا۔ ڈرائیور صبح و شام آپ کے پاس آتا اور گاڑی حاضر ہے کی صدا لگاتا۔ آپ فرماتے آرام کرو اور گاڑی بھی کھڑی رہنے دو۔ کئی دنوں کے متواتر انکار کے بعد آپ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے چلو چلتے ہیں، کہیں بھی لے چلو۔ ڈرائیور نے سوچا کہ کراچی میں اچھی جگہ سیروسیاحت کیلئے کلفٹن ہے، وہ آپ کو وہاں لے گیا۔ آپ وہاں گئے اور لوگوں کو دنیا و مافیا سے بے خبر اچھلتے کودتے کھیل تماشوں میں، اپنے مخصوص انداز اور مخصوص لباسوں میں مصروف دیکھا۔ عورتوں اور مردوں کا ایک اجتماع تھا جس میں شرم و حیا والی کوئی بات نہ تھی۔ آپ کی نگاہ جب ان لوگوں پر پڑی تو آپ انتہائی دل گرفتہ ہوئے اور بیزار ہوکر ڈرائیور سے کہا کے واپس گھر لے چلو۔ اور دوبارہ آپ ڈرائیور کے کہنے میں نہ آئے۔ آپ وہاں پندرہ دن قیام پذیر رہے۔ حافظ صاحب کیلئے دعائیں جاری رکھیں یہاں تک کہ حافظ صدیق مقدمہ جیت کر واپس پہنچ گئے۔ واپسی کے بعد ایک دن فرمانے لگے کہ کراچی دیکھا ہے، وہاں حافظ صاحب کا ڈرائیور روز سیر پہ جانے کیلئے کہتا تھا۔ ایک دن مروت میں آکر اس سے کہہ دیا کہ سیر کیلئے لے چلو لیکن جس جگہ وہ لے گیا اور وہاں جس دنیا کو ہم نے دیکھا، طبیعت سخت بیزار ہوئی اور میں سوچنے لگا کہ یہ وہ دنیا نہیں ہے جس دنیا

Marfat.com

میں ہم پیدا ہوئے تھے۔ آپ کی گفتگو کا انداز کچھ ایسا تھا جس سے یہ تاثر ملتا تھا کہ گویا آپ اس ماحول کیلئے ایک فالتو چیز بن چکے ہیں یا یہ کہ آپ اس دنیا سے اب کوئی رابطہ رکھنا نہیں چاہتے۔

میں فاضل فارسی کرنا چاہتا تھا۔ فارسی کی کتب اکثر پڑھ رکھی تھیں۔ میں نے آپ سے عرض کیا کہ آپ مجھے اگر سوفی غلام محمد صاحب المعروف " صوفی کُبا" صاحب بھلمار والوں کے پاس راولپنڈی چھوڑ آئیں تو میں کسی ادارے کے ذریعے فاضل فارسی کا امتحان دے لوں گا۔ آپ نے فرمایا بہت اچھی بات ہے۔ آپ مجھے لیکر صوفی غلام محمد صاحب کے ہاں تشریف لے گئے۔ صوفی صاحب مذکور ڈھوک مرزا میں خطیب تھے اور پنڈی کے مدرسوں اور اداروں سے خوب واقف تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں معلومات کر کے آپ کو عرض کرتا ہوں۔ وہ تشریف لے گئے۔ جب واپس آئے تو ان کے ساتھ مولانا فتح محمد صاحب بھی تھے۔ مولانا مذکور فرمانے لگے کہ صوفی صاحب نے جب آپ کا نام لیا تو میں نے یہ عرض کی کہ میں خود حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں حاضری دونگا۔ میرا اپنا کریسنٹ نائٹ کالج ہے۔ میں فاضلِ فارسی کراتا ہوں۔ آپ عزیز کو چھوڑ جائیں، انشاء اللہ اسے تعلیم کے سلسلے میں کوئی مشکل پیش نہ آئے گی اور کہنے لگے کہ میں غائبانہ طور پر آپ کا متعارف اور عقیدت مند ہوں، اس لئے کہ میں شیخ الجامعہ مولانا غلام محمد کا شاگرد ہوں اور میرے استاد محترم کسی عالم کے علم کی تعریف نہیں فرماتے تھے سوائے آپ کے۔ میرے استاد محترم شیخ الجامعہ آپ کے علاوہ نہ کسی کی ذہانت کے قائل تھے اور نہ کسی کے علم کو مانتے تھے۔ چنانچہ مفتی صاحب کو میری

Marfat.com

پڑھائی کی طرف سے اطمینان ہو گیا۔ استاد مکرم مولانا فتح محمد اجازت لے کر روانہ ہو گئے۔ صوفی صاحب موصوف نے میری رہائش اور خوردونوش کا انتظام ایک معمر خاتون جو کہ بھابڑہ بازار میں تھیں ، ان کے ہاں کر دیا۔ اور اس کے بعد حضرت مفتی صاحبؒ مجھے وہاں چھوڑ کر اور صوفی صاحب موصوف اور اس خاتون کو ضروری ہدایات دے کر اور چند نصیحتیں مجھے فرما کر واپس تشریف لے آئے۔

حضرت مفتی صاحبؒ نے ابتدائی ایام میں قرآن مجید تراویح میں سنایا ۔ جن لوگوں نے آپ کا قرآن کریم سنا تھا ان کا بیان ہے کہ آپ کا انداز قرأت نہایت دلکش ، آواز بہت واضح رفتار اور قرأت بہت موزوں ہوتی۔ اگر کوئی عالم سامع ہوتا تو اطمینان سے تمام معانی کو سمجھتا چلا جاتا۔ جن لوگوں نے آپ سے کلام پاک سنا ان کے دلوں میں یہ خواہش مچلتی ہی رہی کہ کاش آپ کی اقتداء میں تراویح پڑھنا پھر سے نصیب ہو جائے۔ آپ کا یہ معمول تھا کہ صبح کی نماز کے بعد اشراق کی نماز تک وعظ وارشاد فرماتے خواہ آپ رتہ شریف میں ہوں یا کسی بھی دوسرے مقام پر عموماً اس میں ناغہ نہ ہوتا۔ وعظ کے بعد آپ اشراق ادا فرماتے، اس کے بعد آپ ناشتہ فرماتے لیکن کالی چائے آپ کے معمولات میں شامل نہ تھی۔ سبز چائے آپ کو مرغوب تھی لیکن اسکا پینا بھی باقاعدہ نہ تھا۔ ناشتہ کے بعد مسائل پوچھنے والے ، سبق پڑھنے والے اور ملاقاتی حضرات سے رابطہ رہتا۔ آپ کی شخصیت سدابہار تھی ، ہمیشہ دل کشا اور فرحت آمیز گفتگو فرماتے۔ شاید یہی سبب ہے کہ بچوں سے لیکر بڑوں تک سب آپ کی محفل کے مشتاق رہتے۔لیکن آخری چند سالوں میں

Marfat.com

آپ کے مزاج میں کچھ تبدیل محسوس ہونے لگی۔ پہلے پہل جس قدر شگفتہ، نکات آفریں اور وجد آفریں تقاریر آپ فرمایا کرتے تھے اس انداز میں تبدیلی واقع ہوگئی۔ اب آپ وعظ دنیا کی بے ثباتی اور عوام کی غفلت کے موضوع پر ہوتے۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ آخری ایام کے وعظ غالباً نصائح محض میں بدل غئے تھے۔ اور جیسا کہ نصیحت کرنے والا نہایت محبت سے کوئی بات ذہن نشین کراتا ہے اور اس کے فائدیاور نقصان سمجھاتا ہے اور بے راہ روی پر تنبیہ کرتا ہے۔ اور حسن عمل پر نہایت محبت بھرے الفاظ میں اکساتا ہے،اسی طرح آپ کے مواعظ بھی بہترین نصیحتوں کا مجموعہ ہوگئے تھے۔

مثلاً ایک دن آپ نے آیت کریمہ:

مایفعل اللہ بعذابکم ان سکرتم و آمنتم و کان اللہ شاکراً علیما

پڑھی اور ایک گھنٹے تک اس پر نہایت روح پرور بیان فرمایا۔ آپ اس بات کو پسند نہیں فرماتے تھے کہ تقریر کے دوران نعرے لگائے جائیں یاکوئی کسی اور طرح کا شور برپا کرے۔ آپ نہائت سکون سے ارشادات فرماتے اور مجمع بھی سکون سے سنتا۔ آپ کے بڑے بھائی حضرت الحاج قاری دین محمدؒ آپ کے مواعظ کو مراقب ہو کر سنتے اور پوری تقریر کے دوران مراقب رہتے اور جوانی کے زمانے کی تقریروں میں جب کوئی لطیفہ بیچ میں آجاتا تو آپ کے بڑے بھائی صاحب کو یہ بات پسند نہ آتی اور بعد میں نجی محفلوں میں یوں ذکر فرماتے، کہ مفتی صاحب تقریر فرماتے رہتے ہیں، اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے۔ لیکن جب وہ کوئی لطیفہ بیچ میں لے آتے ہیں تو رحمت کا نزول رک جاتا ہے۔ بہرحال آخری سالوں کے مواعظ میں لطائف کا

Marfat.com

تذکرہ محود ہو گیا تھا۔

میں نے آٹھ رمضان المبارک آپ کی صحبت میں گزارے ۔ آپ کا رمضان المبارک کا معمول یہ ہوتا تھا کہ آپ صبح دو بجے بیدار ہوتے، تہجد ادا فرماتے اور سحری کھانے تک مراقب رہتے۔ سحری کھانے کے بعد آپ گھر میں جو ارادت مند خواتین جمع ہو چکی ہوتیں، ان کو توجہ فرماتے، پھر آپ نماز ادا فرماتے، نماز آپ خود پڑھاتے، نماز کے بعد وعظ ہوتا پھر اشراق پڑھتے اس کے بعد لوگوں سے ملنا جلنا ہوتا۔ ۱۱بجے سے لے کر ظہر تک آپ قیلولہ فرماتے، ظہر سے عصر تک ہم تین آدمیوں کیساتھ دور فرماتے اور اس کا طریقہ یہ تھا کہ پہلے آپ ایک رکوع زبانی تلاوت فرماتے پھر میں اسے زبانی پڑھتا اور اس کے بعد اسی رکوع کو آپ کے پوتے حافظ مشتاق الرحمٰن مرحوم زبانی پڑھتے اور اسی رکوع کو آپ کے بیٹے کے چھوٹے بیٹے مولانا قاری عبدالقدوس صاحبؒ پڑھتے اس طرح سے یہ دور جاری رہتا اور بمشکل عصر کے وقت تک سوا پارہ منزل مکمل ہوتی۔ اس دور کے درمیان اگر کوئی خاص نکتہ کلام مجید سے متعلق آپ سمجھانا چاہتے تو اس کا ذکر بھی بیچ میں آ جاتا۔ مثال کے طور پر ایک مرتبہ جب ہم سورۃ یوسف پڑھ رہے تھے تو آپ نے

ان کیدکن عظیم

کو پڑھنے کے بعد ارشاد فرمایا کہ مولانا رومؒ نے عورتوں کے اس ''کید'' کی خوب توجیہ کی ہے اور پھر مولانا رومؒ کا یہ شعر پڑھا کہ

روح راز عرش آرد در کیتم
لاجرم کید زناں باشد عظیم

Marfat.com

عصر سے مغرب تک آپ مختلف بزرگان دین کے ارشادات یا حالات بیان فرماتے رہتے اور افطار کا وقت جب ہوتا آپ نہایت صبر وسکون سے افطاری فرماتے ۔ میں نے شدید گرمیوں کے رمضان آپ کے ساتھ گزار ے ہیں لیکن کسی ایک رمضان میں بھی اور کبھی بھی آپ کی زبان مبارک سے یہ نہیں سنا کہ آج کا روزہ سخت تھا یا آج پیاس نے تکلیف دی یا کسی وجہ سے کوئی گھبراہٹ کا اظہار آپ نے کبھی نہیں فرمایا۔ سحری کے وقت کبھی آپ نے فالتو نہ کھایا، نہ پیا اور افطار میں بھی کوئی جلد بازی اور کوئی بیتابی آپ کے ہاں نہیں تھی ۔ نماز مغرب کے بعد آپ کھانا کھا کر کچھ دیر کیلئے لیٹ جاتے پھر عشاء کی نماز اور تراویح ادا فرماتے اور فرض کی نماز آپ خود پڑھاتے۔ تراویح کی نماز کسی ایک سال میرے ذمہ ہوتی اور دوسرے سال بھائی مشتاق الرحمٰن صاحب کے ذمہ ہوتی اور کبھی حضرت مفتی ثالث عبدالقدوس ہاشمی کے ذمہ ہوتی۔ عشاء کے بعد پھر آپ وعظ فرماتے اور توجہ فرماتے۔ اسکے بعد آپ بمشکل دو گھنٹے کیلئے آرام فرماتے۔آپ کو محافل شبینہ سے دلچسپی نہیں تھی۔ آپ کا خیال یہ تھا کہ حفاظ وقت کی کمی کے باعث تیز رفتاری سے قرآن مجید پڑھتے ہیں اور تیزی کی وجہ سے کلام پاک کے الفاظ کی کتر و بیونت ہوتی رہتی ہے اور یہ کلامِ الٰہی کی توہین ہے۔آپ کی حیاتِ طیبہ کا جو آخری رمضان تھا اس میں میں نے بھائی عنائیت احمد صاحب اور برادرم حافظ محمد حنیف صاحب نے کوشش کر کے اجازت لی کہ ہم شبینہ کرنا چاہتے ہیں۔ایک رات میں نہیں کریں گے بلکہ دو راتوں میں ختم کریں گے آپ اجازت فرمائیں۔آپ نے اس طریقہ شبینہ کی اجازت دے دی۔ چنانچہ پہلے پانچ پارے میں نے پڑھے

Marfat.com

اور باقی دس پارے عنائیت احمد صاحب اور محمد حنیف صاحب نے پڑھے اور آپ نے مکمل سماعت فرمائی۔ دوسرے دن زیادہ منزل جناب محمد حنیف صاحب نے پڑھی، دو پارے میں نے پڑھے اور باقی عنائیت احمد صاحب نے پڑھے اس کے بعد ہم نے آپ سے اجازت لی کہ ایک رات ۲۹ویں رمضان کی باقی ہے اگر آپ پسند فرمائیں تو ہم اسی رفتار سے کلام پاک کو پڑھیں گے۔ اور بھون کے بعد ایک شبینہ رتہ شریف میں ہونا چاہیئے۔ آپ نے اجازت دے دی۔اور ۲۹ ویں شب کو رتہ شریف میں شبینہ ہوا اور آپ نے مکمل طور پر اسے سنا۔ یہ شبینہ بھی نفلوں میں تھا۔

آپ سے علمی.اور روحانی استفادہ بہت سے لوگوں نے کیا لیکن روحانی فائدے جس قدر آپ کے نواسے اور اعلیٰ حضرت للہیؒ کے خانوادہ کے چشم وچراغ حضرت علامہ حافظ صاجزادہ محمد مطلوب الرسول سجادہ نشین للہ شریف نے کیا اس میں کوئی دوسرا ان کا ہمسر نہیں۔ شاید اس کا سبب یہ ہو کہ جو روحانی استعداد اعلیٰ حضرت للہیؒ کے خانوادے کو حاصل ہے وہ کسی دوسرے کے نصیب میں کہاں۔

حضرت سجادہ نشین صاحب آپ کے نواسے بھی تھے آپ کو اسی خاندان سے جو علم باطن حاصل ہوا تھا اسے نہایت اہتمام سے اسی خاندان کے ایک فرد کو لوٹا کر سرخرو ہو گئے۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے آخری علالت کے دوران میں مجھے تنہائی میں ارشاد فرمایا کہ میں نے محمد مطلوب الرسول صاحب کو اور حضرت رابعؒ کو حضرت مجدد الف ثانی کے روضے پر ایک ساتھ بیٹھے ہوئے دیکھا ہے۔ دونوں کا ایک جیسا لباس ہے اور ایک جیسی ٹوپیاں ہیں

Marfat.com

اور سفید چاندنی بچھی ہے جس پر آپ دونوں تشریف فرما ہیں۔ یہ بات آپ نے اس انداز سے ادا فرمائی تاکہ یہ بات سمجھ لیا جائے کہ اس کے بعد حضرت سجادہ نشین صاحب للہ شریف ہی رشد و ہدایت کے مقام پر فائز ہوں گے اور جناب صاحبزادہ محمد مقصودالرسول صاحب (برخوردار جناب سجادہ نشین صاحب) نے مجھے بتایا کہ یہی الفاظ حضرت مفتی صاحبؒ نے ان سے بھی بیان فرمائے۔ آپ کے ان الفاظ کی تصدیق، بعد میں آنے والے وقت نے کر دی۔ بہت سے لوگوں نے حضرت سجادہ نشین مدظلہ العالیٰ سے استفادہ کیا اور کر رہے ہیں لیکن اپنے اپنے نصیب کی بات ہے:

ع آیا بود کے گوشۂ چشمے بما کنند

قارئین! ہر شخص کا اپنا نقطۂ نظر ہوتا ہے، ایک ہی شے کو مختلف لوگ مختلف انداز سے دیکھتے ہیں۔ چوہدری غلام عباس مرحوم چکوالی جو علامہ قاضی غلام صمدانی مرحوم کے رضاعی بھائی تھے نہایت نکتہ شناس اور عظیم لوگوں کے اقوال کو کثرت سے روایت کرنے والے تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ حضرت مفتی ثانیؒ رتوی جب دوران تقریر اپنی مخصوص لے میں مثنوی کے اشعار پڑھتے تو ان کے گلے سے " میگھ ملہار " کے سر پھوٹتے تھے جس کا ثبوت یہ ہے کہ آپ کی تقریر کی برکت سے بادل فضا میں تیرنے لگتے اور اکثر اوقات ہلکی ہلکی پھوار پڑنا شروع ہو جاتی۔

چوہدری صاحب مرحوم کے اس خیال کو جھٹلایا نہیں جا سکتا کہ میں نے بھی یہ منظر کئی بار دیکھا ہے اور آستانہ عالیہ للہ شریف معراج المبارک میں شمولیت کا شرف حاصل کرنے والے اس بات کی تصدیق کریں گے کہ جب

Marfat.com

سپیدۂ سحر نمودار ہو رہا ہوتا، حضرت مفتی ثانیؒ دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے ہوئے ہوتے تو اکثر اوقات بارش کا گرتا ہوا ایک ایک قطرہ رحمت حق کی بشارت اور مقبولیت دعا کی نوید سنا رہا ہوتا۔ بلاشبہ آپ کو اس عظیم ترین رات کی خدمت کیلئے اعلیٰ حضرت للّہیؒ نے چن لیا تھا:

ع یہ اس کی دین ہے جسے پروردگار دے!

آپ سفید لباس یعنی کُرتا، تہبند اور سفید پگڑی مع ٹوپی استعمال فرماتے۔ داڑھی مبارک کو کچھ عرصہ خضاب لگایا لیکن پھر خضاب چھوڑ کر تادم آخر مہندی کا استعمال رکھا۔ بالوں میں تیل کی بجائے دیسی گھی میں پھُل چھلیرا (تیز پات) ڈال کر گرم کرواتے اور استعمال فرماتے۔ میں نے کبھی آپ کو اہتمام سے عطر یا کوئی بھی خوشبو استعمال فرماتے نہیں دیکھا۔ لیکن اس کے باوجود آپ کا وجود ایک مخصوص خوشبو میں بسا رہتا یہاں تک کہ جس کمرے میں آپ قیام پذیر ہوتے ایک عرصے تک آپ کی مخصوص خوشبو وہاں موجود رہتی اور جب آپ مسجد تشریف لے جا چکے ہوتے تو آپ کے رستے والی گلی کی خوشبو پتہ دیتی کہ آپ یہاں سے گزرے ہیں۔ جس کتاب کو ہاتھ میں لیتے مدتوں وہ آپ کی خوشبو سے معطر رہتی۔ ایک " رسالہ نوری" کا نسخہ آپ کے زیرِ مطالعہ رہا۔ اور میں آپ کی خوشبو آپ کے وصال کے کئی سال بعد تک اس میں محسوس کرتا رہا۔

آپ اپنے تمام تر علمی اور روحانی مقام کے باوجود ہم بچوں سے گھل مل کر رہتے کبھی کسی فاصلے کا احساس نہ ہوتے دیا۔ ایک مرتبہ اتفاق سے کسی ضروری کام کیلئے رتہ شریف سے بھون جانا پڑا۔ گھوڑی گھر پر موجود نہ تھی اور

Marfat.com

اونٹ کے کجاوے میں بیٹھ کر بھون کیلئے روانہ ہوئے، رستے میں بہت دل آویز باتیں سننے کو ملیں۔ میں نے کسی طالب علم کا ایک شعر پڑھ دیا جو فارسی اور پنجابی کا ملغوبہ تھا اور خاصہ بے ڈھنگا بھی تھا۔آپ کو بھی چند ایسے ہی اشعار یاد آگئے جو یقیناً ابتدائی طالب علمی کے زمانے کے ہونگے۔ آپ نے سنائے جو قافیہ اور ردیف کی ندرت کی بنا پر بہت بھلے لگے۔ بے حد محظوظ ہوا۔ تین شعر یاد رہ گئے ہیں آپ بھی ملاحظہ کریں:

اگر لوٹا نہ باشد برا ریڑی
نہ آوے آب اگر صد بار گیڑی
سزائے سخت باشد بر تو یارم
اگر جُتی ترا باشد سو ریڑی
عذاب سخت باشد دردو عالم
اگر عورت ترا باشد مریڑی

جناب دوست محمد نمبردار مرحوم سدوال والے گولڑہ شریف سے نسبت رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ حاضر ہوئے تو اعلیٰ حضرت گولڑوی پیر مہر علی شاہؒ نے پوچھا کہ علاقہ " دھن "سے آ رہے ہیں۔ " دھن " کی کون سی اچھی چیز ہے؟ انہوں نے عرض کیا حضور دھنی کے بیل بہت مشہور ہیں اور کُھسہ (جوتا) بہت اچھا بنتا ہے۔ آپ نے سنا اور قدرے توقف کے بعد فرمایا کہ دھنی میں مفتی امام الدین مرحوم کے دو بیٹے ہیں، دین محمد اور عطاء محمد، اس کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں۔ نمبردار صاحب مذکور اپنے پیر کا یہ قول نہایت محبت سے بیان

Marfat.com

کیا کرتے۔

آپ کی طبیعت میں عجب استغنا تھا۔ لالچ کا وصف آپ کو چھو کر بھی نہ گزرا تھا۔ آپ کو دیکھ کر غنی النفس کے معنی واضح ہو جاتے۔ آپ زمانہ طالب علمی کا اپنا ایک واقعہ بیان فرماتے کہ ایک رات رام پور میں ہم مسجد کے صحن میں سو رہے تھے، رات کو بارش برسنے لگی اور ہم سب اپنا اپنا سامان سمیٹ کر برآمدوں کی طرف جانے لگے۔ اتفاق سے میری واسکٹ کی جیب سے گیارہ یا بارہ چاندی کے روپے گر کر اِدھر اُدھر بکھر گئے۔ میں نے انکو کہا تمہارا خیال ہو گا کہ میں تمہیں اٹھاتا پھروں گا میں نے اٹھانا کوئی نہیں۔ میں یہ کہہ کر جا کر سو گیا۔ صبح کی نماز کے بعد بھائی غلام محمد صاحب (شیخ الجامعہ) نے روپے جیب سے نکال کر مجھے دیئے اور کہنے لگے حافظ جی روپوں کے کان نہیں ہوتے ،باتیں نہیں سنتے۔ لیکن ان کی ضرورت پڑتی ہے اور کام آتے ہیں۔ آپ یہ بات جناب غلام محمد صاحب کو خیر خواہی کے ضمن میں سنایا کرتے۔ اگرچہ اس میں آپ کی سیر چشمی کا قرینہ بھی موجود تھا۔

سخاوت سیر چشمی کی کوکھ سے جنم لیتی ہے۔ جس کی آنکھوں میں بھوک گھسی ہوئی ہو وہ سخاوت کیا خاک کرے گا۔ آپ اپنی سیر چشمی کے باعث بے انتہا کشادہ دست تھے۔ ایک دن آپ فرمانے لگے کہ میں رام پور کے تعلیمی زمانے میں گھر آیا اور والد صاحب نے چلتے وقت ایک خاص ریشمی لنگی اوڑھنے کیلئے دی۔ جب دہلی پہنچا تو گھومنے کیلئے چاندنی چوک کی طرف نکل گیا۔ لنگی میں نے اوڑھ رکھی تھی۔ ایک آدمی کی نظر پڑی اور پوچھنے لگا کہ بھائی صاحب یہ چادر کہاں سے بنوائی ہے؟ بہت خوبصورت ہے۔ میں نے کہا اے

Marfat.com

بھائی اگر تمہیں اتنی پسند ہے تو لو! یہ تم لے لو۔ میں نے لنگی اتار کر اس کے حوالے کر دی۔ اور اس نے حیران ہو کر پکڑ لی اور ہم آگے بڑھ گئے۔

یہ غالباً **1955**ء کی بات ہے کہ کراچی کے سفر کے بعد آپ تبلیغی سلسلہ میں خود کو اس دنیا کے لئے غیر موزوں سمجھنے لگ گئے تھے یا یوں کہیئے کہ دنیا ان کیلئے کراہت کا باعث ہو گئی تھی۔ آپ ایک مقصد کے ساتھ موضع چاولی تشریف لے گئے۔ واپسی پر نزلہ زکام اور بخار آنا شروع ہو گیا۔ آپ واپسی پر رتہ شریف آ گئے۔ میں سکول کی مصروفیت کی وجہ سے بھون میں تھا۔ تین چار دن کے بعد پتہ چلا کہ آپ رتہ شریف میں ہیں اور علیل ہیں۔ شام کو حاضر ہوا، تھرمامیٹر سے بخار دیکھا، ہلکا بخار تھا لیکن طبیعت میں تازگی نہ تھی۔ میں نے عرض کیا کہ بھون یا چکوال چلنا چاہیئے تا کہ ڈاکٹروں سے مشورہ لیا جا سکے۔ آپ فرمانے لگے تمام بزرگ حضرات یہاں موجود ہیں، میں یہاں سے کیسے جا سکتا ہوں۔ اتنی معمولی سی بیماری میں ایسی مایوسی کا اظہار میرے لئے بہت عجیب تھا لیکن کچھ کہنا خلافِ ادب تھا اس لئے خاموش رہا۔ علامات بتا کر میں چکوال ڈاکٹر سے دوائیں لے جا کر استعمال کراتا رہا لیکن کچھ افاقہ نہ ہوا۔ تین چار دن بعد حضرت سجادہ نشین صاحب کا رقعہ لے کر ایک درویش للہ شریف سے آیا۔ آپ کو گجرات کے دورے میں ساتھ چلنے کی دعوت تھی۔ مجھے جواب کیلئے کاغذ قلم لانے کو فرمایا۔ آپ بولتے رہے میں لکھتا رہا۔ آپ نے لکھوایا کہ میں علیل ہوں، میری شمولیت مشکل ہے، آپ مولانا عارف صاحب نین رانجھا والوں کو ساتھ لے لیں۔ آئندہ دورے میں انشاء اللہ شمولیت اختیار کروں گا۔

Marfat.com

ع ما در چہ خیالیم و فلک در چہ خیال

یہ مصرعہ جب آپ نے لکھوایا تو مجھے ایسا لگا کہ جیسے میرے ہاتھوں میں جان نہیں رہی۔ آپ کے چھوٹے بیٹے مولانا عبدالقدوس ہاشمیؒ لاہور جامعہ حزب الاحناف میں زیر تعلیم تھے اور آپ کے پوتے جناب حافظ مشتاق الرحمان صاحب بھی وہیں تھے۔ ان کو بیماری کا خط لکھا۔آپ کی زوجہ محترمہ، اپنی بڑی صاجبزادی صاحبہ کے پاس للہ شریف میں تھیں۔ انکو بھی اطلاع دی۔ سب لوگ آہستہ آہستہ رتہ شریف میں جمع ہو گئے۔ آپ کے بڑے صاجبزادے جناب حکیم عبدالرزاق علمِ طب کے نادر الوجود نسخوں کے حصول کے سلسلے میں ملتان کے مضافات میں تھے۔ان کی تلاش میں صاجبزادہ محمد مقصودالرسول صاحب ملتان گئے لیکن ان کا سراغ نہ مل سکا۔ صاجبزادہ صاحب موصوف کی ملاقات ملتان میں امیر شریعت حضرت عطاء اللہ بخاریؒ صاحب سے ہوئی۔ شاہ صاحب مذکور کو جب صاجبزادہ صاحب کی ملتان آمد کا مقصد معلوم ہوا تو حضرت مفتی صاحب کو انہوں نے سلام پہنچانے کو کہا اور کہا کہ مفتی صاحب سے کہہ دینا کہ

ع درد بہ جگر دارد بیمارز بیمارے!

حضرت مفتی صاحبؒ کو اپنے بڑے بیٹے کے نہ ملنے کا بہت دکھ ہوا۔ آپ کو ڈاکٹری دواؤں سے رغبت نہ تھی۔ یونانی علاج ہوتا رہا۔ آپ کے داماد حضرت پیر امیر شاہ صاحبؒ پیر کھارا شریف نے بھی اپنی سی کوشش کر کے دیکھ لی لیکن بے سود۔آخرکار ہونے والی بات ہو کے رہی اور آسمان رشد و ہدایت اور علم و تصوف کا آفتابِ ضیاپاش اپنی کرنیں سمیٹ کر عالم جاودانی کی طرف

Marfat.com

منتقل ہو گیا۔ مفتی صاحب رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے ہجری سن کے لحاظ سے تقریباً چھہتر(76) برس کی عمر شریف اس خاکدان میں بسر کی۔

آپ کے مریدِ خاص حضرت مولانا محمد عارف صاحب نین رانجھا ضلع گجرات بغیر کسی اطلاع کے محض اپنے باطنی تعلق کے ادراک سے اپنے پیر کے وصال سے دو تین گھنٹے قبل تشریف لے آئے۔ ان کی آمد ظاہر بیں لوگوں کیلئے باعث حیرت تھی۔ لیکن اہلِ صفا کے نزدیک ایک معمول کی بات تھی۔ آپ نے ہی اپنے پیر کی نماز جنازہ کی امامت کی کیونکہ حضرت سجادہ نشین صاحب للہ شریف دورے میں تھے اور آپ کو حضرت مفتی صاحبؒ کے وصال کی خبر نہ ہو سکی تھی۔

قارئین ! کسی کو اطلاع بغیر کسی واسطے کے ہوئی اور وہ پہنچ گیا! اور کسی کو کسی واسطے کے بغیر اطلاع کیوں نہ ہوئی اور کیوں نہ پہنچا؟ کسی کو خبر دینے میں کیا مصلحت تھی اور کسی کا احترام خبر دینے میں کیسے مانع تھا، یہ مجھ جیسے بے خبر لوگوں کی فہم و بصیرت سے بالا تر باتیں ہیں۔ اللہ والوں کی باتیں اللہ والے ہی جانتے ہیں۔ ہم اپنی جان کو مخمصوں میں کیوں ڈالیں؟

میں جن دنوں حضرت مفتی صاحبؒ سے مثنوی مولانا روم پڑھا کرتا تھا۔ ایک دن نجانے میرے دماغ میں کیا بات آئی کہ میں نے سبق سے متعلقہ سوال چھوڑ کر آپ سے عرض کی کہ جناب آپ، پر اللہ کا کتنا بڑا کرم ہے کہ آپ حافظ قرآن کریم ہیں۔ آپ کو دورانِ تقریر کوئی آیت کسی سے پوچھنا نہیں پڑتی جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر علماء دوران تقریر آیات پوچھنا شروع کر دیتے ہیں کہ ہے کوئی حافظ جو یہ بتائے۔ پھر میں نے عرض کیا جناب آپ پر

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کی یہ بھی بڑی مہربانی ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے بہت خوبصورت آواز عطا کی ہے۔

اکثر علماء اگر حافظ بھی ہوں تو بے رس آوازوں کے مالک ہوتے ہیں اس لئے سننے کا لطف نہیں آتا۔ پھر میں نے عرض کی کہ جناب آپ پر اللہ تعالیٰ کا یہ کرم بھی بہت بڑا ہے کہ آپ کو فارسی پر مکمل دسترس حاصل ہے کیونکہ اکثر علماء فارسی سے نا بلد ہونے کی وجہ سے فارسی کے اشعار غلط پڑھتے ہیں اور تقریر کا مزا کرکرا کر دیتے ہیں۔ پھر میں عرض کی کہ اگر کوئی عالم حافظ بھی ہو اور فارسی سے بھی مناسبت رکھتا ہو لیکن اگر تصوف سے بے بہرا ہو تو اس کے وعظ میں وہ مٹھاس اور تاثیر نہیں ہوتی جو صرف صفائے باطن کا ہی خاصہ ہے۔جس کا حصۂ وافر اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا ہے۔

آپ میری یہ باتیں نہایت غور اور حیرت سے سن رہے تھے جب میں چپ ہوا تو آپ فرمانے لگے توبہ توبہ، عبیداللہ تم نے بڑا لمبا حساب لگایا ہے۔ مجھے آپ کے ان الفاظ کا صحیح مفہوم اس وقت سمجھ میں نہیں آیا۔ شاید منہ پر تعریف کرنا درست نہ تھا۔ شاید میری باتیں چھوٹا منہ اور بڑی بات کے ضمن میں آتی تھیں۔ بہر حال آپ کی زندگی میں تو دوبارہ آپ کے سامنے ایسی باتیں کرنے کی جسارت نہ کر سکا لیکن آج چھیالیس برس کے بعد اسی چھوٹے منہ اور اتنی ہی کم علمی کے باوجود اس عظیم الشان جامع الصفات وکمالات ہستی کے متعلق چند تعارفی گزارشات پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ میری کوتاہیوں کو معاف فرمائے۔ (آمین)

نوشتہ بماند سیہ بر سفید　　　نویسندہ رانیست فردا امید

Marfat.com

اس سوانحی خاکے کی تکمیل کے بعد حضرت صاحبزادہ محمد مطلوب الرسول مدظلہ' نے مفتی ثانی حضرت عطاء محمدؒ کے چند خطوط ازراہِ عنایت ارسال فرمائے جو مفتی صاحبؒ نے اپنے شاگرد اور خلیفہ حضرت مولانا محمد عارفؒ کو تحریر فرمائے تھے۔

حضرت صاحب مدظلہ' کا گرامی نامہ بعینہ درج کیا جاتا ہے:

محترم جناب قاری صاحب! السلام علیکم

تبرکات نوشتہ حضرت قبلہ عالم مفتی صاحب مرحوم ارسال ہیں۔ ساتھ ہی مولانا محمد عارفؒ کی خود نوشتہ زندگی کے حالات بھی ہیں۔ آپ جو مناسب سمجھیں کتاب میں شامل کر لیں۔ کاغذات مرور زمانہ کی وجہ سے بہت بوسیدہ ہیں۔ جیسے کہ ہم خود بھی بوسیدہ ہو چکے ہیں وہ تو بیچارے کاغذ ہیں۔ آپ ان کی فوٹو سٹیٹ کرا لیں تو بہت بہتر ہو اور جو مناسب ہو میں بطورِ نمونہ تحریر درج ہو جائے۔ غالباً جو تحریر آپ نے میرے سفر کے بارے میں لکھی ہے، وہ کچھ نسبتاً واضح ہے۔ آگے آپ جیسے مناسب خیال فرمائیں اس میں عملیات بھی ہیں۔ یہ خاندانی ورثہ ہے۔

میں انشاء اللہ ہفتہ تک واپس چلا جاؤں گا۔ یہ خط بدست محمد طارق کھوکھر بالا بھیج رہا ہوں۔ اس کی خواہش ہے کہ کتاب میں یہ بھی لکھا جائے کہ یہ تحریری تبرکات بدست طارق کھوکھر نین رانجھا سے وصول ہوئے ہیں۔

والسلام

محمد مطلوب الرسول للّٰہی

بکن، ضلع گجرات

۲۴ فروری ۲۰۰۱ء

Marfat.com

حضرت حافظ

رحمۃ اللہ علیہ

عتیق اللہ

پیدائش ———— رتہ شریف

وصال ——— 24اپریل1925ء، رتہ شریف

Marfat.com

Marfat.com

حضرت حافظ عتیق اللہ رحمتہ اللہ علیہ

جناب حافظ عتیق اللہ صاحب مرشدِ ثانی حضرت دین محمدؒ کے بڑے بیٹے تھے۔ انکے بچپن میں ہی انکے سر سے والدہ ماجدہ کا سایہ اٹھ گیا اور آپ ایک بہت بڑی نعمت سے محروم ہو گئے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے بے پناہ فطری صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ بچپن ہی سے آپ سنجیدہ مزاج اور باوقار شخصیت کے حامل تھے۔آپ شکل وصورت اور قد کاٹھ کے لحاظ سے اپنے والد گرامی کے مثل تھے۔

آپ نے چار سال کی عمر میں اپنے والد گرامی سے قرآن کریم حفظ کرنا شروع کیا اور اپنی خداداد ذہانت کی بناء پر اپنے والد گرامی کی عدیم الفرصتی کے باوجود تھوڑے ہی عرصے میں قرآن کریم حفظ کر لیا۔ حفظ کے بعد آپ نے رمضان المبارک میں مسلسل قرآن مجید تراویح میں سنایا۔ آپ کی خوش آوازی اور قرآن کریم کی تلاوت میں مخصوص روانی اور تجوید کی پاسداری کی بناء پر کثیر تعداد میں نمازی آپ کی اقتداء میں جمع ہو جاتے اور قرآن کریم کی فیض و برکات سے حظِ وافر حاصل کرتے۔

آپ کے والد ماجد بچے کی استعداد سے نہایت مطمئن تھے۔ اور بچے کی فطری صلاحیتوں میں اپنے خوابوں کی تعبیر دیکھ رہے تھے۔ کہ عتیق اللہ صاحب میں اللہ تعالیٰ نے ایک عجیب ملکہ رکھ دیا تھا کہ آپ جس کسی مقرر کی تقریر یا کسی قاری کی تلاوت یا کسی نعت خواں کی نعت سن لیتے، ہو بہو اور حرف بہ حرف اسی طرح کاپی کرتے جیسے کہ کوئی چیز کیسٹ میں بھر لی

Marfat.com

جائے۔ اور اس ضمن میں حکیم صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم دونوں بھائی قصبہ بھون میں گئے اور مغرب کی نماز ہم نے جناب حافظ عبدالرحمٰن شہیدؒ کے پیچھے مسجد کمہاراں میں ادا کی (واضح ہو کہ جناب حافظ عبدالرحمٰن مذکور مسجد کمہاراں میں درس قرآن مجید دیتے ہوئے پچیس تیس طلباء سمیت حجرے کی چھت کرنے سے شہید ہوگئے) حافظ صاحب نے نماز میں سورۃ القارعہ تلاوت کی تھی۔ ہم رتہ شریف واپس چلے گئے۔ عتیق اللہ صاحب سات آٹھ سال کے بچے تھے۔ اپنے کھیل کود کے دوران میں ایک کچی دیوار پر بیٹھے ہوئے تھے کہ بے خیالی میں حافظ عبدالرحمٰن صاحب کے انداز میں سورۃ القارعہ پڑھنا شروع کر دی۔ حکیم صاحب کہتے تھے کہ میں حیرت زدہ ہو گیا کہ ان کے پڑھنے میں کسی طرح سے رتی برابر فرق نہ تھا۔

جناب عتیق اللہ صاحب نے کچھ فارسی کتب اپنے والد گرامی سے پڑھیں لیکن آپ کے والد گرامی کے عقد ثانی کے بعد آپ کے لئے گھریلو ماحول بوجوہ پرسکون نہ رہا اور آپ کا وقت زیادہ تر اپنے معتقدین اور مخلصین کے ہاں آمدورفت میں بسر ہونے لگا۔

آپ کیلئے اور آپ کے ماحول میں موضع ''گھوٹے'' کا نام اجنبی نہ تھا۔ چنانچہ آپ نے بھی اپنے چچا زاد بھائی اور دوست حکیم عبدالرزاق عبرت کے ساتھ یہ طے کیا کہ موضع ''گھوٹے'' جانا چاہیے تا کہ صرف ونحو کی تعلیم حاصل کر کے کسی بڑے مدرسے میں داخلہ لیا جائے۔ چنانچہ دونوں بھائی گھر والوں کی اجازت سے ملتان روانہ ہو گئے۔ ملتان میں آپ نے غلام نبی بھونوی کے ہاں قیام پذیر ہونا تھا۔ جس روز آپ ملتان پہنچے اس سے پہلی

Marfat.com

رات میں غلام نبی مذکور نے اپنے پیر و مرشد جناب عبدالرزاق اور حافظ عتیق اللہ صاحب کے دادا جان مفتی امام الدینؒ کو خواب میں دیکھا کہ آپ دو پھول عطا کر رہے ہیں۔ غلام نبی مرحوم نے مجھے بتایا کہ اس خواب کے بعد مجھے کسی انعام خداوندی کا انتظار تھا کہ ظہر سے قبل دونوں بھائی پہنچ گئے۔ میں نے ان کا استقبال کرتے ہوئے فوراً ہی ان سے کہا کہ آپ کے آنے کی اطلاع آپ کے دادا جان نے مجھے کر دی تھی۔

دونوں رات دن غلام نبی مرحوم کے پاس رہے اور پھر موضع ''گھوٹہ'' روانہ ہو گئے۔ موضع'' گھوٹہ'' میں مدرسہ کا ماحول اس لئے اجنبی نہیں تھا کہ وہاں کے اساتذہ اور آمدورفت رکھنے والے لوگ اور مدرسے کے درودیوار آپ دونوں کے والدین کی شخصیتوں سے بہت اچھی طرح واقف اور شناسا تھے۔ آپ دونوں نے وہاں داخلہ لینے کے بعد علم صرف کی تعلیم کا آغاز کیا۔ علمِ صرف چونکہ محنت طلب علم ہے اس لیے حکیم عبرت صاحب کوتو رٹنے رٹانے کے عمل نے خاصا بیزار کیا۔ نیز یہ کہ مدرسے کا رہن سہن کسی لاڈلے پن کو تو ہرگز گوارا نہیں کر سکتا تھا۔ جناب عتیق اللہ صاحب اگرچہ لاڈ پیار کے احساسات سے بہت حد تک محروم ہو چکے تھے اور ان کے لئے نہ اسباق گراں تھے اور نہ ماحول ہی بد دلی کا باعث تھا۔ لیکن بھائی کی اکتاہٹ اور سیماب صفتی نے وہاں سے آپ کو بھی کوچ کے لیے آمادہ کر لیا۔ اور آپ دونوں دو ماہ سے بھی کم عرصہ میں گھر واپس پہنچ گئے۔

رتہ شریف واپس پہنچنے کے بعد حکیم صاحب تو معمول کی دلچسپیوں میں گم ہو گئے لیکن عتیق اللہ صاحب گھر کے ماحول سے بہت حد تک بے تعلق

Marfat.com

رہنے لگے۔ آپ کے والد گرامی کے ایک مخلص مرید جناب فقیر محمد صاحب بھوتوی درزی کا کام کرتے تھے۔ انہیں عتیق اللہ صاحب سے خصوصی انس تھا اور عتیق اللہ صاحب کا بے حد احترام کرتے تھے۔ فقیر محمد صاحب کے ہاں جناب عتیق اللہ صاحب کا اکثر و بیشتر آنا جانا رہتا اور تمام اہلِ خانہ جناب عتیق اللہ صاحب کی آمد کو اپنے لیے خیر و برکت کا سبب گردانتے تھے۔

ان دنوں حالات آج کے مقابلے میں بہت مختلف تھے، نہ کشادگی تھی نہ وسائل ہی تھے۔ زیادہ تر مستورات اپنے ہاتھ سے چکی پیس کر گھر بھر کیلئے آٹا تیار کرتیں۔ اور گھر کے تمام کاموں کے مقابلے میں چکی پیسنے کا کام کسی قدر بھاری تصور کیا جاتا تھا۔ فقیر محمد صاحب کا یہ عقیدہ تھا کہ جب عتیق اللہ صاحب ہمارے گھر میں تشریف فرما ہوں تو ہماری خواتین کو تو صرف چکی پیسنے کا کام شروع کرنا پڑتا ہے اور پھر ذرا سی دیر میں بغیر کسی مشقت سیروں آٹا حاصل ہو جاتا ہے انھیں یہ خیال بھی تھا کہ جناب عتیق اللہ صاحب کے شاید جنات خادم ہیں جو ہمارا ہاتھ بٹا جاتے ہیں۔

عتیق اللہ صاحب ایک مرتبہ رمضان المبارک میں قرآن مجید سنانے کیلئے راولپنڈی تشریف لے گئے ۔ مری روڈ پر بھابھڑہ بازار میں داخل ہوں تو تقریباً ڈیڑھ فرلانگ پر دائیں طرف ایک مسجد ہے ۔ نیچے کچھ دکانیں اور گودام وغیرہ ہیں۔ میں نے اس مسجد کو دیکھا، اس وقت تک یہ صرف ایک سادہ سی مسجد تھی بغیر کسی خصوصی نام کے۔ ممکن ہے کہ اب اس کی تعمیر نو ہو چکی ہو اور کسی مکتبۂ فکر کے تعلق سے اسے کوئی نام بھی دے دیا گیا ہو۔ بہر حال جناب عتیق اللہ صاحب نے اس مسجد میں رمضان المبارک گزارا۔ یہ مسجد ہندوؤں کی

Marfat.com

آبادی میں گھری ہوئی تھی۔ روایت ہے کہ جب آپ اذان کہتے تو چاروں طرف کے ہندو عورتیں اور مرد اپنے مکانوں کی چھتوں پر نکل کر کھڑے ہو جاتے اور بے اختیار ان کی آواز کی مخصوص موسیقی میں کچھ اس طرح محو ہو جاتے کہ ان کی حیرت زدگی اس بات کی عکاسی کر رہی ہوتی گویا انھیں اس بات کے تسلیم کرنے میں تردد ہے کہ آیا یہ آواز کسی انسان کی ہے یا کسی اور مخلوق کی۔ مسجد کے منتظمین میں عبدالخالق صاحب بھی تھے بلکہ حقیقت میں وہ ہی کرتا دھرتا تھے۔ان کی صدر بازار میں لندن بک ڈپو کے مقابل ایک بہت بڑی گھڑیوں کی دکان تھی۔

1950ء میں جناب عتیق اللہ صاحب کے حالات جاننے کیلئے ان کی دکان پر ان سے ملا۔ جب انھیں اپنا تعارف کرایا کہ میں عتیق اللہ صاحب کا بھتیجا ہوں تو وہ نہایت محبت سے پیش آئے۔ کافی دیر تک دکان میں بٹھائے رکھا، خاصی مدارت کی۔عتیق اللہ صاحب کا تذکرہ نہایت عقیدت اور دل سوزی سے کرتے رہے۔ افسوس یہ ہے کہ مجھے اس وقت کسی طرح کی یاداشتیں تحریر کرنے کا خیال نہیں تھا ورنہ کچھ باتیں میں ان سے نوٹ کر لیتا۔ البتہ ان کے تاثرات مجھے یاد ہیں کہ وہ جناب عتیق اللہ صاحب کو ایک پیدائشی ولی، ایک باکرامت نوجوان اور ایک پاکباز اور سنجیدہ انسان سمجھتے تھے۔ مجھے اس بات کا بھی افسوس ہے کہ میں ان سے دوبارہ بلا وجہ جھجک کے باعث ملاقات نہ کر سکا۔

عتیق اللہ صاحب راولپنڈی کے اس تعلق کے بعد ہر رمضان میں راولپنڈی ہی تشریف لے جاتے اور اطمینان سے رمضان المبارک کی خیر و

Marfat.com

برکات سمیٹتے۔ سال کے باقی اوقات میں بھی ان کا قیام رتہ شریف میں کم ہی ہوتا۔ یا تو آپ مختلف علماء اور مدارس سے علمی استفادہ کرتے رہتے یا پھر نہایت مستقل مزاجی سے عبادت و ریاضت ، ذکر اذکار اور اوراد و وظائف میں اپنے آپ کو مصروف رکھتے۔

آپ اپنی عمر کے انیسویں سال میں آخری مرتبہ رمضان المبارک میں راولپنڈی تشریف لے گئے۔ اس مرتبہ راولپنڈی جان سے پہلے جب وہ اپنی چچی جان محترمہ کے پاس الوداعی ملاقات کیلئے حاضر ہوئے تو پریشان اور دل گرفتہ تھے۔ انتہائی بیزاری کی حالت میں کہنے لگے۔ چچی جان آپ دعا کریں میں گھر میں دوبارہ زندہ واپس نہ آؤں۔ چچی جان نے یہ بات سن کر دلاسہ دیتے ہوئے فرمایا، بیٹا ایسی بدشگونی کا بات منہ سے نہیں نکالا کرتے۔ زندگی میں دکھ اور پریشانیوں سے واسطہ تو رہتا ہی ہے، ہمت ہار جانا اچھی بات نہیں ہے۔ گردشیں سدا نہیں رہتیں۔ اللہ اچھے وقت کی امید رکھنی چاہئے۔ عتیق اللہ صاحب مستقبل کی تاریکیوں کا تصور لیے رتہ شریف سے روانہ ہو گئے۔

رمضان المبارک کا آغاز ہوا۔ مسلمان برکات خداوندی سمیٹنے لگے۔ عتیق اللہ صاحب کی تلاوت کلام پاک اندھیروں میں روشنی بکھیر رہی تھی۔ آپ کے مقتدی آپ کے لیے جذبات تشکر سے سراپا عقیدت تھے۔ رمضان المبارک کے جملہ لوازمات کے ساتھ آپ نے ستائیسویں شب کو قرآن پاک ختم کیا۔

آپ ختم قرآن پاک کے بعد ایک دن مزید رک گئے۔ افطار کے بعد مسجد کے خادم نے (جو کہ موضع سدوال کا رہنے والا تھا) بطور تواضع آپ کو

Marfat.com

سویاں پیش کیں اور دودھ کی لسی پلائی۔ یہ سویاں آپ کے لیے تیرِ قضا ہو گئیں۔ آپ کے پیٹ میں قولنج کی وجہ سے شدید درد اٹھا اور صبح سے پہلے آپ نے اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔

انا للہ و انا الیہ راجعون

بذریعہ تار رتہ شریف خبر پہنچائی گئی۔ آپ کے والد گرامی کیلئے یہ خبر بجلی گرنے کے مترادف تھی۔ آپ کے والد گرامی اور آپ کے چچا جان راولپنڈی کیلئے روانہ ہوئے۔ آپ کے والد گرامی نے تو بھون سے راولپنڈی جانے والی پہلی ریل پکڑ لی لیکن آپ کے چچا جان کسی سبب سے سوار نہ ہو سکے۔ اور انہیں دوپہر والی ٹرین کا مجبوراً انتظار کرنا پڑا۔ آپ کے چچا جان مفتی ثانی عطا محمدؒ جب دوپہر کی ٹرین سے ڈھڈیال پہنچے اور گاڑی سٹیشن پر رکی تو عین اسی وقت آپ کے بڑے بھائی اپنے جواں مرگ بیٹے کی میت کو لیکر بس میں کچی سڑک کے ذریعے ڈھڈیال پہنچ چکے تھے کہ انہوں نے بس کو رکوا کر سٹیشن کر صرف دو آدمیوں کو بھیجا کہ بھائی صاحب یقیناً اس گاڑی میں ہونگے، انہیں اتار کر لایا جائے اور وہ لوگ انہیں گاڑی سے اتار لائے۔ وہ بھی بس میں آبیٹھے۔ اور یہ سوگوار قافلہ رتہ شریف کو روانہ ہوا۔ رتہ شریف پہنچنے کے بعد ضروری امور سرانجام دے کر نمازِ جنازہ ادا کی گئی۔ گاؤں کے ہر آدمی نے آہوں اور سسکیوں کے ساتھ نمازِ جنازہ ادا کی۔ اور جناب عتیق اللہ صاحب کے جسد خاکی کو ان کے دادا جان کے پائنتی میں آسودۂ خاک کر دیا گیا:

ع   خوش درخشید ولے شعلہء مستعجل بود!

حضرت مرشد ثانی اپنے اس با صلاحیت بیٹے کی وفات کے بعد مرجھا

Marfat.com

کر رہ گئے کیونکہ یہی بیٹا دراصل ان کی امیدوں کا مرکز اور مستقبل کی روشنی دکھائی دے رہا تھا۔ حضرت قاری دین محمدؒ کے ہم عصر لوگوں سے متفقہ طور پر یہ بات سننے میں آئی کہ حافظ عتیق اللہ صاحب کی وفات کے بعد آپ کے اعصاب قریب قریب جواب دے گئے۔ درس وتدریس میں وہ جوش نہ رہا۔ طلباء کے معاملے میں سخت گیری جاتی رہی۔ گھریلو کام کاج اور زراعتی امور کی طرف دھیان کم ہو گیا۔ گھر کے افراد اور پورے ماحول پر آپ کی دھاک تھی جو خلل پذیر ہو گئی۔ چنانچہ آپ کے وہ شاگرد جنہوں نے اس سانحہ عظیم کے بعد آپ سے حفظ کیا، ان کی قرات و تجوید میں پختگی نہ آ سکی جس انداز کی مہارت حافظ عتیق اللہ صاحب اور ان کے ہم درس طلباء میں موجود تھی۔

عجیب بات یہ ہے کہ جناب حافظ عتیق اللہ صاحب کے جس جاننے والے سے بھی میں نے ان کے بارے میں دریافت کیا تو بلا تخصیص ہر شخص نے پہلے تو انھیں یاد کر کے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور پھر ان کی شخصیت کے اوصاف گننا شروع کیے۔ کسی خاص کرامت یا خوبی کا تذکرہ کیا یا نہ کیا لیکن یہ تاثر ضرور ظاہر کیا کہ جی ان جیسا باکمال اور پیدائشی ولی بھلا اور کون ہو گا:

ع جانے والے تجھے روئے گا زمانہ برسوں!

Marfat.com

ایسا کہاں سے لائیں کہ تجھ سا کہیں جسے

حضرت حافظ حکیم عبدالرزاق عبرت ہاشمی رحمتہ اللہ علیہ

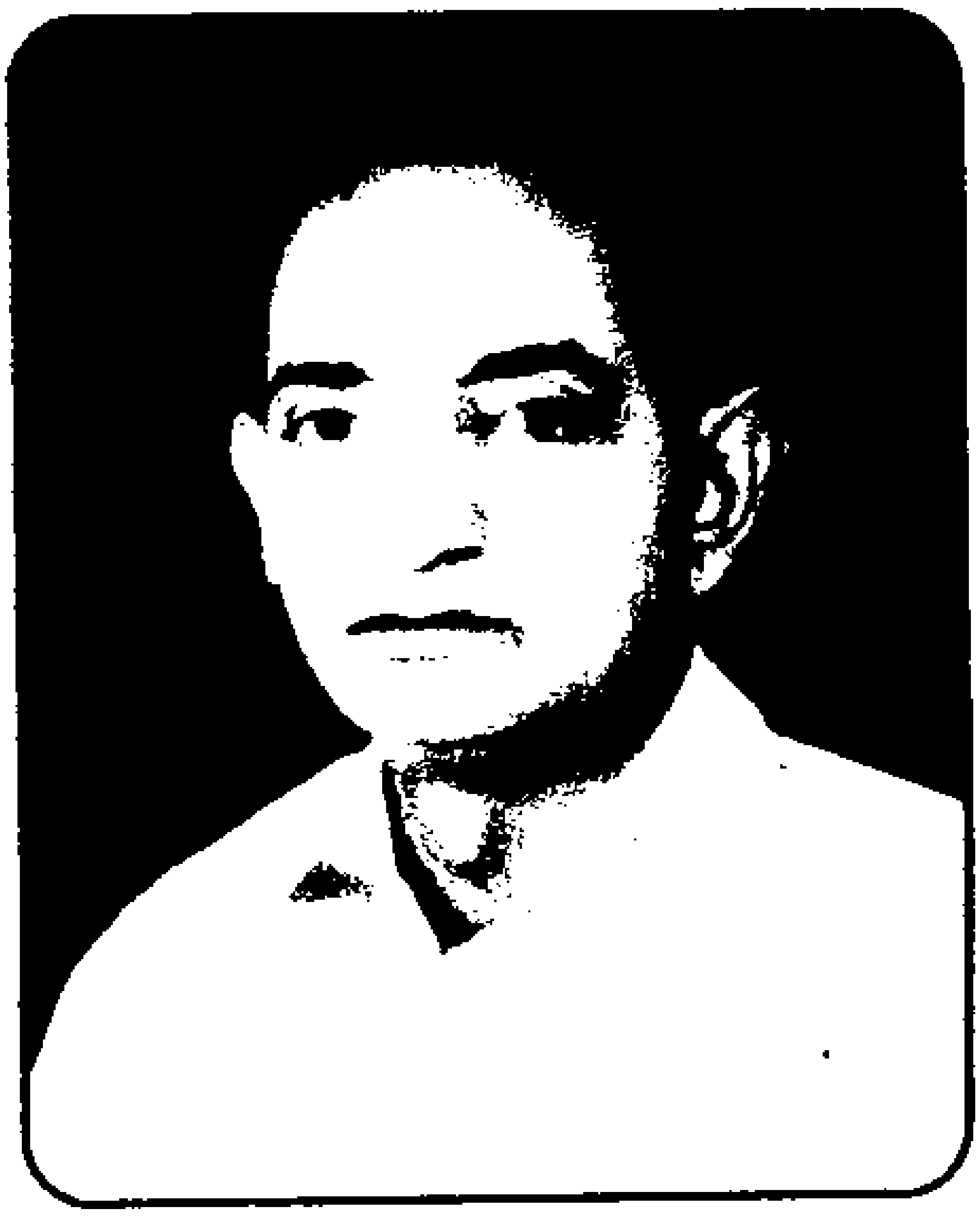

پیدائش ــــــــــ اگست 1908ء

وصال ــــــــ 18 مارچ 1980ء بروز منگل

عمر ــــــــــ 72 سال

Marfat.com

Marfat.com

جناب حافظ حکیم عبدالرزاق صاحب عبرت

سورج کا طلوع و غروب اور دنوں کا الٹ پھیر نظامِ کائنات کا ایک حصہ ہے ۔ کرہء ارض پر طلوع ہونے والا ہر دن ان گنت ہنگامے برپا کرنے کے بعد غروب ہوتے ہوئے بے شمار حوادث کو قصہء ماضی اور کچھ انمول نفوس کو تاریخ کا حصہ بنا دیتا ہے۔ اس باغِ ہستی میں کتنے ہی ایسے پھول خلا کے عالم میں پیدا فرمائے جن کی خوشبو ، رنگت اور لطافت دیکھ کر ہم کچھ اس طرح محوِ نظارہ ہو جاتے ہیں کہ نہ ان کی طرف سے نظر ہٹانا ممکن ہوتا ہے اور نہ ہی ان کے مرجھانے کا تصور ہی ہمارے ذہنوں میں راہ پا سکتا ہے۔ اگرچہ یہ ایک حقیقت ہے کہ جو پھول کھلا اس نے مرجھانا بھی ہے۔ ہماری نظر اس کے انجام پر ہو یا نہ ہو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

بالکل اسی طرح کچھ لوگ ایسی لافانی دلکشی اور ایسی بے پناہ جاذبیت لے کر اس صفحہ ہستی پر نمودار ہوتے ہیں کہ جن کی طرف سے بے توجہ ہونا اور ان کی جدائی کا تصور ہمارے دل و دماغ کو کسی صورت قابلِ قبول نہیں ہوتا۔

ایسی ہی شخصیتوں میں سے ایک نہایت ہی دل آویز شخصیت جس کا نام عبدالرزاق تھا اور جو عبرت ہاشمی کے نام سے معروف اور حکیم کے لقب سے مشہور ہوئی۔ 18 مارچ 1980 ء کا سورج اس کی زندگی کا آخری دن لے کر طلوع ہوا اور اس انمول ہستی کو غروب ہوتے ہوئے افق کے اس پار پہنچا گیا۔

مفتی ثانی حضرت عطا محمد کے گھر پہلا لڑکا اگست 1908ء میں پیدا

Marfat.com

ہوا۔ جس کا نام عبدالرزاق رکھا گیا۔زمانہ طفولیّت بڑی ہی چاہ اور لاڈ پیار میں بسر ہوا۔ خاندان کے دستور کے مطابق قرآنِ مجید کے حفظ کے لئے بچے کو مسجد کے مدرسہ میں حافظ عبدالکریمؒ کے پاس بھیجا گیا۔ اور بچے نے دوسرے طلباء کی نسبت بہت کم وقت میں قرآنِ کریم حفظ کر لیا۔ اب حافظ عبدالرزاق صاحب کو مزید تعلیم کے حصول کیلئے فارسی کتب کا آغاز کرایا گیا۔ حافظ صاحب نے " کریما" ، نامِ حق، پند نامہ عطار،تحفہ رسولیہ، گلستان، بوستان، زلیخا اور سکندر نامہ تک کتب پڑھ لیں۔ بلکہ یہ کہنا شاید زیادہ موزوں ہو کہ انہوں نے ان کتب کو جذب کر لیا۔ کیونکہ آپ عام طلباء کی روش سے ہٹ کر جو کچھ پڑھتے اسے اپنی فکرو نظر کا حصہ بنا لیتے اور یہ بات تو بلا خوفِ تردید کہی جا سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے پناہ ذکاوت ، فطانت اور حافظہ سے نوازا تھا۔

درسِ نظامی کی یہ کتب سیرت و کردار کی اعلیٰ مثالیں پیش کرتی ہیں جو لوگ ان نمونوں کو اپنا لیتے ہیں ان کی زندگیاں عوام کیلئے مشعلِ راہ بن جاتی ہیں لیکن اکثریت ان کتابوں کے اثرات کو علم تک ہی محدود رکھتی ہے، اپنے عمل اور کردار کا حصہ نہیں بناتی۔ حافظ صاحب اس اعلیٰ معیار کو ہر اہلِ علم آدمی کی زندگی کا حصہ دیکھنا چاہتے تھے ۔ یہ ان کے ذہن رسا کا اثر تھا یا فکری بلندی کا کرشمہ کہ آپ اپنی انتہا پسندانہ طبیعت کی وجہ سے اپنے ماحول میں کچھ اکھڑے اکھڑے سے رہنے لگے اور روایتی طور طریقوں میں اپنے آپ کو محدود رکھنا ان کے لئے مشکل ہو گیا۔

چنانچہ کچھ عرصہ کیلئے ان کا سلسلۂ تعلیم منقطع ہو گیا۔ اور پھر خوب تر

Marfat.com

روضہ شریف کا اندرونی منظر

Marfat.com

Marfat.com

کی تلاش میں آپ اپنے تایا زاد بھائی جناب حافظ عتیق اللہ صاحب کی معیت میں گھر سے ملتان کیلئے روانہ ہو گئے۔ آپ دراصل ملتان کے نواح میں موضع "گھوٹے" کی اسی درس گاہ میں داخلہ لینا چاہتے تھے جہاں سے آپ کے والدِ گرامی اپنے وقت میں صرف ونحو کی تعلیم مکمل کر چکے تھے۔ آپ کے دادا جان کے ایک مرید غلام نبی مرحوم جو ملتان میں بسلسلہ معاش قیام پذیر تھے نے مجھے بتایا کہ جس دن حافظ عبدالرزاق اور حافظ عتیق اللہ میرے پاس ملتان آئے اس سے ایک رات پہلے مجھے مفتی اعلیٰ خواب میں آئے اور دو پھول مجھے عنایت کیے ۔ دوسرے دن جب یہ دونوں بھائی پہنچے تو مجھے خواب کی تعبیر مل گئی۔ آپ دونوں موضع گھوٹے میں تعلیم حاصل کرنے لگے لیکن یہ سلسلہ تعلیم چار پانچ مہینوں سے آگے نہ بڑھ سکا۔ ایک وجہ تو یہ تھی کہ آپ تعلیمی رفتار سے مطمئن نہ تھے اور دوسری وجہ غالباً یہ ہوئی کہ آپ جس خصوصی توجہ کے گھر میں عادی تھے وہ توجہ وہاں مفقود تھی۔ حافظ عتیق اللہ صاحب اگرچہ سیماب فطرت نہ تھے لیکن بھائی کے بغیر ان کا وہاں رہنا ان کی بامروت طبیعت کے خلاف تھا چنانچہ آپ دونوں واپس رتہ شریف پہنچ گئے اس جواز کے ساتھ کہ اس معیار اور ڈھنگ کی تعلیم تو ہمیں گھر پر ہی حاصل ہے۔

آپ کے والدِ گرامی کا اندازِ تدریس ایسا تھا جس میں باقاعدگی اور تسلسل ممکن نہ تھا۔ مریدوں کی طرف سے دوروں کے تقاضے ، تقاریر اور مواعظ کی محفلوں میں شمولیت اور اپنے پیر خانہ کی تقاریب میں یا تقاریر میں شمولیت اور دوروں میں مرشد زادوں کی معیت یہ تمام مصروفیات اہلِ خانہ اور اولاد کی تعلیم وتربیت کی راہ میں حائل تھیں۔

Marfat.com

حافظ صاحبؒ والدِ گرامی کے معتقدین نواحی قصبہ بھون میں تھے۔ اپنا ایک مختصر سا مکان وسیع رقبے کے ساتھ موجود تھا۔ جہاں اہلِ خانہ کی آمدورفت رہتی تھی اور حافظ صاحب بھی اکثر اوقات وہیں قیام پذیر رہتے۔ یہ قصبہ اپنی کثیر آبادی کی وجہ سے ایک بارونق جگہ تھی۔ لیکن حافظ صاحب کیلئے یہاں پر ایک قباحت یہ تھی کہ یہاں شیعہ حضرات خاصی تعداد میں موجود تھے۔ ان کے طور طریقے عام مسلمانوں سے مختلف تھے اور یہ ایک اختلاف صرف عمل اور عبادات میں نہیں بلکہ عقائد اور نظریات میں بھی تھا۔ حافظ صاحب کو فطری طور پر یہ خواہش ہوئی کہ ان لوگوں سے راہ رسب رکھی جائے اور ان کے اعتقداد کا مطالعہ کیا جائے۔ چنانچہ میں نے ایک مرتبہ جب حافظ صاحب سے ان کے ذہنی سفر کے نشیب و فراز کے متعلق سوال کیا تو کہنے لگے کہ بھون آکر جب شیعہ حضرات سے میل جول پیدا ہوا تو میں کسی حد تک دین کی ہر بنیادی بات سے یا تو بیزار ہو گیا یا تزبذب کا شکار ہو گیا۔ جس کا سبب یہ تھا کہ شیعہ حضرات نے مجھے یہ باور کرا دیا تھا کہ حضور ﷺ کے اولیّن شاگرد (نعوذ باللہ) مخلص مومن نہ تھے۔ حافظ صاحب کہتے ہیں مجھے یہ خیال پیدا ہوا کہ جو دین اپنے سب سے پہلے ماننے والوں کو صاف نہ کر سکا اور جو نبیؐ اپنے قریب ترین ساتھیوں کی کامل تربیت نہ کر سکا (خاکم بدہن) آج ہماری کیسے رہنمائی اور اصلاح کرے گا (نعوذ باللہ)

اس کے بعد حافظ صاحب مذہبی رجحانات کو بالائے تاک رکھ کر گھر والوں کو بتائے بغیر ایک نامعلوم اور بے نشان منزل کی طرف روانہ ہوگئے۔ آپ کے دوست اور ہم راز صوفی نور محمد سدوالی آپ کے معاون اور ہم خیال

Marfat.com

تھے۔ لیکن ان کا تعاون صرف ایک پیرزادے کیلئے تھا۔ حافظ صاحب کے نظریات کا انہیں علم تھا نہ وہ اس ذہنی سطح کے آدمی تھے۔ صوفی صاحب مذکور نے مہینہ ڈیڑھ مہینہ اپنے پاس رکھا اور ایک سکول ٹیچر کے ذریعے ان چند چیزوں کی واقفیت اور مشق بہم پہنچائی جو سفر میں حافظ صاحب کیلئے مفید ہو سکتی تھیں۔ اس میں ریاضی کے چند قواعد بھی شامل تھے۔ حافظ صاحب سدوال سے روانہ ہو کر لاہور پہنچے وہاں ایک مسجد میں نماز ادا کرنے کے بعد متولی سے کہا کہ میں کسی بھی قسم کی نوکری کرنا چاہتا ہوں۔ متولی صاحب نے جواب دیا کہ آپ حافظ ہیں، کوئی موزوں نوکری تو میرے علم میں نہیں البتہ اگر آپ یہاں مسجد کی صفائی اور چٹائیاں بچھانے کا کام کرنا چاہیں تو آپ کو یہاں رکھا جا سکتا ہے۔ چار پانچ روپیہ مہینہ آپ کو دیا جائے گا۔ حافظ صاحب کو رہنے کیلئے دراصل ایک ٹھکانہ چاہیے تھا۔ آپ نے یہ پیشکش قبول کر لی اور ایک مہینہ تک اس خدمت کو سرانجام دیا کیونکہ حافظ صاحب کا مقصد نوکری کرنا نہ تھا بلکہ اس عارضی قیام سے وہ اپنی اگلی منزل تلاش کرنا چاہتے تھے اور ضروری معلومات حاصل کرنا چاہتے تھے چنانچہ آپ مشاہرہ وصول کرنے کے بعد لاہور سے دہلی روانہ ہو گئے۔

دراصل آپ اپنے لئے طبابت کا پیشہ منتخب کر چکے تھے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے مؤثر زبان عطا کی تھی۔ تعلقات پیدا کرنا یا بنانا آپ کیلئے کچھ مشکل کام نہ تھا۔ دہلی کی کئی ایک ادیبوں اور شعراء سے آپ کے نہایت اچھے مراسم پیدا ہو چکے تھے۔ مدیر رسالہ "نگار" نیاز فتح پوری سے آپ کو خصوصی محبت تھی جس کا سبب نیاز صاحب کی مذہب اور اہلِ مذہب پر تنقید اور مذاق

Marfat.com

اڑانا تھا۔

اس ذہنی بے راہ روی کا نام اس قبیلے کے لوگوں نے آزاد منشی رکھ چھوڑا تھا۔ نیاز صاحب لکھنو میں رہتے تھے۔ وہیں سے اپنا رسالہ نکالتے تھے۔ حافظ صاحب جو اب حکیم کے نام سے مشہور ہو چکے تھے ان سے ملنے اکثر لکھنو تشریف لے جاتے۔ جب حکیم صاحب نے طب کا امتحان پاس کر لیا تو نیاز فتح پوری صاحب نے رقعہ دے کر بمبئی (آج کل ممبئی) رئیس احمد جعفری صاحب کے پاس بھیج دیا اور ان کو تاکیداً لکھا کہ حکیم صاحب اپنا مطب کھولنا چاہتے ہیں آپ ان کی ہر طرح سے مدد کریں۔ حکیم صاحب بمبئی پہنچے، رئیس احمد جعفری صاحب سے ملاقات ہوئی، تفصیلی تعارف کے بعد انہوں نے حکیم صاحب کو ایک آدمی کے ساتھ وہاں کے مشہور ہوٹل تاج محل بھیج دیا۔ ہوٹل کا مالک رئیس صاحب کا گہرا دوست اور جانثار تھا۔ طے یہ ہوا کہ حکیم صاحب کے مطب قائم کرنے اور رہائش حاصل کرنے تک ان کا مسکن تاج محل ہوٹل ہی رہے گا اور قیام وطعام مفت ہو گا چند روز میں ہی رئیس صاحب نے بمبئی کے ایک سیٹھ کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ مطب کے قیام کیلئے وہ جملہ اخراجات برداشت کرے، جگہ منتخب کر لی گئی اور جس معیار کا مطب حکیم صاحب، رئیس صاحب کو مشورے سے کھولنا چاہتے تھے اس کے لئے خرچ کا تخمینہ اس زمانے میں لاکھ سوا لاکھ روپیہ تھا اور سیٹھ صاحب مذکور رقم بخوشی لگانے کیلئے تیار تھے۔ لیکن اس تیاری کے بعد حکیم صاحب اس منصوبے پر عمل درآمد کرنے میں دو وجہ سے ہچکچا رہے تھے ایک تو یہ تھی کہ حکیم صاحب کو نظر آرہا تھا کہ اس کام کو شروع کرنے کے بعد وہ بمبئی کے ہی ہو کر رہ جائیں

Marfat.com

گے اور اپنے علاقے اور ماحول سے رابطہ استوار رکھنا مشکل ہو جائے گا۔ جو کہ ان کی طبیعت کے لئے بھاری تھا دوسرے یہ کہ وہ مطب کی کامیابی اور ناکامی کے خدشات میں گھرے ہوئے تھے۔ اگرچہ انہوں نے علمِ طب کو علمی اور نظری طور پر تو حاصل کر لیا تھا مگر اس کے پیچھے مطلوبہ تجربہ اور مہارت نہ تھی۔ چنانچہ آپ نے فیصلہ کر لیا کہ گھر جا کر کسی مناسب جگہ پر گھر والوں کی اعانت سے مطب بنایا جائے اور فی الحال اس کام کو تجربے کیلئے محدود پیمانے پر شروع کیا جائے۔

چنانچہ حکیم صاحب نے رئیس صاحب سے اجازت لے لی اور یہ کہہ کر گھر آ گئے کہ میں گھر والوں کو بھی اس منصوبہ سے آگاہ کر کے اور اجازت لیکر واپس آ جاؤں گا۔ آپ گھر پہنچے، گھر والوں کو جملہ حالات سے آگاہ کیا، گھر والوں نے مطب کے کام میں کوئی خاص دلچسپی تو نہ لی، البتہ آپ کو شادی کے بندھن میں ضرور باندھ دیا۔

چنانچہ حکیم صاحب نے رئیس صاحب سے اجازت لی اور یہ کہہ کر گھر آ گئے کہ میں گھر والوں کو اس منصوبہ سے آگاہ کر کے اوراجازت لے کر آ جاؤں گا۔ آپ گھر پہنچے، گھر والوں کو جملہ حالات سے آگاہ کیا، گھر والوں نے مطب کے کام میں کوئی خاص دلچسپی تو نہ لی البتہ آپ کو شادی کے بندھن میں ضرور باندھ دیا۔ کچھ عرصہ تک آپ بغیر کسی مخصوص مطب کے لوگوں کا علاج معالجہ کرتے رہے۔ تھوڑے عرصے بعد علم طب میں مزید مہارت کے حصول کے لئے اس زمانے کے مشہور حکیم خادم علی سیالکوٹی کے پاس حاضر ہو گئے۔

Marfat.com

خادم علی صاحب صرف حکیم ہی نہ تھے وہ عالم بھی تھے اور صوفی بھی، شاعر بھی تھے۔ان کا وجود عوام کیلئے باعثِ رحمت تھا۔ وہ اردو اور فارسی کے بہترین ادیب اور شاعر بھی تھے۔ حکیم صاحب موصوف جب خادم علی صاحب سے ملے تو انہوں نے استاد کی صورت میں اپنے لیے ایک بہترین دوست دریافت کر لیا۔ اب حکیم خادم علی سیالکوٹی کی خدمات کے اعتراف میں ان کے نام سے سیالکوٹ شہر میں ایک سڑک بھی موسوم ہے۔ حکیم صاحب نے سیالکوٹ میں اپنے استاد کے ساتھ تقریباً اڑھائی تین سال گزارے اور علم طب میں خوب مہارت حاصل کی، طبیب کے اخلاق وکردار کو دیکھا اور جذب کیا۔ حکیم خادم علی نے آپ کے دل و دماغ پر اخلاق و کردار کے گہرے نقوش ثبت کیے اور ان کی ذات حکیم صاحب کیلئے تا حیات ایک مثالی شخصیت کے طور پر قلب و دماغ میں موجود رہی ۔ حکیم صاحب کہا کرتے تھے میرے سیالکوٹ پہنچنے کے بعد پہلے ہی دن میرے استا صاحب کو کسی مختصر سفر پر جانا تھا، مجھے ساتھ لے لیا اور ریل کے ڈبے میں لمبی سیٹ پر میری طرف پاؤں کر کے بیٹھ گئے، پھر اچانک پیروں کو سکیڑ لیا اور پوچھا کہ عزیزم تم حافظ ہو ! میں نے عرض کیا کہ جی ہاں! اس کے بعد ہمیشہ ایک حافظ کے طور پر میرا احترام قائم ہو گیا۔

سیالکوٹ سے حکیم خادم علیؒ نے آپ کو اس توقع کے ساتھ رخصت کیا کہ اب آپ انفرادی طور پر کسی سے مشورہ لیے بغیر طب کے امور سر انجام دے سکتے ہیں اپنا مطب بنائیں اور نہایت اعتماد کے ساتھ خدمت خلق کا آغاز کریں۔

Marfat.com

سیالکوٹ سے رخصت ہونے کے بعد حکیم صاحب کا ارادہ تھا کہ مطب موضع بھون میں قائم کیا جائے۔ آپ کے چند احباب نے بھرپور تعاون کیا۔ بھون والے گھر اور مسجد سے متصل جو جگہ آپ کے والدِ گرامی نے خریدی تھی وہاں ایک نہایت نفیس اور ہوادار کمرہ شفاء خانے کے لیے تعمیر کروایا جس کے شمال میں ایک خوبصورت برآمدہ بھی تھا۔ آپ کو آپ کے استاد محترم نے یہ نصیحت فرمائی تھی آپ جہاں بھی مطب بنائیں وہاں کے تمام اطباء اور حکماء کے ساتھ نہایت خوشگوار تعلقات قائم رکھنے کی کوشش کریں چنانچہ اس نصیحت پر آپ نے دل و جان سے عمل کیا۔ آپ کا طریقہ یہ تھا کہ مزمن مریضوں اور نازک امراض کے متعلق تجربہ کار حکیموں سے مشورہ لیتے اور ہر دوسرے تیسرے دن شام کو فارغ ہو کر مقامی حکیموں کو اپنے ہاں بلاتے، ایک طرح کی مجلس مشاورت قائم ہو جاتی اور ان مجالس کے نتیجہ میں تمام حکیموں سے نہایت گہرے مراسم بھی قائم رہتے۔ اس وقت حکیموں کی اکثریت غیر مسلموں کی تھی اور انگریزی طریقہ علاج اتنا مقبول بھی نہ تھا۔ اس لئے حکیموں کا آپس میں مل بیٹھنا، اپنی مشکلات کا اظہار کر کے اس کا حل نکلوا لینا مخلوقِ خدا کیلئے نہایت مفید ثابت ہو سکتا تھا۔ حکیم صاحب اپنی ذکاوت اور ذہانت کی بنا پر وسیع مطالعہ کے سبب اور کامل استاد کے شاگرد ہونے کی وجہ سے اور اپنے شاندار خاندانی پس منظر کی بناء پر تمام حکماء میں ممتاز ترین مقام رکھتے تھے۔

حکیم صاحب نہایت دلجمعی سے طبی امور سرانجام دے رہے تھے کہ آپ کی وسعتِ نظر اور آزاد منشی کا شہرہ سن کر چند ایسے مقامی پڑھے لکھے

Marfat.com

لوگوں نے آپ سے روابط قائم کرنا شروع کیۓ جن کی قربت نے ایک مرتبہ پھر آپ کے مزاج میں ہلچل پیدا کردی اور آپ کے پیشہ ورانہ معمولات درہم برہم ہو کر رہ گئے۔ ہوا یوں کہ ان جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں میں جناب افتخار صاحب مرحوم بھی شامل تھے جنہوں نے انگریز مشنریوں کی امداد سے ایم۔اے انگلش کیا تھا۔ اور انگریزوں کے اسلام دشمن پراپیگنڈہ سے بے حد متاثر تھے۔وہ وقت انگریزوں کے عروج کا تھا اور انگریزیوں کے ٹھاٹھ باٹھ سے ناپختہ زہن متاثر بھی تھے اور مرعوب بھی اورانگریزوں کے مختلف مشنری اداروں کا صرف ایک ہی مشن تھا کہ کوشش کی جائے کہ لوگ عیسائیت قبول کر لیں اور اگر یہ ممکن نہ ہوتو کم از کم مسلمان ،مسلمان نہ رہیں اور ہندو ، ہندو نہ رہیں۔اور میری معلومات کے مطابق تعلیم یافتہ لوگوں کا انبوہ کثیر اس حالت میں گرفتار ہو بھی چکا تھا کہ عیسائیت تو قبول نہ تھی لیکن اسلام سے رغبت بھی باقی نہ رہی۔بلکہ کسی حد تک بیزاری آ گئی۔ انگریزوں کا یہ دورِ حکومت دوسری جنگِ عظیم تک متشککین پیدا کرنے میں بہت کامیاب رہا۔

جناب افتخار صاحب موصوف انگلش کتب لے کر آتے اور حکیم صاحب کو وہ اقتسابات نہایت آزاد ترجمہ کے ساتھ سناتے جن میں اسلام کی معروف شخصیات کے کردار پر رکیک حملے ہوتے یا جن میں اسلام کے مبادیات کا مذاق اڑایا گیا ہوتا ۔ اس کے ساتھ ساتھ افتخار صاحب مذکورعام مرعوب مسلمانوں کی طرح انگریزوں کے اوصاف وکمالات کا اور ان کی انسانی خدمات کا نہایت محبت سے تذکرہ کرتے۔

حکیم صاحب کچھ تو پہلے ہی مذہبی نقطہ نظر سے تذبذب کا شکار تھے۔

Marfat.com

اب عیسائیت کے متعلق ان کی تازہ معلومات نے ان کے دل میں ایک خاص رجحان پیدا کر دیا۔ دو اڑھائی سال کی محنت کے بعد افتخار صاحب حکیم صاحب کو راولپنڈی راجہ بازار چوک سے متصل چرچ میں لے جانے میں کامیاب ہو گئے۔ وہاں حکیم صاحب نے پادری صاحب کے ہاتھ پر بپتسمہ لیا اور عیسائیت قبول کر لی۔

حکیم صاحب کے نزدیک ان کی سادہ لوحی کی بناء پر عیسائیت قبول کرنا قطعی طور پر ان کا ایک نجی معاملہ تھا لیکن حقیقت یہ تھی کہ آپ کے والدِ گرامی حضرت مفتی عطاء محمدؒ علاقے کے ایک بہت بڑے عالم، دل آویز مقرر اور ممتاز پیرو مرشد تھے اور ان کا یہ مرتبہ و مقام مخالفین کی نظر میں بری طرح کھٹکتا تھا۔چنانچہ جس دن حکیم صاحب نے بپتسمہ لیا اسی رات یہ خبر پورے علاقے میں پھیل گئی اور دوسرے ہی دن جلی سرخیوں کے ساتھ اخبارات میں بھی شائع ہو گئی کہ ایک ممتاز مفتی اسلام کے بیٹے نے عیسائیت قبول کر لی ہے۔اور یہ گویاعیسائیت کی حقانیت کی دلیل ہے۔ اس خبر کا مفتی صاحب کے عقیدت مندوں میں شدید ردِ عمل پیدا ہوا جس کے متعلق خبریں پنڈی بھی پہنچیں۔ کسی ممکنہ خطرے سے بچنے کیلئے حکیم صاحب کو الہ آباد بھیج دیا گیا جہاں عیسائیت کی تعلیم کا ایک مرکزی ادارہ تھا اور پادری کو بھی کسی دوسرے مقام پر منتقل کر دیا گیا۔

حکیم صاحب نے قبولِ عیسائیت کو جتنا ہلکا کام سمجھ رکھا تھا ویسا ثابت نہ ہوا۔دن بدن زندگی کا کہ موڑ ایک سنجیدہ رخ اختیار کرتا گیا ۔عیسائیت کے کار پر دازوں کو یہ اندیشہ لاحق ہو گیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ حکیم

Marfat.com

صاحب دوبارہ مذہبِ اسلام کی آغوش میں پہنچ جائیں۔انہوں نے آپ کو اپنے آبائی ماحول سے دور رکھنے کی مسلسل کوششیں جاری رکھی دوسری طرف قاضی غلام مہدی چکوالیؒ جیسے زیرک ، موثر اور ہمدرد انسان جو حکیم صاحب کے تایا زاد بہن کے شوہر تھے، ہر مہینے ملاقات کے لئے الہ آباد جا پہنچتے۔ حکیم صاحب کو والدین اور دوسرے متعلقین کے جذبات اور دکھ سے متعلق اطلاعات بہم پہنچاتے اور اپنے علم کے مطابق اس عیسائیت کا بودا پن ان پر ظاہر کرتے۔ چند گھنٹوں کی ملاقات کے بعد واپس چل پڑتے اور ان کی ہمت کا یہ عالم تھا کہ اتنے طویل سفر کے بعد چکوال میں قدرے دم لے کر بھون جاتے اور وہاں سے پیدل رتہ شریف جا کر حکیم صاحب کی والدہ ماجدہ کو ان کی خیریت کی خبر دیتے اور یہ تسلی بھی کہ آپ فکر مند نہ ہوں حکیم صاحب عیسائیت کی تحقیق کیلئے عارضی طور پر ان کے ہاں گئے ہیں۔ جلد ہی واپس آ جائیں گے۔

اتفاق کی بات یہ ہے کہ ان ہی دنوں الہ آباد کی قادیانی جماعت کو حکیم صاحب کے متعلق خبر ہو گئی کہ انہوں نے اسلام کو چھوڑ کر عیسائیت کو قبول کر لیا ہے۔ قادیانیوں کا عیسائیت سے ایک قدرتی رشتہ بھی ہے اور فطری رقابت بھی ۔کیونکہ مرزا قادیانی آنجہانی کو اپنے آپ کو بہت کچھ ثابت کرنے کے ساتھ ساتھ یسوع مسیح منوانے کا بھی شوق تھا۔ اس خواہش کو پورا کرنے کیلئے اس نے حضرت عیسیٰ کا لباس اپنے قامت پر سجانے کو کوشش کی تا کہ عیسائی دنیا میں قابلِ قبول ہو جاؤں اور ان کے حالاتِ زندگی میں اس غرض سے کاٹ چھانٹ کی تا کہ خود کو یسوع مسیح منوانے میں کوئی رکاوٹ باقی نہ

Marfat.com

رہے۔ لیکن اس قطع و برید نے مرزا صاحب کو عیسائیت کا رقیب بنا دیا۔ چنانچہ اس پہلو پر قادیانیوں نے اچھا خاصہ لٹریچر تیار کر لیا اور وہ لٹریچر قادیانی نے حکیم صاحب کو فراہم کرنا شروع کیا جس سے دینِ عیسائیت کا پا در ہوا ہونا ثابت ہوتا تھا۔

حکیم صاحب سے قادیانیوں کے مراسم کا یہ اثر تو نہ ہوا کہ وہ قادیانیت سے متاثر ہوتے البتہ یہ فائدہ ضرور ہوا کہ حکیم صاحب کو بہت زیادہ تحقیق کے بعد عیسائیت کی جو کمزوریاں معلوم ہوسکتی تھیں وہ ساری کی ساری چند اوراق کی صورت میں ان کے سامنے آ گئیں۔

الہ آباد کا یہ پادری سازی کا ادارہ برصغیر میں مرکزی مقام کا حامل تھا۔ دور دراز کے گرجاؤں میں یہیں سے پادری ارسال کئے جاتے تھے۔ حکیم صاحب کو ہاسٹل کا ایک الگ کمرہ ملا ہوا تھا۔ وہ باقاعدگی سے کلاس لیتے تھے اور تعلیمی مصروفیات کے بعد شہر کے ممتاز تعلیم یافتہ لوگوں سے میل رکھتے تھے۔ زیادہ تر آپ کی محفل میاں مقصود علی خان صاحب سے رہتی جو کہ ایم ایل سی (ممبر آف لیجسلیٹو کونسل) تھے۔

حکیم صاحب اسلام کے متعلق جن بے سروپا باتوں کو سن کر ذہنی انتشار کا شکار ہوئے تھے اس سے کہیں زیادہ بے اثر بے حقیقت واقعات عیسائیت میں موجود تھے۔ اگرچہ وہ شب و روز تو ان کے معمولات کے مطابق بسر کر رہے تھے لیکن عیسائیت میں ان کے لئے کوئی کشش باقی نہ تھی۔ البتہ ان کا یہ پروگرام تھا کہ تین سالہ کورس کے بعد مستقل طور پر مستقبل کیلئے لائحہ عمل ترتیب دوں گا۔ لیکن ابھی ڈیڑھ سال ہی گزرا تھا کہ آپ کے ٹیچرز اور کلاس

Marfat.com

فیلوز کو یہ شک رہنے لگا کہ حکیم صاحب مسلمانوں اور قادیانیوں سے رغابت رکھتے ہیں اور کلاسوں کے علاوہ ہمارے ساتھ زیادہ میل جول نہیں رکھتے۔ انہیں محسوس ہوا کہ یہ اندر سے عیسائی نہیں بلکہ مسلمان ہیں۔حکیم صاحب ان کے شبہات سے بے خبر تھے۔چنانچہ ایک دن ایسا ہوا کہ تمام پادری طلباء نے ایک ٹی پارٹی کا اہتمام کیا اور حکیم صاحب کو اصرار کے ساتھ شمولیت کی دعوت دی حکیم صاحب نے مجھ سے اس پارٹی کا حال یوں بیان کیا کہ " میں ساتھیوں کے ارادے سے بالکل بے خبر تھا۔عصر کے وقت وسیع و عریض لان میں ایک بڑے دائرے میں چائے پینے کیلئے ہم سب کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے کہ سب ساتھیوں نے عجیب قسم کی الٹی سیدھی باتیں شروع کر دیں۔کبھی اسلام کی کسی بات کا مذاق اڑا رہے ہیں، کبھی کسی مذہبی شخصیت کی تضحیک کر رہے ہیں۔ میں خاموشی سے سب کچھ سن رہا تھا حتیٰ کہ ایک پادری طالبعلم نے حضورﷺ کے متعلق نازیبا کلمات کہنا شروع کر دیئے۔ حد یہ کہ ایک پادری یہ کہنے لگا کہ نعوذ باللہ محمدﷺ ایک عیاش انسان تھے(نقل کفر،کفر نہ باشد) جب حضورﷺ کے متعلق میں نے یہ الفاظ سنے تو خون کھول اٹھا میں نے سکوت توڑتے ہوئے کہا کہ آپ سب لوگ پادری بن رہے ہیں لیکن آپ کو بات کرنے کی تمیز نہیں، آپ کو اس بات کا علم ہے اور اس کا احساس ہونا چاہیے کہ میں ہاشمی ہوں اور میرا حضور نبی کریمﷺ سے نسبی تعلق بھی ہے۔بے شک میں مسلمان نہیں ہوں لیکن میرے سامنے اس طرح کی بے ہودہ باتوں سے آپ کو پرہیز کرنا چاہیے اور دوسرے یہ کہ انسان دوسروں کے گھر میں پتھر تب پھینکے جب وہ شیشے کے گھر میں نہ بیٹھا ہو تم لوگ

Marfat.com

رسولِ اکرم ﷺ کی گیارہ شادیوں پر اعتراض کرتے ہو جب کہ تمہارے پیغمبر داؤدؑ نے سو شادیاں کیں۔ ان کی عیاشی (نعوذ باللہ) تمہیں نظر نہیں آتی۔" اس کے بعد میں نے جتنی کمزوریاں انکی اب تک دیکھی تھیں سب کو ایک ایک کر کے ان کے سامنے رکھا اور آخر میں ،میں نے کہا کہ میں آپ کی عیسائیت کے اس علمی ذخیرے اور آپ کی اس فکرو دانش کی حالت پر لعنت بھیجتا ہوں۔ میں وہاں سے اٹھا اور اپنے کمرے میں گیا، اپنا مختصر سا سامان سمیٹا یا بیگ میں رکھا اور بیگ اٹھا کر میاں مقصود علی خان کے گھر جا پہنچا۔ دوسرے دن جمعہ تھا اور میں نے نماز کے بعد جامع مسجد الہ آباد میں اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دیا اور میاں مقصود علی خان صاحب نے یہ خبر تمام اخباروں کو بھیج دی۔

حکیم صاحب نے یہ واقع جب مجھے سنایا تو بے اختیار میرے منہ سے یہ کلمات ادا ہوئے کہ حکیم صاحب آپ جو کچھ بھی ہیں ، جیسے بھی ہیں لیکن حضور نبی کریم ﷺ کی توہین برداشت نہ کر کے آپ نے اپنے اوپر جنت واجب کر لی ہے(واللہ اعلم بالصواب) اللہ مجھے معاف فرمائے۔

قارئین آپ اس واقعہ سے یہ نتیجہ اخذ نہ کریں کہ حکیم صاحب اس طرح کی باتوں کو عام بیان کرتے ہوں گے اور لوگوں کے دلوں میں اپنے لئے کوئی قابلِ احترام مقام بنانا چاہتے ہوں گے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ میں نے بھی یہ واقعہ ان کی زبانی صرف ایک مرتبہ تب سنا جب ان کے حالات کو اصرار کر کے تفصیلاً معلوم کرنے کی کوشش کی ۔ ورنہ ان کی عادت یہ تھی کہ وہ اپنے عیبوں کا اظہار بار بار کرتے اور کسی نیک کام کا ذکر تک زبان پر نہ

Marfat.com

لاتے۔

بہر حال آپ کے قبولِ اسلام کی خبر اخبارات کے ذریعے ہر جگہ پہنچ چکی تھی آپ کو واپس گھر لانے قاضی غلام مہدی صاحبؒ دو چار ساتھیوں سمیت الہ آباد پہنچ گئے اور حکیم صاحب کو لیکر چکوال آئے اور چکوال سے ایک جماعت کی شکل میں رتہ شریف پہنچے،تمام عزیز و اقارب اور معتقدین اور مریدین میں خوشی ایک لہر دوڑ گئی ،ہر طرف سے مبارک بادیں پیش ہوئیں ۔آپ کے تایا جان کی مسرت ظاہر و باہر تھی۔البتہ آپ کے والد گرامی قدر حکیم صاحب کی قبولیت عیسائیت کا داغ اپنے لوحِ دل سے مٹا نہ سکے تھے۔ خوشی تھی مگر کسی حد تک غم آمیز۔

حکیم صاحب نے مجھے بتایا کہ جس پادری نے مجھے بپتسمہ دیا تھا اسے بڑی فکر تھی اور بار بار یہ کہتا کہ دوبارہ اسلام قبول نہ کرنا ورنہ میں مر جاؤں گا۔حکیم صاحب کہنے لگے کہ جب میرے قبول اسلام کی خبر اس پادری کو ملی تو اسے واقعی ہارٹ اٹیک ہوگیا اور وہ مر گیا۔

اس زمانے میں تلاشِ معاش کیلئے تگ ودو کی یہ سرگرمیاں نہ تھیں جو آج کل دکھائی دیتی ہیں اور نہ نفسا نفسی کا یہ عالم ہی تھا۔گھر کا ایک فرد بھی کام میں لگا ہوتا تو سبھی افراد خانہ سادہ اور سستی خوراک اور لباس پر قناعت کیے رہتے۔ پردیس کی پوری پر گھر کی آدھی چپاتی کو ترجیح دیتے۔حکیم صاحب کو والد ماجد کی موجودگی میں نہ کسی قسم کی معاشی فکر تھی اور نہ کسی بات کی کوئی ذمہ داری ان پر عائد تھی۔چنانچہ لیل و نہار کی گردش جاری رہی اور حکیم صاحب کو اگر فکر تھی تو یہ کہ ان سے جو قبولیت عیسائیت کا غلط کام ہوا ہے اسکی

Marfat.com

تلافی کیسے ہو؟

الہ آباد کے قیام نے حکیم صاحب کو اناجیل اربعہ کا حافظ تو بنا ہی دیا تھا۔ انجیلوں کے سارے ابواب اور آیات ان کو ازبر تھیں اور ساری کمزور اور قابل اعتراض باتیں ان کے ذہن پر نقش تھی ۔ایک سال تک وہ اپنے خیالات کو مجتمع کرتے رہے اور عیسائیت کے رداور اسکی تغلیط کیلئے ایک سولہ صفحوں کا پمفلٹ تیار کیا جس کی عبارات اور مندرجات عیسائیت کا مطالعہ رکھنے والوں کیلئے نہایت زہریلے اور دلدوز تھے۔ان کی تحریر کی چبھن وہی لوگ محسوس کر سکتے ہیں جو عیسائی لٹریچر سے واقف ہیں۔اس مختصر سے رسالے کی نوک پلک کرنے کے بعد حکیم صاحب پنڈی گئے لیکن کسی بھی مسلمان چھاپہ خانہ کا مالک اس رسالے کو چھاپنے پر راضی نہ ہوا۔حکیم صاحب سخت مایوس ہوئے۔کہتے تھے کہ میں ناامیدی کی حالت میں راجہ بازار کے قریب دکان کے ایک تھڑے پر سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔اس مشکل صورتحال سے نکلنے کیلئے کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔میں بے اختیار سرور کونین ﷺ کی طرف متوجہ ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں نے جو کچھ لکھا ہے صرف آپ کی خاطر لکھا ہے۔یہ پادری آپ کے بارے میں بکواسات کرتے ہیں اور میں جواب میں ان کو بے نقط سنا کر اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتا ہوں۔اگرچہ مجھے اس میں جان کا خطرہ درپیش ہے اسلئے کہ انگریزوں کی حکومت ہے اور یہ پادری حکومت کے پالتو ہیں کچھ بھی کر سکتے ہیں ۔اگر آپ کو یہ بات پسند نہیں ہے تو پھر ٹھیک ہے میں رسالہ کی طباعت کا خیال چھوڑ کر واپس چلا جاتا ہوں۔

حکیم صاحب یہ کہا کرتے تھے کہ یہ باتیں میں نے بڑبڑاہٹ کی

Marfat.com

کیفیت میں کہیں اور اٹھ کھڑا ہوا۔ سامنے ہی مجھے ایک ہندو کا پریس نظر آیا، میں بلا سوچے سمجھے اس کے اندر چلا گیا، پریس کے مالک سے بات کی، اس سے پانچ سو کاپیاں چھاپنے کیلئے کہا جن کے اس نے دو سوا دو سے روپے طلب کئے ۔میں نے پیسے ادا کئے اور پریس کے مالک نے بغیر کسی تامل کے رسالے کا مسودہ رکھ لیا اور تین دن بعد یہ رسالہ جسکا نام " بھونچال برلشکر دجّال" تھا، لے جانے کا وقت دے دیا۔حکیم صاحب فرمایا کرتے تھے کہ یہ صرف حضور ﷺ کی نگاہ کرم تھی کہ اتنی آسانی سے اس ہندو پریس والے نے رسالے کی طباعت کی حامی بھر لی ورنہ مجھے یہ ہرگز توقع نہ تھی کہ جو کام مسلمان بھائیوں نے نہ کیا ایک غیر مسلم کیسے کرے گا۔

حکیم صاحب یہ رسالہ لائے اور ساڑھے چار سو کاپیاں متحدہ ہندوستان کے اہم عیسائی شخصیتوں، گرجاؤں اور بڑے بڑے پادریوں کے نام ایک ہی رات میں پوسٹ کر دیں۔ ایک ہفتہ مین ہندوستان کی پوری عیسائی دنیا میں حکیم صاحب کے خلاف ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ اخبارات میں رسالہ بھونچال کے مصنف کو سخت سزا دلوانے کے مطالبے ہونے لگے پادریوں کا دکھ ان کے لئے سخت ناقابلِ برداشت تھا حکیم صاحب کے خلاف لاہور ہائی کور ٹ میں مقدمہ قائم ہو گیا اور پریس کی ضبطی کے احکامات جاری ہو گئے۔ پریس کے مالک کے پاس جب پولیس پہنچی تو اس ہندو لالے کو جان کے لالے پڑ گئے۔ عجیب اتفاق یہ تھا کہ پریس کے مالک نے حکیم صاحب سے کسی جگہ بھونچال کا مسودہ چھاپنے کیلئے دستخط نہ لئے تھے جس کی بناء پر کیس کا سارا وزن پریس پر آ رہا تھا۔ پریس کی ضبطی یقینی تھی۔ اس صورتحال میں

Marfat.com

پریس کا مالک حکیم صاحب کا پتہ پوچھتے پچھاتے بھون پہنچا اور وہاں سے پیدل رتہ شریف کی طرف روانہ ہوا۔ حکیم صاحب رتہ سے بھون آ رہے تھے۔ جب " وٹالی" کے مقام پر پہنچے تو انہیں لالہ جی پریشان حال، پسینہ میں شرابور آتے دکھائی دیے۔ حکیم صاحب نے لالہ جی کو آداب عرض کیا اور انہوں نے نمستے سے جواب دے کر اپنا رونا شروع کی اکہ جناب میں نے بھونچال کی بطاعت کے لئے آپ سے سکتخط نہیں لئے تھے، پولیس میرے پیچھے پڑی ہوئی ہے۔ میرا کارخانہ ضبط ہو جائے گا۔ میرے چھوٹے چھوٹے بچے بھوکوں مرجائیں گے۔ حکیم صاحب نے تسلی سے لالہ جی کی باتیں سنیں اور ہاتھ بڑھا کر ان سے رجسٹر لیتے ہوئے کہا کہ لالہ جی پریشان مت ہوں۔ لائیں دستخط کہاں کرنے ہیں؟ میں کردیتا ہوں۔ میں نے یہ رسالہ اپنے آپ کو بچانے کیلئے نہیں بلکہ خود کو مصیبت میں ڈالنے کیلئے لکھا ہے۔ آپ کیوں پریشان ہوتے ہیں؟ جو کچھ ہوگا میں خود بھگتوں گا۔ لالہ جی نے دستخط لئے اور رام بھلی کرے کہہ کر سکھ کا سانس لیتے ہوئے واپس ہو گئے۔

حکیم صاحب بھون سے واپس ہوئے اور گرفتاری دینے کیلئے تمام انتظامات مکمل کر کے کسی بھی وقت پولیس کے آ دھمکنے کا انتظار کرنے لگے۔ دو دن بعد ہی جہلم ڈسٹرکٹ کا ایس پی پولیس کی بھاری نفری کے ساتھ گھوڑوں پر سوار ہو کر رتہ شریف جا پہنچا۔ پولیس کی کثیر تعداد اس شبہ کی بنا پر لے جانا ضروری سمجھی گئی کہ عیسائیوں کے خیال میں یہ عیسائیت کی تذلیل کسی فرد واحد کا کام نہیں ہو سکتا ۔یقیناً کسی مسلمان گروہ کی سازش ہو گی یا حضرت مفتی صاحب کے مریدوں کا منصوبہ ہو گا اور گرفتاری کے سلسلے میں پولیس والوں کو

Marfat.com

مزاحمت کی فکر تھی۔اہل رتہ شریف نے پولیس اور گھڑ سواروں کی یہ کثرت دیکھی تو ڈر کے مارے سہم گئے۔حکیم صاحب کو بلایا گیا،ایس پی کہنے لگا ہم نے گھر کی تلاشی لینی ہے،آپ نے سخت دل آزار کتاب لکھی ہے۔حکیم صاحب نے ایس پی کو نہایت پر اعتماد لہجے میں کہا اگر آپ کے پاس گرفتاری کے وارنٹ ہیں تو میں گرفتاری کے لئے تیار ہوں لیکن تلاشی لینے سے پہلے مجھے آپکی تلاشی لینا ہو گی ۔چنانچہ حکیم صاحب نے ایس پی صاحب کو گھوڑے سے نیچے اتر نے کیلئے کہا اور کہا کہ آپ اپنے بوٹ اور جرابیں اتاریں۔حکیم صاحب نے ایس پی کے کپڑوں اور جیبوں کا اچھی طرح معائنہ کیا۔ تلاشی لینے کے بعد کہا کہ اب آپ تلاشی لے سکتے ہیں۔پولیس والوں نے گھر کی تلاشی لی،کچھ نہ ملا ۔کسی جماعت یا گروہ کا کام تو تھا نہیں کہ کچھ کاغذات ہاتھ لگتے ،صرف بھونچال کی کاپیاں وہ اپنے قبضے میں لے سکتے تھے۔لیکن وہ بھی حکیم صاحب نے کچھ دوستوں کو دے دی تھیں ۔باقی ماندہ کچھ نسخے مسجد کی ڈیوڑھی کے شہیتر کے اوپر چھپا دیئے تھے جہاں پولیس والوں کو دیکھنے کا خیال تک نہ ہوا۔

حکیم صاحب کو جہلم جیل میں رکھا گیا۔جہلم کے وکلاء نے جناب عنایت اللہ صاحب کی سرکردگی میں **20** وکلاء کا ایک پینل قائم کیا۔حکیم صاحب سے دستخط لیے اور مفت کیس لڑنے کا فیصلہ کیا۔چھ ماہ تک ہائی کورٹ کے ایک سکھ جسٹس کے ہاں مقدمہ چلتا رہا۔عیسائی وکلاء کو بیشتر جوابات حکیم صاحب خود ہی دیا کرتے۔چھ ماہ کے بعد جناب عنایت اللہ صاحبؒ نے حکیم صاحب سے کہا کہ ہمیں اپنا کیس انگریز جسٹس کے ہاں لیجانے کی درخواست

Marfat.com

کرنی پڑے گی کیونکہ وہ انصاف کے مطابق فیصلہ کرے گا۔اگرچہ مقدمہ میں کوئی جان نہیں ہے لیکن یہ سکھ انگریز حکمانوں کو خوش کرنے کیلئے آپ کو بلا وجہ سزا دے ڈالے گا۔

مقدمہ انگریز جسٹس کے پاس چلا گیا۔ اس نے غلط سلط اردو میں حکیم صاحب سے خود سوال کیے ۔حکیم صاحب نے جواب میں کہا کہ میں نے پادریوں یا عیسٰیؑ کے متعلق جو کچھ کہا ہے وہ ساری باتیں عیسائی کتب سے لیکر یہاں جمع کیں ہیں ،ایک لفظ بھی میں نے اپنی طرف سے نہیں لکھا ۔جسٹس صاحب عیسائی وکیلوں سے پوچھنے لگا کہ یہ ٹھیک کہتا ہے کہ عیسائی کتابوں میں یہ بات ہے۔عیسائی کہنے لگے جی ہاں یہ بات ہے ۔جسٹس کہنے لگا کہ پھر اس کو کیوں پکڑتا ہے؟اُس کو پکڑو جس نے یہ بات پہلے لکھا۔

چنانچہ حکیم صاحب رہا ہوئے اور فاتح عیسائیت بن کر گھر لوٹے۔میں نے ایک دن حکیم صاحب سے پوچھا کہ آپکو ایس پی کی تلاشی لینے کی کیا سوجھی جبکہ اس کے بگڑنے کی وجہ سے حالات خراب بھی ہو سکتے تھے۔حکیم صاحب کہنے لگے کہ میں نے مولانا ظفرعلی خان کی کتاب 'میری عنیک' پڑھ رکھی تھی اور مجھے پولیس کے اختیارات کا اور ان سے معاملہ کرنے کا اچھی طرح سے علم تھا ۔ورنہ ایسی جرات ایک عام آدمی کے لئے تو مشکل ہے۔

حکیم صاحب اس لحاظ سے خوش قسمت انسان تھے کہ اپنے والدین کی موجودگی میں اپنے بیوی بچوں کی ضروریات کی طرف سے جارغ البال تھے۔ہر طرح کی کفالت اور دیکھ بھال حکیم صاحب کی والدہ ماجدہ کی نگرانی میں ہو رہی تھی۔شاید یہی سبب ہے کہ شادی کا بندھن حکیم صاحب کیلئے

Marfat.com

پاؤں کی بیڑی کبھی ثابت نہ ہوا۔ اور وہ نہایت آزادی سے اپنے تمام شوق پورے کرتے رہے۔ سفر ان کیلئے تفریح تھا اور کتابوں کا مطالعہ ان کے ذہن کی خوراک۔ جہاں دل چاہا وہاں جا پہنچے۔جس بڑے ادیب، شاعر یا خطیب اور عالم سے جی چاہا جا ملے ، باتیں کیں، کریدا اور پھر بحث کر کے سب کچھ فضا میں تحلیل کر دیا۔

ایک مرتبہ پھر نئے سرے سے حکیم صاحب نے شعبہ حکمت کا آغاز کیا۔حکیم صاحب کا تعارف پہلے سے تھا۔ مریضوں کی آمدورفت شروع ہو گئی لیکن اب وہ پہلے کی سی جمعیت خاطر نہ تھی۔ دوسری جنگ عظیم کے نتیجے میں آزادی کی تحریکیں سر اٹھا رہی تھیں۔ مسلمان شعراء اور علماء نے ماحول کو گرما رکھا تھا۔ ان دنوں سید عطاءاللہ شاہ بخاریؒ کا فنِ خطابت کے لحاظ سے برصغیر میں ڈنکا بج رہا تھا۔حکیم صاحب کو خیال ہوا کہ بخاری صاحب کو بھون تقریر لئے بلایا جائے۔ چنانچہ حکیم صاحب بخاری صاحب کو دعوت دینے کیلئے جماعت احرار کے مرکزی دفتر جا پہنچے۔ چوہدری افضل حق صاحب احرار کے امیر تھے اور بخاری صاحب عام کارکن۔ حکیم صاحب نے چوہدری صاحب سے بخاری صاحب کی تقریر کیلئے تاریخ مانگی۔ چوہدری صاحب کہنے لگے بخاری صاحب فارغ نہیں۔ آپ قاضی احسان احمد شجاع آبادی کو لے جائیں۔حکیم صاحب کہنے لگے کہ نہیں قاضی صاحب کی آواز سریلی نہیں ہے اس واسطے مجھے تو بخاری صاحب کو ہی لے کر جانا ہے۔ چوہدری صاحب بگڑ گئے اور کہنے لگے کہ اگر آواز سننی ہے تو پھر ہیرا منڈی سے کسی کنجری کو لے جائیں ۔حکیم صاحب نے جواب دیا مجھے ہیرا منڈی کی کنجری نہیں بلکہ ایک

Marfat.com

مذہبی کنجر چاہیے ۔چوہدری صاحب اس جواب کے لئے تیار نہ تھے ۔اچانک ایسا ترکی بہ ترکی جواب سن کر دم بخود رہ گئے اور زچ ہو کر کہنے لگے کہ ٹھیک ہے بابا بخاری صاحب ہی تمہارے پاس آئیں گے اور یہ دو دن تمہارے ہوئے۔

چنانچہ بخاری صاحب بھون محلّہ اسلام آباد میں تشریف لائے۔حکیم صاحب کے والد گرامی موجود تھے۔کچھ دوسرے علماء بھی تھے ۔ جلسہ دو دن ہونا تھا اور کئی ایک دوسرے خطیب تشریف لا چکے تھے۔ رات بخاری صاحب نے کھانا حضرت مفتی صاحبؒ کے ساتھ کھایا اورر دوران گفتگو بخاری صاحب مفتی صاحب سے کہنے لگے کہ بھائی ہمیں تو موضع'' گھوٹے'' کے پڑھے ہوئے لوگوں اور رام پور کے فارغ التحصیل علماء سے ڈر لگتا ہے ۔یہ لوگ بھری محفل میں عبارات پر گرفت کرتے ہیں ۔اس لئے آپ کو بتا رہا ہوں کہ میں نے یہ حدیثیں اور یہ عربی عبارات اپنی تقریر میں پڑھنی ہیں اگر کوئی غلطی ہو تو ابھی اصلاح کر دیں۔

بہر حال بخاری صاحب کی تقریر نہایت کامیاب رہی۔ سامعین حسبِ توقع مسحور ہو کر رہ گئے۔ دوسرے دن بخاری صاحب کا پھر خطاب تھا۔ شام کے وقت موقع پا کر حکیم صاحب بخاری صاحب سے کہنے لگے کہ آج آپ جو خطاب کریں گے اس میں مولانا رومؒ کے کچھ اشعار بھی پڑھیں ۔ بخاری صاحب کو اس بات پر غصہ آ گیا۔ کہنے لگے کہ تم مجھے یہاں قرآن وحدیث سنانے کے لئے لائے ہو یا اشعار سنانے کیلئے۔ حکیم صاحب نے فوراً جواب دی کہ کل کی تقریر میں آپ نے یہ شعر پڑھا تھا:

Marfat.com

نہ ہر کہ سر بتر اشد قلندری داند
نہ ہر کہ طّرہ بدا رد سکندری داند

یہ قرآن کی کس سورت کی کون سی آیت تھی؟ پھر ایک اور شعر پڑھ کر اس کے متعلق بھی یہی سوال پوچھا۔ بخاری صاحب لاجواب سے ہو گئے اور کہنے لگے کہ مجھے تو وہ باتیں نہیں آتیں جو تمہیں آتی ہیں۔ ٹھیک ہے بابا آج مثنوی کے اشعار ضرور پڑھوں گا۔ اور پھر بخاری صاحب نے حکیم صاحب کی فرمائش پوری کر دی۔ بخاری صاحب نے محلّہ اسلام آباد کی حضرت مفتی صاحبؒ والی مسجد کا نام دل کشا رکھا۔ انھوں نے شاید مسجد کی کشادگی کو ماحول کی وسعت پر محمول کیا ہو گا ۔لیکن حقیقت یہ تھی کہ جس مسجد کی تعمیر اور آبادی میں حضرت مفتی عطا محمد صاحبؒ جیسے ولی کامل کی مساعی جمیلہ کارفرما ہو وہاں دلوں کی کشود کیسے نہ ہو گی۔

بیسوی صدی کی پانچویں دہائی برصغیر کے مسلمانوں کے لئے بہت جذبات انگیز تھی۔ ہر تحریک اپنے مزاج اور مقاصد کے مطابق نہایت ولولہ انگیزی کے ساتھ مصروف کار تھی۔اپنی حمائتیوں میں اضافے کی خاطر ہر نمایاں فرد سے روابط استوار کیے جا رہے تھے۔ خاکسار تحریک کا جوش اور عروج قابلِ دید تھا۔ علامہ عنایت اللہ خان المشرقی نے اپنے رضا کاروں کے ذریعے چپ راست(Left right) آوازوں کے ذریعے کلکتہ سے لنڈی کوتل تک ہنگامہ برپا کر رکھا تھا ان کا نظم قابلِ دید اور مثالی تھا۔ علامہ صاحب موصوف جہلم ایک جلسے کی خاطر تشریف لائے۔ چکوال کے خاکساروں نے حکیم صاحب سے رابطہ کیا اور ان کو بھی مشرقی صاحب سے ملوانے کیلئے جہلم لے گئے۔ جلسہ گاہ

Marfat.com

کی طرف جاتے ہوئے مشرقی صاحب اور حکیم صاحب ایک تانگے میں سوار تھے۔ رستے میں حکیم صاحب نے مشرقی صاحب سے سوال کیا کہ آپ کا جو اخبار " الاصلاح" شائع ہوتا ہے اس کی پیشانی پر آپ یہ شعر لکھتے ہیں۔

اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے
سرِّ آدم ہے، ضمیر کن فکاں ہے زندگی

علامہ صاحب اس کا مطلب کیا ہے؟ مشرقی صاحب نے جواب دی حکیم صاحب کہ میں نے تو کبھی اس پر غور ہی نہں کیا س جواب سے حکیم صاحب مشرقی صاحب کی عمیق نظری سے آگاہ ہو گئے۔

حکیم صاحب معمول کے مطابق طبی امور سرانجام دے رہے تھے لیکن برسہا برس سے اپنے آپ کو جس طرح مطالعہ کتب اور علم و ادب کو اپنی زندگی کا اوڑھنا بچھونا بنا لیا تھا وہ علم کا سرور اور کتب بینی کا چسکا حکیم صاحب کو ایک پیشہ ور اور کاروباری انسان بنانے میں بری طرح حائل تھا۔ اس لیے آپ کی طبابت ایک جزوقتی کام تھا۔ ان کے قلب ور وح کی دنیا نظامی، فردوسی ، عراقی، انوری، سعدی، جامی، حافظ، اقبال، غالب، حسرت موہانی، ظفر علی خان، اکبر الہ آبادی، جوش، مومن، وارث شاہ اور میاں محمد بخش جیسے افراد سے آباد تھی۔

ان عظیم لوگوں سے روحانی محفل یا علمی استفادہ اس بات کا مقتضی تھا کہ اعلیٰ انسانی اقدار کے تحت کوئی ایسا کام نہ کیا جائے جس میں دوسرے لوگوں پر بے جا بوجھ پڑتا ہو یا ان کی پریشانی کا سبب بنتا ہو۔ میں نے حکیم صاحب کی غیر مستقل مزاجی، کسی جگہ ٹک کر کام نہ کرنا اور حکمت کو تجارتی

Marfat.com

بنیادوں پر دوسرے لوگوں کی طرح نہ چلانے پر جب غور کیا تو پتہ چلا کہ حکیم صاحب فطرتاً حکمت کو بطور کاروبار کرنے کے اہل ہی نہ تھے۔ حکیموں کو تو بیماروں سے ہمدردی کے باوجود اتنا کچھ وصول کرنا پڑتا ہے کہ جس سے دوا دارو کے اخراجات اور باقی ضروریات زندگی کا کچھ حصہ میسر آتا رہے اور اتنی وصولی ہر نیک سے نیک اور پرہیزگار سے پرہیزگار حکیم بھی ضرور کر لیتا ہے لیکن حکیم صاحب کا معاملہ یکسر مختلف تھا۔ مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ ایک مریض کے لئے کچھ ادویات مجھ سے منگوائیں جس پر دو روپے بارہ آنے خرچ ہوئے۔ ان دواؤں کو کوٹ چھان کر گولیاں تیار کرنا تھیں۔ حکیم صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ اس دوا کے بارہ روپے لینے ہیں۔ جب مریض دوا لینے کے لئے آیا تو دوا لینے اور ترکیب استعمال سمجھ لینے کے بعد اس نے پوچھا کہاس کا ہدیہ کیا ہے؟ حکیم صاحب نے ایک دم سے کہا کہ بارہ روپے۔ وہ مریض حکیم صاحب کا کچھ شناسا تھا۔ حکیم صاحب قیمت بتا کر اس کا چہرہ دیکھنے لگے، وہ لحظہ بھر کے لئے خاموش زمین کی طرف دیکھتا رہا۔ حکیم صاحب نے اس کی پریشانی کو چہرے سے پڑھ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا، اے بھائی! پریشان کیوں ہوتے ہو؟ اس دوا کی قیمت صرف دو روپے بارہ آنے ہیں۔ حکیم صاحب تو سچ بتا کر سبکدوش ہو گئے۔ میں نے کہا کہ یہ دوا لینے کے لئے میں چکوال گیا تھا، دوا کی قیمت میں کرایہ تو شامل کیا ہوتا۔ لیکن جوڑ توڑ اور نفع نقصان کے جھمیلوں میں پڑنا حکیم صاحب کے بس میں نہ تھا۔

دراصل حکیم صاحب کے لئے حکمت کا پیشہ دو طرح سے موزوں تھا ایک سبب تو یہ تھا کہ وہ مریض کی مجبوری کو کمائی کا ذریعہ نہیں بنا سکتے تھے۔

Marfat.com

دوسری وجہ یہ تھی کہ مریض کا مرض ان کے ذہن پر سوار ہو جاتا تھا۔ ان کے پاس چونکہ اکثر پیچیدہ امراض والے مریض ہی آیا کرتے تھے اس لئے انکی تکلیف حکیم صاحب کے لئے ناقابل برداشت ہوتی۔ وہ ہر وقت مریض کے متعلق ہی سوچتے رہتے۔ چلتے پھرتے، کھاتے پیتے، سوتے جاگتے وہ مریض کے متعلق ہی خیال میں گم رہتے ۔ جب کوئی سنجیدہ مریض ان کے زیرِ علاج ہوتا تو ان کی بھوک مٹ جاتی، نیند ختم ہو جاتی اور سکون غارت ہو جاتا۔ اب اگر ایک حکیم اتنی شدت سے مریضوں کی کیفیات میں الجھ جائے گا تو پھر وہ خود بجائے حکیم کے مریض ہی تصور ہو گا۔

اسی بناء پر حکیم صاحب اس کوشش میں رہے کہ ذریعہ آمدنی تو کوئی دوسرا ہو اور مریضوں کا علاج مفت کیا جائے۔ سوئے اتفاق یہ کہ آپ کو ایک سکھ نیم حکیم جو کہ موضع'' موہڑہ کدلٹھی'' کا رہنے والا تھا۔ حکیم صاحب سے ملا اور کہنے لگا کہ میرے پاس جوڑے یعنی حملان کا نسخہ ہے اور یہ بہت بڑا نفع بخش کام ہے۔ حکیم صاحب نے تجربے کی خاطر ضروری سامان فراہم کیا۔ اور آٹھ ماشے چاندی کو رنگ دے کر دو ماشے سونا اس میں ملا دیا گیا اور ایک سادہ انگوٹھی کی صورت میں اسے سناروں کے پاس بیچ دیا گیا۔ اور یہ انگوٹھی گھاٹ کے بھاؤ بک گئی۔ تقریباً دس روپے کے ساٹھ روپے بن گئے۔ اس زمانے کے لحاظ سے یہ ایک خطیر نفع تھا لیکن حکیم صاحب نے اس نسخے سے کوئی نفع نہ کمایا۔ اس لئے کہ اس "حملان" میں یہ عیب تھا کہ اس کے سونے کو اگر "نیار" کرایا جاتا تو پوری کی پوری رنگ شدہ چاندی تولسی جیسی شکل میں الگ ہو جاتی اور صرف اصلی سونا باقی رہ جاتا۔ یہ کام قانوناً جرم بھی تھا اور

Marfat.com

دھوکہ دہی کی ایک بہت ہی ظالمانہ صورت بھی۔ حکیم صاحب قانون کی تو شاید پرواہ نہ کرتے لیکن فریب دہی ان کے مزاج کے خلاف تھی۔

اس جوڑے کے نسخے میں حکیم صاحب کیلئے بد شگونی یوں ہوئی کہ انہیں یہ یقین ہو گیا کہ دواؤں کے ذریعے کسی دھات کی کیفیت کو بدلا جا سکتا ہے۔ اور وہ اس امکان کی وجہ سے اکسیر کے متلاشی بن گئے۔ اور پھر تا زیست کیمیا سازی کی اس دلدل سے باہر نہ نکلے۔

چوہدری غلام عباس چکوالی مرحوم جو کہ حکیم صاحب کے دوست بھی تھے اور ہم ذوق بھی، کہا کرتے تھے کہ دو علم، دو قسم کے جھوٹے انسانوں میں پھنس چکے ہیں۔ اور مخلوقاتِ خدا ذلیل ہو رہی ہے۔ ایک تو وہ جو ولی اللہ نہیں ہیں اور دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ ہم سب کچھ ہیں اور جو حقیقت میں ولی اللہ ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم کچھ بھی نہیں ہیں۔ اور دوسرے وہ جو سونا بنانا نہیں جانتے وہ کہتے ہیں کہ ہم اکسیر گر ہیں اور جو اکسیر گر ہیں وہ اپنے آپ کو بالکل ناواقف ظاہر کرتے ہیں اور یہ سب غلط بیانی سے کام لیتے ہیں۔ اب کوئی شخص ولی اللہ کیسے سمجھے اور کیمیا گر جانے تو کس کو؟

حکیم صاحب بنیادی طور پر فنِ طبابت کو ذریعہ معاش بنانا ایک ناروا کام سمجھتے تھے اس لئے ان کے خیال میں فنِ کیمیا ہی وہ واحد ذریعہ معاش ثابت ہو سکتا تھا جو ان کے مقاصد کو پورا کر سکے۔ بدقسمتی سے وہ یہ ماننے کیلئے تیار نہ تھے کہ کسی بھی دھات کو سونے میں بدلنا کوئی ناممکن کام ہے۔ کیونکہ اس راہ پر چلنے والوں کو اس کام کے ممکن ہونے کے حق میں اتنی کثیر تعداد میں روایات بیان کی جاتی ہیں اور ایسے محیر العقول واقعات کا تذکرہ ہوتا

Marfat.com

ہے اور ایسے ایسے پرہیزگار اور صالح لوگوں کو اس کام میں ملوث بتایا جاتا ہے کہ کسی شخص کا اس فن کے وجود سے انکار ناممکن ہو جاتا ہے۔

حکیم صاحب فطری طور پر اور اعتقادی طور پر اس زعم میں گرفتار تھے کہ دنیا میں کوئی کام ناممکن نہیں ہوتا۔ انسان جو کام بھی کرنا چاہے اور کماحقہ محنت اور عقل و فکر سے کام لے تو کامیابی لازمی ہے۔ حالانکہ یہ تصور بجائے خودا یک غلط مفروضہ ہے۔ محنت اور کوشش انسان کا فرض ہے لیکن کامیابی اورناکامی اللہ کے ہاتھ میں ہے ۔ حکیم صاحب جس حد تک انسان کو قادر سمجھتے تھے اور صرف قادرِ مطلق کی ہی صفت ہے۔ اور انسان کو قدرت اور جبر کے درمیان کسی جگہ الجھا ہوا ہے۔ میرا یہ خیال ہے، ممکن ہے غلط ہو کہ حکیم صاحب اپنے فطری ، وراثتی اور قلب و دماغ کے جن اوصاف سے مزین تھے اس میں یہ عقیدہ فٹ نہیں بیٹھتا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو سونا سازی کے ایک لامتناہی چکر میں ڈال دیا۔ سونا تو کیا بننا بنانا تھا البتہ حکیم صاحب بذاتِ خود ٹھوکروں اور ناکامیوں سے دوچار ہو ہو کر زرخالص بن گئے۔ انہیں خدا اور انسان کے متعلق شعوری آگاہی حاصل ہوگئی۔ یہی وہ ایک لازمی سبق تھا جو تقریباً چالیس سالہ حالات کی ناہنجاریوں نے انہیں سکھایا۔ ورنہ حکیم صاحب کہاں اور یہ وبال کہاں۔ میرے اس خیال کا سبب یہ ہے کہ حکیم صاحب کی نظر میں روپے پیسے کی کوئی قدروقیمت نہ تھی ۔ لالچ انہیں چھو کر نہیں گزرا تھا۔ سخاوت انکے مزاج کا حصہ تھی ۔ ان خصوصیات کے باوصف سونا سازی کے لئے اتنے پاپڑ بیلنا آخر کس سبب سے تھا؟ محلات تعمیر کرنا ان کے پروگرام میں شامل نہ تھا۔ دنیاوی کاروبار کو پھیلانا انہیں ہرگز پسند نہ تھا۔ بے جا

Marfat.com

خردونوش کی انہیں حرص نہ تھی پھر بھی اگر وہ سونے کے چکر میں پڑے ہوئے تھے تو یہ ساری تگ و دو سونا بنانے کیلئے نہیں تھی بلکہ قدرت خود ان کو کندن بنا رہی تھی۔

غالباً **1949**ء کی بات ہے، حکیم صاحب کے استاد حکیم خادم علی سیالکوٹیؒ حکیم صاحب سے ملنے بھون آئے۔حکیم صاحب نے اپنے استاد کا نہایت پرتپاک استقبال کیا۔ وہ صبح کے وقت تشریف لائے تھے۔ شام کی چائے کے وقت حکیم خادم علی صاحبؒ فرمانے لگے کہ حافظ صاحب میرے تمام شاگرد حکمت سیکھنے کے بعد مکانوں اور جائیدادوں کے مالک بن گئے لیکن آپ نے کوئی ترقی نہیں کی۔ حکیم صاحب کہنے لگے استاد جی نظامی گنجوی کیا کہتا ہے؟ استاد صاحب فرمانے لگے کہ آپ ہی بتائیں کیا کہتا ہے؟ حکیم صاحب کہنے لگے کہ وہ کہتا ہے:

بساطے چہ پائید برآراستن
کزو ناگزیر است برخاستن

(اس فرش کو بچھا کر نشست جمانے کا مطلب ہی کیا ہے جہاں سے ہمیں لازمی طور پر اٹھنا پڑے گا۔)

حکیم خادم علی سیالکوٹی یہ شعر سن کر حکیم صاحب کے اندازِ فکر کو سمجھ گئے اور مزید کچھ نہ کہا۔حکیم صاحب کی یہ عادت تھی کہ وہ اپنے مطالعے سے ساتھ رہنے والوں کو آگاہ کرتے رہتے اور اپنے ذہنی سفر میں ساتھیوں کو شامل رکھتے۔ حکیم صاحب کے ذہنی اور روحانی سفر کا کچھ استفادہ میں نے بھی کیا۔جس کتاب کو وہ چاہتے کہ میں پڑھوں تو سوال کرتے کہ تم نے فلاں

Marfat.com

کتاب پڑھی۔ میں اگر انکار کرتا تو انکا دوسرا جملہ یہ ہوتا کہ پھر تم نے پڑھا ہی کیا ہے؟ چنانچہ انکی ترغیب پر ہی میں نے علامہ اقبالؔ، غالبؔ، مولانا ظفر علی خانؔ، اکبر الہ آبادیؔ، شبلی نعمانیؔ اور متعدد دوسرے شعراء اور نثر نگاروں کی تصانیف کو پڑھا۔ ان کے کہنے پر ہی چوہدری افضل حق کی " زندگی" پڑھی۔ امتیاز علی تاج کا " انار کلی" ڈرامہ پڑھا۔ مرزا حسرت دہلوی کا مقدمہ تفسیر القرآن پڑھا۔ چاروں انجیلیں پڑھیں، عبدالحلیم شرر کا " فلورہ فلور نڈہ" پڑھا۔ مرزا قادیانی کی تصانیف خصوصاً دُرِثمین، کو کئی مرتبہ پڑھا۔ کیونکہ حکیم صاحب کے خیال میں مرزا صاحب کی یہ تصنیف ہی ان کے دعوؤں کی تکذیب کیلئے کافی ہے بلکہ سامان ظرف بھی ہے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ میں برادر عزیز عنایت احمد صاحب اور حکیم صاحب بیٹھے ہوئے ہیں۔ مرزا صاحب کی ''درثمین'' کوئی بھی پڑھنا شروع کرتا اور ایک ایک شعر میں ہنسنے ہنسانے کے متعدد نکات اخذ کئے جاتے۔ مثال کے طور پر جس دن بھائی عنایت احمد صاحب نے یہ شعر پڑھا:

ے اک سگِ دیوانہ لدھیانے میں ہے
آجکل وہ خرشتر خانے میں ہے

تو مجھے یاد ہے کہ اس شعر کے پوسٹ مارٹم میں ہر ایک حصہ لے رہا تھا اور ہم گھنٹوں ہنسی سے لوٹ پوٹ ہوتے رہے کہ جو لدھیانے میں سگ تھا (یعنی کتا) وہ خر (یعنی گدھا) کب بنا اور پھر وہ شتر خانے (یعنی اونٹوں) کے باڑے میں کیسے جا پہنچا اور نسلی ارتقاء کے یہ مناظر ''ڈارون'' کے ماننے والوں سے کسطرح اوجھل رہے۔

Marfat.com

حکیم صاحب کی محفل میں وقت کا تصور ختم ہو جاتا ۔ان کی مجلس اس قدر اشعار اور تجر مات و معلومات سے بھر پور ہوتی کہ ہر سننے والا مسحور ہو جاتا۔ مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ معمول کے مطابق عصر کے بعد حکیم صاحب بھون کے پڑھے لکھے ساتھیوں کے ساتھ ریلوے سٹیشن کی طرف چلے ۔حکیم صاحب کے ان ساتھیوں میں پرفیسراحمدنشتر صاحب ،ہیڈ ماسٹر قادری صاحب،ہائی سکول کے ٹیچر معین الدین شاہ صاحب اور پوسٹ ماسٹر صاحب بھی تھے۔چند دوسری شخصیات جن کے نام اس وقت میرے ذہن میں نہیں اور جو لوگ حکیم صاحب کی گفتگو سے محظوظ ہونے کے لئے شام کو آنے لگے تھے ۔سب ایک ساتھ ریلوے سٹیشن پہنچے ۔بھون کا ریلوے سٹیشن آبادی سے دور تھا اس لئے ریل کے اوقات کے علاوہ سنسان رہتا اور ویرانی کا منظر پیش کرتا۔ چنانچہ اسٹیشن ماسٹر شاہ صاحب اور نائب اسٹیشن ماسٹر نعمان صاحب ،حکیم صاحب کی آمد کے منتظر رہتے کیونکہ ان کے لئے بھی حکیم صاحب کی مجلس اس ویرانے میں ایک بہار کی حیثیت رکھتی تھی۔اس دن جب ہم وہاں پہنچے تو اسٹیشن کے کسی ملازم نے دائرے میں بیس پچیس کرسیاں بچھا دیں،سب لوگ بیٹھ گئے۔باتوں کی روانی میں نہ جانے کس بنا پر مذہبی بحث چل نکلی۔ہر ایک اپنی بات دوسرے پر ٹھونسنا چاہتا تھا۔حکیم صاحب سب کی باتیں نہایت اطمینان سے سنتے رہے۔کسی کی طرف داری نہ کی،حاظرین میں سے کسی کو خیال آ گیا اور وہ کہنے لگا کہ اس معاملے میں حکیم صاحب سے فیصلہ لیتے ہیں۔سب لوگ ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔اس وقت میری ذہنی سطح بہت نیچی تھی اور دماغ کی سکرین بہت چھوٹی۔ مجھے یہ بھی یاد نہیں کہ بات

Marfat.com

کہاں سے چلی اور کہاں تک پہنچی البتہ اتنا یاد ہے کہ حکیم صاحب نہایت صاف اور شستہ زبان میں معلومات اور اشعار کو سجا کر اپنی بات کو بڑھائے جا رہے تھے۔ یہ تمام تعلیم یافتہ حضرات دم بخود، گوش بر آواز تھے کہ حکیم صاحب نے اپنی طویل گفتگو کا کلائی میکس پر پہنچاتے ہوئے ہیر وارث شاہ کے پنجابی زبان کے اس مصرعے پر ختم کیا:

کسے وید قرآن نوں واہ کھادا، کسے واہ کھاد ابھاڑا کھوتیاں دا

حکیم صاحب ان الفاظ پر خاموش ہو گئے اور حاضرین لحظہ بھر کے بعد اس سحر سے باہر نکلے اور پرفیسر نشتر صاحب کے منہ سے یہ الفاظ بے اختیار نکلے کہ " واہ واہ !حکیم صاحب حقیقت میں بہت وسیع المطالعہ اور جہاں دیدہ انسان ہیں۔"

مجھے فاضل فارسی کا امتحان دینا تھا۔اس کی تیاری کے سلسلے میں، راولپنڈی مولانا فتح محمد صاحب کے کریسنٹ نائٹ کالج میں داخل ہو گیا۔اور یہ چھ مہینے حکیم صاحب سے دوری میں گزرے۔جب رزلٹ کارڈ ملا تو حکیم صاحب میرا رزلٹ کارڈ دیکھ کر ہیڈ ماسٹر قادری صاحب کے پاس بھون ہائی سکول گئے اور میری طرف سے خود ہی درخواست لکھ کر ہیڈ ماسٹر صاحب کو دے آئے۔ہیڈ ماسٹر صاحب نے مجھے با امید منظوری ڈیوٹی پر لگا دیا۔جب ڈیڑھ دو مہینے کے بعد منظوری آئی تو اس میں میرا نام صرف عبید اللہ کی بجائے قاری عبید اللہ لکھا ہوا تھا۔میں نے حکیم صاحب سے نام کی اس تبدیلی کا ذکر کیا تو وہ کہنے لگے میں نے درخواست میں قاری عبید اللہ ہی لکھا تھا۔ان کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ جس شخص کا جو نام رکھ دیتے وہ اس طرح اس

Marfat.com

کی ذات پر چسپاں ہو جاتا کہ اس اصلی نام یکسر پس منظر میں چلا جاتا ۔میں نے اس وقت تک قرآت سے کوئی واقفیت حاصل نہ کی تھی۔لیکن لفظ قاری اس طرح سے زبان زد خاص و عام ہوا کہ میرا اصلی نام لوگوں کے حافظے سے اتر ہی گیا۔البتہ جب کبھی والدہ ماجدہ مرحومہ مغفورہ میرا نام لیکر پکارتیں،تو مجھے اچانک یہ احساس ہوتا کہ یہ نام بھی میرا ہی ہے۔اس کے علاوہ حکیم صاحب نے متعدد لوگوں کے مختلف نام مختلف مناسبتوں کی وجہ سے رکھ چھوڑے تھے۔جو ان کے اصلی ناموں پر غالب ہو گئے ۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کیلئے جو مختلف نام وہ رکھتے تھے شاید انہیں القاء ہوتے تھے۔

اللہ تعالی نے حکیم صاحب کو بے پناہ ذکاوت اور سرعت فہم سے نوازا تھا۔کوئی بات ہوتی اس کی مناسبت سے بجلی کی سی تیزی کے ساتھ کوئی شعر یا قرآن مجید کی آیت یا کسی بڑے آدمی کا قول ان کی بات کی تائید کیلئے ان کی زبان پر جاری ہو جاتا اور اس انتقال ذہنی میں وہ اپنی مثال آپ تھے۔اس سلسلے میں ایک واقعہ جو میرے اُستادِ محترم قاضی غلام ربانی مہتمم وبانی اسلامیہ ہائی سکول و مدرسہ اشاعت العلوم چکوال نے سنایا،وہ کچھ اس طرح تھا ۔میں شیخ سعدی کی کتاب ''گلستان'' قاضی صاحب سے پڑھ رہا تھا۔فرمانے لگے کہ لوگوں کو برمحل اشعار و اقوال پیش کرتے دیکھا ہے لیکن تمہارے ماموں جان حکیم صاحب کی کوئی مثال نہیں ہے۔ پھر انہوں نے فرمایا کہ تمہاری پھوپھی جان کی شادی تھی ،رتہ شریف میں مہمان جمع تھے۔اس زمانے میں اسطرح کی تقریبات میں لکڑی اور پانی کی فراہمی ایک مسئلہ ہوا کرتی تھی ۔چنانچہ جب وہاں پانی کا ٹوٹا ہوا تو مفتی صاحبؒ کے ایک درویش قاضی کو ہر آدمی

Marfat.com

ڈھونڈنے میں لگ گیا۔بیٹھک میں سارے معزز مہمان بیٹھے تھے۔کبھی ایک شخص آتا اور پوچھتا کہ قاضی کہاں ہے اور پھر دوسرا اچانک دروازہ کھولتا اور کہتا کہ قاضی کہاں ہے ؟جب دو چار آمیوں نے اسطرح سے پوچھا تو حاضرین میں سے کسی نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ قاضی کی کیا ضرورت پڑ گئی ؟آدمی پہ آدمی چلے آرہے ہیں ۔حکیم صاحب موجود تھے فوراً بول اٹھے:

خراں را کسے در عروسی نخواند

مگر آں زماں کآب و ہیزم نہ ماند

گدھوں کو شادی کے موقع پر کوئی نہیں پوچھتا سوائے اس کے کہ جب پانی اور لکڑی کی ضرورت آ پڑے۔

اور واقعتاً اُس وقت پانی ختم ہو چکا تھا ۔اور قاضی کی ڈیوٹی تھی کہ وہ پانی ،لکڑی اور دوسری ضرورت کی چیزیں مہیا کرے۔حکیم صاحب کے اس شعر پر پوری محفل کشتِ زعفران بن گئی ۔

ایک مرتبہ جب میں جھوک شریف ضلع ٹھٹھہ سندھ میں مقیم تھا۔حکیم صاحب ملنے آئے اور کچھ دنوں کیلئے رک گئے ۔حکیم صاحب کی عادت تھی کہ گرمی ہو یاسردی تقریباً دو بجے سحری کے وقت اٹھ جاتے ،نفل پڑھ کر سورۃ یسٰین اور دوسری سورتیں پڑھ کر تمام بزرگوں کو ایصال ثواب کرتے اور اس فہرست میں مرزا غالب کا نام بھی شامل تھا۔

ایصال ثواب سے فراغ ہو کر پھر لیٹ جاتے اور مختلف اشعار گنگناتے رہتے اور بعض اوقات نہایت دھیمی آواز میں تلاوت شروع کر دیتے۔جب وہ میرے پاس سندھ میں تھے تو سحری کے وقت ہر روز مثنوی

Marfat.com

مولانا رومؒ کے اشعار مخصوص لے میں گنگنایا کرتے ۔پھر اچانک یہ سلسلہ بدل گیا اور کئی دنوں تک مثنوی کے اشعار انہوں نے نہ پڑھے ۔مجھے خیال آیا کہ کیا وجہ ہے کئی دنوں سے مثنوی نہیں پڑھی گئی۔ میں نے کہا حکیم صاحب کیا وجہ ہے کہ بہت دن ہو گئے ہیں آپ نے مثنوی شریف نہیں سنائی ۔میری بات سن کر فی البدیہ حکیم صاحب نے مخصوص طرز میں پڑھنا شروع کیا:

مدتے این مثنوی تاخیر شد

مہلتے بایست تاخوں شیر شد

(کہ بہت عرصے سے اس مثنوی کی ترتیب میں تاخیر واقع ہوگئی ۔لیکن ایک عرصہ چاہیے کہ خون دودھ میں بدل جائے۔)

یہ یاد رہے کہ مولانہ رومؒ جب مثنوی اپنے منشی کو لکھوا رہے تھے تو کچھ عرصے کیلئے یہ کام رک گیا تھا۔اور جب دوبارہ مثنوی کا کام شروع کیا تو پہلا شعر جو لکھوایا وہ یہی تھا۔

میرے بڑے لڑکے کا نام راغب احمد، حکیم صاحب نے رکھا تھا ۔اور ان کو راغب سے خصوصی انس بھی تھا۔حکیم صاحب کیمیا گری کے جس بے سروپا چکر میں گرفتار رہتے تھے ۔اس کے ضمن میں نیا سے نیا آدمی ان کے حلقۂ احباب میں شامل ہوتا۔اور بے نتیجہ تجربات کے بعد الگ ہو جاتا ۔ہمارے ماحول میں اس طرح کے تبصرے ہوتے رہتے کہ حکیم صاحب نے فلاں شخص کو ''پھانس'' رکھا ہے اس طرح کے تبصرے جب بچے سنتے تو وہ بے سوچے سمجھے دوسروں کے سامنے دہرا دیتے ہیں ۔ایک مرتبہ راغب بھی حکیم صاحب کے سامنے آیا تو اچانک کہہ اٹھا کہ بابا جی آجکل آپ نے کس کو ''پھانس'' رکھا

Marfat.com

ہے؟حکیم صاحب نے جب یہ بات سنی تو حیرت میں آگئے اور فوری کہا

ولا یلدو اا الا فاجراً کفارا

قرآن مجید میں حضرت نوح نے اپنی قوم کی غرقابی کے لیے جو دعا مانگی تھی اس کا سبب یہ بتایا تھا کہ اس قوم کا جو بچہ بھی پیدا ہو گا وہ ناہنجار اور ناشکرا ہی ہو گا۔حکیم صاحب قرابت داروں کے خیالات سے آگاہ تھے ہی جب چھوٹے سے بچے کی زبان سے یہ بات سنی تو حضرت نوحؑ کی دعا ان کی زبان پر آ گئی۔کیونکہ انہیں راغب سے اس کی توقع نہ تھی۔

آپ کے تایا جان کے ہاں ایک شخص فضل داد نامی جو موضع جمالوال کا رہنے والا تھا بطور خادم رہتا تھا۔کچھ ملیخولیائی اثر کے تحت چند دنوں کے بعد بغیر اطلاع فرار ہو جانا اس کے معمول میں شامل تھا۔چند دنوں کے بعد لوٹ آتا اور نہایت نادم بھی ہوتا۔ایک مرتبہ وہ حسبِ معمول فرار ہوا،دو چار روز کے بعد جب واپس اس نے رتہ شریف آنا چاہا تو اسے یہ خوف دامن گیر ہوا کہ اس دفعہ مرشد ثانی کے صاحبزادے حضرت حافظ جمال الدینؒ ضرور پیٹیں گے۔کیونکہ وہ انتہائی نازک وقت میں جبکہ اس کی رتہ شریف میں ضرورت تھی ،فرار ہو گیا تھا۔فضل داد مذکور نے پیش بندی کے طور پر حکیم صاحب کے پاس حاضری دی اور سفارشی رقعہ مانگا۔آپ نے کاغذ اٹھایا ،جیب سے قلم نکل کر صرف اتنا لکھا!

برادرم جمال الدین صاحب السلام علیکم۔

بردر آمد بندۂ بگریختہ

آبروئے خودز عصیاں ریختہ

Marfat.com

ایک بھاگا ہوا غلام تیرے دروازے پر آ گیا ہے جس نے اپنی غلطیوں سے اپنی عزت خاک میں ملا دی ہے

اس شعر کی موزونیت سے وہی لوگ محظوظ ہو سکتے ہیں جنہوں نے شیخ فرید الدین عطارؒ کی کتاب ''پندنامہ'' پڑھ رکھی ہو۔

وقت کے ساتھ ساتھ محبت اور احترام کے پیمانے بدلتے رہتے ہیں۔ حکیم صاحب کا بچپن جس ماحول مس گزرا وہاں پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے پورے ناموں کو کسی بچے کے لئے منتخب کرنا بے ادبی تصور کیا جاتا۔ کسی نہ کسی سابقے یا لاحقے کے ذریعے ادب ملحوظ رکھا جاتا تھا۔ اتفاق یہ کہ جن دنوں حکیم صاحب دہلی میں رہائش پذیر تھے۔ ایک دن سیر کرتے ہوئے ریلوے سٹیشن پہنچ گئے۔ ریلوے سٹیشن پر ایک مہذب آدمی جو شیروانی اور علی گڑھی پاجامے میں ملبوس تھے علیک سلیک ہو گئی، کچھ دیر کے بعد حکیم صاحب نے ان سے نام پوچھا وہ کہنے لگے میرا نام ''عمر فاروق'' ہے۔ حکیم صاحب خلیفہ ثانی کا ہو بہو نام سن کر پریشان ہو گئے اور سوچنے لگے کہ یہ کیسے گستاخ لوگ ہیں جنہوں نے حضرت فاروق اعظمؓ کا پورا نام اپنا لیا ہے۔ اب وہ صاحب حکیم صاحب سے پوچھنے لگے جناب آپ کا نام کیا ہے؟ حکیم صاحب نے فوراً جواب دیا کہ میرا نام ''ابوبکر صدیق'' ہے۔ وہ شخص بھونچکا سا ہو کر دوسری طرف چل دیا۔ حکیم صاحب نے اپنے جواب سے دراصل اس کے نام کے گستاخانہ انداز پر تنبیہ کی تھی۔

حکیم صاحب کا مطالعہ بے حد وسیع اور حافظہ نہایت قوی تھا البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کا مطالعہ معلوماتی زیادہ تھا اور تحقیقی کم۔ جو کچھ بھی اس

Marfat.com

دور میں علمی مواد انگلش لٹریچر کو چھوڑ کر انہیں میسر تھا اس کا انہوں نے مطالعہ بھی کیا اور یاد بھی کیا۔ لیکن انہوں نے یہ اہتمام نہ کیا کہ ایک ہی موضوع پر مختلف لوگوں کی آراء کو پڑھیں اور پھر کسی مسئلے پر اپنی رائے قائم کریں۔ اور کچھ انگریزی دور کے آخری ایام کا یہ اثر تھا جو ان کے مزاج پر مدتوں چھایا رہا چونکہ عوام الناس عموماً غالب اور طاقتور افراد کے خیالات اور نظریات کو بلاسوچے سمجھے مانتے اور قبول کرتے ہیں۔ اس لئے اس دور میں یہ فیشن ہو گیا تھا کہ فطری ترقی اور ذہنی آزادی کے نام پر جس کے جی میں جو آتا اگلتا چلا جاتا۔ دینی اور تہذیبی نظریات پر جس کے جی میں آتا الٹے سیدھے اعراضات داغ دیتا۔ علماء اور شرفاء کا مذاق اڑانا اور اخلاقی اقدار کی تذلیل کرنا ناپختہ تعلیم یافتہ افراد کا شیوہ بن چکا تھا۔ معاشرے کے ان بیمار تصورات سے حکیم صاحب بھی متاثر ہوئے چونکہ وہ فطرتاً جرات اور بے باکی پسند کرنے والے تھے اس لئے وہ کچھ بیہودہ اور یاوہ گو لوگوں کو بھی جرات اور بے باک سمجھ بیٹھے۔ مسلمانوں کے مسلمہ افکار ونظریات کی تذلیل کرنے والوں میں غالباً نیاز فتح پوری مدیر رسالہ "نگار" کا نام سرِ فہرست تھا۔ نیاز صاحب نے اپنے رسالے میں ایک مضمون لکھا جس کا عنوان "جنت کی حقیقت یا افسانہ فردا" تھا۔ اس مضمون میں انہوں نے جی بھر کر دل کی بھڑاس نکالی ۔ دوسری زندگی، جنت کی حقیقت اور اس کی تمام نعمتوں کا خوب مذاق اڑایا۔ حوروں کا عجیب و غریب حلیہ پیش کیا۔ جنتی لوگوں کے کھانے پینے کے معمولات نہایت بھونڈے طریقے سے گنوائے اور جنت کے پھلوں میں آم کا شامل نہ ہونا انعامات کی کم مائیگی پر محمول کیا۔

Marfat.com

غرض یہ کہ مسلمانوں کو ہر طرح سے حیاتِ اخروی سے بیزار کرنے کی بھر پور کوشش کی اور آخر میں غیرت مند مسلمانوں کی مار اور قانونی گرفت سے بچنے کیلئے یہ شعر لکھ دیا:

صبح ہوئی بگل بجا پھول کھلے ہوا چلی

یار بغل سے اٹھ گیا جی کی جی میں رہ گئی

نیاز صاحب دراصل یہ ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ میں نے اس افسانے میں جو اول فول بکا ہے وہ سب خواب کی باتیں ہیں ۔ میری جیتی جاگتی زندگی سے ان خیالات کا کوئی واسطہ نہیں۔ حالانکہ:

" تھے" خواب میں ہنوز جو جاگے" تھے" خواب میں!

(غالب سے معذرت کے ساتھ)

حکیم صاحب رسالہ نگار کے باقاعدہ خریدار تھے اور نیاز صاحب سے کئی ایک مرتبہ مل بھی چکے تھے۔ حکیم صاحب کی محفل میں بس یہی ایک پہلو تھا جو میرے لئے بہت ہی تکلیف دہ اور الجھن کا باعث تھا۔ حکیم صاحب با حوصلہ تھے۔ وہ اپنے باطن میں ایک انقلاب برپا کر سکتے تھے اور اس کو برداشت بھی کر سکتے تھے ۔ مجھ جیسے کم حوصلہ انسان کیلئے اپنے نظریات میں ایسا انقلاب لانا نظریاتی موت کے برابر تھا۔ اس لئے میں ان کی ہر طرح کی مذہبی طور پر دل آزار باتوں کو سنتا اور خاموش رہتا۔ کیونکہ میرا علم اور مطالعہ بہت محدود تھا۔ کسی بحث میں الجھنے کیلئے دلائل کا ضروری اسلحہ میں نہیں رکھتا تھا۔

ذہنی قرب کے اس دور میں ایک دن میں نے تعلیم یافتہ اور دانش ور

Marfat.com

لوگوں کی محفل میں ملک عاشق حسین صاحب مرحوم کو جو کہ بھون ہائی سکول میں میرے رفیقِ کار رہتے، بولتے سنا۔ وہ نوعمر تھے، انکی باتیں مسلمانوں اور اسلام کے حق میں کچھ ایسی دل نشین اور موثر تھیں کہ ان کے مخالف جو کہ بڑے تجربہ کار اور جغادری قسم کے لوگ تھے بالکل خاموش اور لاجواب ہو گئے مجھے ملک صاحب کی باتوں میں روشنی کی ایک کرن نظر آئی۔ میں نے موقع پا کر ان سے کہا کہ آپ کی معلومات بہت زیادہ ہیں اور آپ کی گفتگو بہت موثر ہے۔ آپ تھوڑا سا وقت نکال کر میرے ساتھ چلیں۔ حکیم صاحب کی باتیں سنیں اور ان کو ضروری باتیں سمجھائیں۔ ملک صاحب کہنے لگے حکیم صاحب کس آدمی سے زیادہ متاثر ہیں اور کس کو پڑھتے ہیں؟ میں نے کہا کہ پڑھتے تو وہ ہر ایک کو ہیں لیکن متاثر صرف نیاز فتح پوری سے ہیں۔ ملک صاحب نے نیاز کا نام سن کر مجھے کہا کہ آپ سکول سے چھٹی کے بعد بازار کی طرف سے ہو کر گھر جائیں اور دارالمطالعہ سے سید مودودیؒ کی کتاب "تنقیحات" لیتے جائیں۔ اس کتاب میں نیاز صاحب نے سید مودودیؒ سے کچھ سوالات کیے تھے جن کے جواب اس میں ہیں۔ حکیم صاحب کو پڑھائیں اور پھر مزید کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے بتائیں۔

میں تنقیحات لیکر گھر آیا، نیاز صاحب کے سوالات کو ڈھونڈا، ان کو جب پڑھا تو معلوم ہوا کہ نوے فیصد تو وہی باتیں ہیں جو ہم لوگ اٹھتے بیٹھتے حکیم صاحب سے سنتے رہتے ہیں اور جب مودودی صاحبؒ کی طرف سے دیے گئے ان کے جوابات پڑھنے شروع کیے تو سب سے پہلی چیز جس نے مجھے متاثر کیا وہ ان کا دلیرانہ طرزِ تحریر اور اردو ادب کا اعلیٰ اسلوبِ نگارش تھا۔

Marfat.com

اس کتاب کو جس طلب اور پیاس کے ساتھ میں نے پڑھا، اس نے ایک ایک بات اور فقرے کو میرے ذہن پر نقش کر دیا۔ اس دن میری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ وجہ یہ تھی کہ طویل ذہنی کشمکش کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ کوئی شخص ایسا بھی ہے جو اسلام پر اچھالے گئے کیچڑ کو اس ہمت اور عزم سے صاف کر سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان سوالات اور جوابات کے آئینے میں نیاز صاحب مجھے ادبی طور پر بھی بہت ہی بونے نظر آئے اور ان کے نظریات کا بودا پن تو ظاہر و باہر تھا۔

میں نے یہ کتاب حکیم صاحب کو دی۔ انہوں نے جلدی جلدی مطالعہ کیا۔ ان کے چہرے سے پریشانی کے آثار اور باطنی کشمکش کا اظہار ہو رہا تھا۔ مضمون ختم کرنے کے بعد کہنے لگے کہ شاہ جی نے جان چھڑا لی ہے تشفی نہیں کی۔ حکیم صاحب سید مودودیؒ کو شاہ جی کہتے تھے۔ میں نے کہا کہ میرے خیال میں دونوں چیزوں کو آپ نے غور سے نہیں پڑھا ایک دفعہ پھر پڑھیں، انہوں نے دوبارہ پڑھا۔ اب ان کو کچھ مزید سمجھ آئی لیکن پوری طرح مطمئن پھر بھی نہ تھے اور جو اعراض اب بھی وہ کر رہے تھے میرے خیال میں اس کا جواب اسی مضمون کے اندر موجود تھا۔ چنانچہ میں نے حکیم صاحب سے عرض کی کہ آپ اس کو ایک مرتبہ پھر سے پڑھیں۔ چنانچہ انہوں نے نہایت غور اور توجہ سے تیسری مرتبہ پڑھا۔ پڑھنے کے بعد بالکل یکسو ہو گئے۔ میں ان کو چھیڑنا نہ چاہتا تھا اور نہ فتح کرنا مقصود تھا، نہ ہی تنگ کرنے سے دلچسپی تھی۔ خاموشی سے ان کی کیفیات پڑھتا رہا۔ حکیم صاحب کچھ کام کاج میں لگ گئے اور تھوڑی دیر کے بعد کہنے لگے کہ میں لاہور جانا چاہتا ہوں تاکہ شاہ جی سے

Marfat.com

ملوں اور ان اعراضات کے علاوہ کچھ دوسرے بنیادی سوالات ہیں جن کے جوابات حاصل کرنا ضروری ہیں ۔ میں نے کہا وہ کون سے سوالات ہیں؟ کہنے لگے کہ میں مسلہ تقدیر اور تناقضِ قرآنی پر بات کرنا چاہتا ہوں۔ حکیم صاحب کی اب رائے یہ بن گئی کہ شاہ جی ایسے انسان نہیں ہیں کہ ان سے محض بحث برائے بحث کی جائے بلکہ ان سے تحقیقِ حقائق میں استفادہ کرنا چاہیے۔

میں نے دوسرے دن اسکول میں ملک عاشق حسین صاحب سے بات کی کہ حکیم صاحب کو نیاز صاحب کے معاملے میں سید مودودی کے جوابات سے اطمینان حاصل ہو گیا ہے۔ البتہ وہ مسئلہ تقدیر اور قرآنی تناقض پر ان سے بالمشافہ بات کرنا چاہتے ہیں۔ ملک صاحب میری بات سن کر کہنے لگے کہ اچھی بات ہے ملاقات ضرور ہونی چاہیے۔ لیکن آج آپ دارالمطالعہ سے جاتے وقت سید مودودیؒ کی کتاب " مسئلہ جبرو قدر" لیتے جائیں۔ وہ اس کا مطالعہ کر لیں پھر اگر کوئی پہلو تشنہ رہ جائے تو لاہور جا کر رو برو بات کر لیں۔ میں کتاب لے کر حکیم صاحب کے پاس پہنچا ۔ انہوں نے قدرے حیرت سے دیکھا اور پھر وقفے وقفے سے اس کا مطالعہ کرنے لگے۔ میں تو انہیں کتاب دے کر لاتعلق ہو گیا۔ دو تین دن کے بعد میں نے حکیم صاحب سے پوچھا کہ مطالعہ کر لیا ہے؟ کہنے لگے ہاں مطالعہ کر لیا ہے۔اور پھر کہا کہ میرے دل میں جو جو اعتراضات اس مسئلے پر موجود تھے ان سے کہیں زیادہ شاہ جی نے خود اعتراضات قلم بند کئے ہیں اور پھر ان کے جوابات بھی تسلی بخش دیئے ہیں۔ اب حکیم صاحب کو شاہ جی سے ملاقات کی خواہش نہ رہی تھی۔ اس کے بعد تو مجھے ایک اسلحہ گویا ہاتھ لگ گیا۔ دورانِ گفتگو جب کسی

Marfat.com

بات پر حکیم صاحب کوئی اعتراض کرتے تو میں اس کھوج میں لگ جاتا کہ اس کا جواب بھی شاہ جی کی تحریروں میں تلاش کروں تا کہ حکیم صاحب کو پڑھوا سکوں کیونکہ میری رائے میں شاہ جی کا اسلوبِ تحریر حکیم صاحب کے مزاج کے عین مطابق تھا۔ چنانچہ میں نے سید مودودیؒ کی اکثر کتب خرید لیں جن میں سے "رسائل و مسائل" میری ضرورت کیلئے موزوں ترین تھی۔

حکیم صاحب کی گفتگو میں اب جارحیت باقی نہ رہی تھی اب وہ دین کے کسی پہلو پر جب تنقید کرتے تو ان کے دل میں یہ جھجک موجود ہوتی کہ کہیں میں ان کی تنقید کا جواب ڈھونڈ کر نہ لے آؤں اور جب میں لاتا تو حکیم صاحب اکثر اوقات عدمِ فرصت کے بہانے سے پڑھنے سے گریز کرتے تو میں انہیں خود ہی پڑھ کر وہ تحریریں سنانا شروع کر دیتا۔ البتہ وہ سن کر کبیدہ خاطر نہ ہوتے بلکہ خوشی کا اظہار کرتے اور جہاں ضرورت ہوتی داد بھی دیتے۔ یہ سلسلہ تین چار سال پر محیط رہا۔ حتیٰ کہ حکیم صاحب اکثر یہ کہا کرتے کہ قاری جی آپ کانوں کے راستے علم دیتے ہیں۔

میرا خیال یہ ہے کہ حکیم صاحب اس طویل فکری تطہیر کے بعد معمولاتِ دین کے بارے میں یکسو ہو گئے۔ اب ان کی حیثیت معترض کی سی نہ تھی بلکہ کسی حد تک احساسِ زیاں کی کیفیت ان کے قلب و دماغ میں پیدا ہو رہی تھی۔ ملحد حضرات کے ڈالے ہوئے پردے ان کے ذہن کی سکرین سے سرک رہے تھے۔ اور جب اسلام کا تصور مفسدین کے اچھالے ہوئے کیچڑ سے شاہ جی کی تحریروں کی بدولت صاف ہو گیا تو عجیب بات یہ ہے کہ شاہ جی کی علمی عظمت کے تو وہ معترف رہے۔ لیکن دینِ اسلام کے وہ نمونے جو انہوں

Marfat.com

نے عہدِ طفلی میں دیکھ رکھے تھے ان کی محبت کا حقیقی مرکز بن گئے اور ان ہی کا نمونہ حیات ان کا آئیڈیل قرار پایا۔ ایک دن حکیم صاحب کہنے لگے کہ 1945ء کی ایک رات میں نے خواب دیکھا۔ جس میں اپنے دادا جان کو بھون اور رتہ شریف کے راستہ میں جہاں عموماً "توتاں" والے صاحب کیلئے ایصالِ ثواب کیا جاتا ہے، پایا۔ چونکہ یہ وقت میرے لئے فکری طور پر بے حد پراگندگی اور انتشار کا تھا۔ میں نے اپنے دادا جان مفتی امام الدینؒ سے عرض کی کہ میرا دل و دماغ کشمکش کا شکار ہے ان کا کیا علاج کروں؟ تو انہوں نے جواب میں صرف اتنا فرمایا " مودودی صاحب "۔ جب میری آنکھ کھلی تو دادا جان کی بات ذہن میں محفوظ تھی لیکن میں چونکہ مودودی صاحبؒ سے متعارف نہ تھا اس لئے خواب کی بات کو بھول بھال گیا۔ اب خیال آتا ہے کہ دادا جان کی بات میرے لئے سو فیصد درست تھی۔

حکیم صاحب کے حلقہ احباب کے افراد جو کسی حد تک صاحبِ حیثیت ہوتے وہ آپ کی ذہانت و فطانت اور طبعی استعداد کی بناء پر اس کوشش میں رہتے کہ حکیم صاحب کو معاشی ضروریات کیلئے بہر حال فن طبابت اپنانا چاہئے۔ لوگ اپنے پاس سے مصارف برداشت کر کے شفاء خانہ کھلوانا چاہتے تھے اور متعدد مقامات پر، مختلف شہروں میں شفاء خانوں کا قیام بھی عمل میں آیا۔ لیکن یہ ذریعہ معاش ان کی خواہش سے کم تر رہا۔ اور وہ بالآخر اس کو چھوڑ چھاڑ کر الگ ہو رہے۔ آپ نے 35 منٹگمری روڈ پر " اقبالیہ دواخانہ " کے نام سے قائم کیا۔ دو اڑھائی سال تک اس کو چلاتے رہے۔ اس دوران میں ان کی نظر اپنے کام پر کم رہی البتہ بہت سے علمی لوگوں سے ان کے روابط

Marfat.com

بڑھے۔ اس دوران شوکت تھانوی سے تعلقات استوار ہوئے، احمد ندیم قاسمی سے روابط پیدا کیے، ظہیر بابر اور قتیل شفائی سے دوستی رہی۔ حکیم صاحب کے پڑوس میں ایک جعفری صاحب آ کر ٹھہرے ان کی گفتگو کا انداز اور ان کے خیالات عجیب مضحکہ خیز قسم کے تھے۔ حکیم صاحب نے تفنن طبع کیلئے شوکت تھانوی کا تعارف جعفری صاحب سے کرایا ۔ یہ دونوں جعفری صاحب کی باتیں سنتے اور پھر واپس آ کر خوب مذاق اڑاتے۔ اور ہنسنے ہنسانے کی محفل قائم رہتی۔

حکیم صاحب کے پاس دواخانے میں ان کے ایک معاون قاضی صاحب بھی تھے اور شوکت تھانوی صاحب سب سے متعارف تھے۔ شوکت تھانوی صاحب کو جعفری صاحب کا کردار اور انداز کچھ ایسا بھایا کہ انہوں نے قاضی جی کے نام سے ایک پروگرام ریڈیو پاکستان لاہور سے شروع کیا۔ یہ پروگرام نہایت دلچسپ ہو تا تھا ۔ یہ سارے پروگرام کتابی شکل میں تین چار جلدوں میں قاضی جی کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ اس پروگرام کے پس منظر میں انداز جعفری صاحب کا تھا نام صرف حکیم صاحب کے قاضی جی کا استعمال ہوا ہے۔

حکیم صاحب نے ایک دواخانہ انارکلی لاہور میں بھی قائم کیا جہاں وہ شعیب گیلانی کے نام سے مشہور ہوئے۔ یہ دواخانہ بھی ایک سال سے زیادہ قائم نہ رہا۔ اس کے بعد ایک اور دواخانہ انہوں نے شاہ عالم مارکیٹ لاہور میں کھولا۔ جہاں آپ کا نام دواخانے کے بورڈ پر " دانا بابا کستوری" لکھا ہوا تھا۔ میں نے اس کی وجہ تسمیہ پوچھی تو کہنے لگے میں نے پینٹر کو دانا بابا

Marfat.com

کنٹوری لکھ کر دیا تھا لیکن اس نے غلطی سے کستوری لکھ دیا۔ یہ دواخانہ بھی بمشکل ایک سال قائم رہا اسی نسبت سے آپ کے چھوٹے بھائی مفتی عبدالقدوس ہاشمیؒ حکیم صاحب کو اکثر دانا بابا کے نام سے ہی پکارا کرتے۔

اس کے بعد حکیم صاحب کے احباب نے کسی دواخانے کے قیام کیلئے اصرار کرنا چھوڑ دیا۔ اب ان کی حکمت جزوقتی، مسافرانہ اور موبائل طرز کی ہوکر رہ گئی۔ ان کی ساری توجہ اورتگ ودوسونے کی تلاش کیلئے وقف تھی اوراس کام کی حقیقت یہ ہے۔

دریں ورطہ کشتی فروشد ہزار

کہ پیدانہ شد تختہء برکنار

(اس بھنور میں ہزاروں کشتیاں ڈوبیں جن کا ایک تختہ بھی دوبارہ ساحل تک نہ پہنچا)۔

یہ عجیب بات ہے کہ انتہائی بے سروسامانی کے باوجود اور گوہر مقصود کی نایابی کے باوصف حکیم صاحب کے مزاج کی تروتازگی، ان کے خیالات کی پرواز، انکی گفتگو کی دلکشی اور ان کی انجمن آرائی کی خصوصیت میں سرموفرق نہیں آیاتھا۔ اطمینان قلب کی دولت سے وہ مالا مال تھے۔ شاید ان کے سرمایہ علم وادب نے انہیں دنیا سے بے نیاز کردیا تھا۔ کسی ملنے والے کو ان کی باطنی کیفیت اور روحانی فکر مندی کا احساس تک نہیں ہوتا۔ حکیم صاحب کی محفل میں جو بھی بیٹھتا معلومات کا ایک ذخیرہ جمع کرلیتا۔ کسی بھی موضوع پر بات کرتے ہوئے موزوں الفاظ سے گفتگو کو سجانا اور مختلف اشعار اور اقوال سے اسے آراستہ کرنا اور پھر ایک نقطہ عروج پر پہنچ کر بات ختم کردینا سامعین

Marfat.com

کو حیرت میں ڈال دینے کے لیے کافی ہوتا تھا۔ کوئی بھی ذہین اور باشعور آدمی ان کی گفتگو کے سحر سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ حکیم صاحب اپنے والدگرامی حضرت مفتی عطاء محمد کی مجلس میں جب گفتگو کررہے ہوتے توانکے طرز گفتگو سے یہ پتا چلتا جیسے دوہم سبق یادو بھائی آپس میں مصروف گفتگو ہوں حضرت مفتی صاحبؒ نے ایک دن حکیم صاحب کی غیر حاضری میں فرمایا کہ عبدالرزاق بہت لسان یعنی زبان آور ہے۔

حکیم صاحب کو خوش الحانی ورثے میں ملی تھی اور مختلف لہجے اور سر انہوں نے اپنے پرسفر تجربات سے سیکھ لئے تھے۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ وہ کبھی دھیمے سروں میں اور کبھی کبھار خوب کھل کر اقبال' غالب اور دوسرے شعراء کا کلام پڑھتے اور دوسروں کو سناتے۔ اس لئے ان کے ساتھ رہنے والوں کو جہاں دل آویز سر سننے کو ملتے وہاں بلامطالعہ اور کسی محنت کے بغیر ان گنت اشعار بھی ازبر ہوجاتے۔ حکیم صاحب کے استاد حکیم خادم علی سیالکوٹی نے ایک دفعہ کسی سے ان کا تعارف کراتے ہوئے کہا تھا کہ حکیم صاحب قرآن کے بھی حافظ ہیں اور اقبال کے بھی حافظ ہیں اور یہ تبصرہ سوفی صد درست تھا۔

حکیم صاحب نے اپنی زندگی میں بے حد نشیب وفراز دیکھے' مختلف روپ دھارے' گرم وسرد سے واسطہ پڑا، لیکن انہوں نے مختلف نقابوں کے پیچھے اپنی اصل شخصیت کو کبھی مسخ نہ ہونے دیا اپنے عزیزواقارب سے محبت کا رشتہ ہمیشہ قائم رکھا۔ اکابرین اسلام کے احترام میں کبھی فرق نہ آنے دیا۔ اپنی بظاہر بے عملی کے باجود سحر خیزی کو کبھی ترک نہ کیا۔ اللہ سے ایک طرح کی ہم

Marfat.com

کلامی کا سلسلہ تازیست جاری رکھا اور اتفاق سے اگر کبھی ان کے معاملات میں ناغہ ہوا تواسے شدت سے محسوس کیا۔ تنہائی میں اپنی کوتاہیوں پر اکثر اللہ کے حضور آنسوؤں کے موتی نچھاور کیے۔ غالباً یہی سبب تھا کہ وہ ایک خاص باطنی قوت کے مالک تھے۔

برادرِ عزیز عنایت احمد صاحب کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ خشک سالی تھی سردیوں کا موسم تھا خشکی کی وجہ سے ہر طرف دھول اڑ رہی تھی۔ بیماریاں پھیلی ہوئی تھیں۔ میں نے کہا حکیم صاحب دعا کریں بارش ہو۔ تاکہ ذرا سکون ہو۔ حکیم صاحب کہنے لگے بارش کیسے ہوسکتی ہے۔ میرے پاس مفلر، سویٹر اور سردیوں کا دوسرا ضروری سامان بھی نہیں ہے اسلئے ابھی بارش نہیں ہوسکتی۔ عنایت احمد صاحب نے کہا ماموں جان یہ کیا مشکل ہے۔ ابھی راولپنڈی جاتے ہیں وہاں سے یہ ضروری سامان لے لیں گے۔ شام کو یا کل واپس آجائیں گے۔ چنانچہ وہاں جاکر انہوں نے سامان لیا اور واپس بھون آنے کی بجائے ہوٹل میں ایک کمرہ لیکر وہیں ٹھہر گئے۔ رات کو خوب بارش ہوئی عنایت احمد صاحب کہتے ہیں کہ ہمیں رات کو کچھ پتا نہ چلا البتہ جب صبح اٹھے تو دیکھا کہ ہر طرف پانی ہی پانی ہے، درودیوار دھل چکے ہیں اور اشجار باران رحمت سے نکھر چکے ہیں۔

حکیم صاحب اقبال کو جب پڑھتے تو اس طرح گم ہو جاتے محسوس یہ ہوتا گویا اقبال کے افکار ان کے اپنے ذہن کے ترجمان ہیں۔ اور اقبال کی شکایات حکیم صاحب کی دل کی آواز ہیں۔ چنانچہ جب کبھی وہ اپنی مخصوص لے میں اقبال کا یہ شعر پڑھتے۔

Marfat.com

او چمن زادے چمن پر وردۂ

من دمیدم از زمین مردۂ

اقبال نے اس افسوس کا اظہار کیا تھا کہ گوئٹے تو جرمنی کے چمنستانوں میں پلا بڑھا اور میں بھی اسی فکری قافلے کا ایک فرد ہوں ۔ لیکن میں ہندوستان کی مردہ سرزمین پر پیدا ہوا ۔ گوئٹے کی قیمت لگ گئی لیکن میرا قدردان کوئی نہیں ۔ حکیم صاحب اس شعر کو اپنے حسب حال سمجھ کر پڑھا کرتے اور ماحول میں ایک خاص کیفیت پیدا کر دیتے ۔

حکیم صاحب کو اپنے استاد حکیم صاحب خادم علی سیالکوٹی سے خاصا قلبی تعلق تھا انہوں نے اپنے استاد کی تعریف میں ایک نظم بھی لکھی جس کا ایک شعر تھا۔

میں خادم، خادم اس خادم علی کا

جو ہے ہم پایہ طب میں بوعلی کا

اتفاقاً مجھے سیالکوٹ بسلسلہ ملازمت جانا پڑا ۔ میں نے حکیم صاحب کو لکھا کہ آپ آئیں آپکے استاد صاحب کا بہت اچھا مقبرہ تعمیر ہو چکا ہے ۔ مل کر جائیں گے اور دیکھیں گے حکیم صاحب سیالکوٹ پہنچ گئے ہم شام کے وقت تانگے میں بیٹھ کر قبرستان گئے تو سڑک کے کنارے خادم علی کے مزار کی طرف جانے والے راستے پر ان کا ایک قطعہ لکھا ہوا دیکھا جسے حکیم صاحب غور سے پڑھتے رہے قطعہ یہ تھا :

بندہ خدا کا امتی پیارے نبی کا ہوں

حسنین کا غلام ہوں خادم علی کا ہوں

Marfat.com

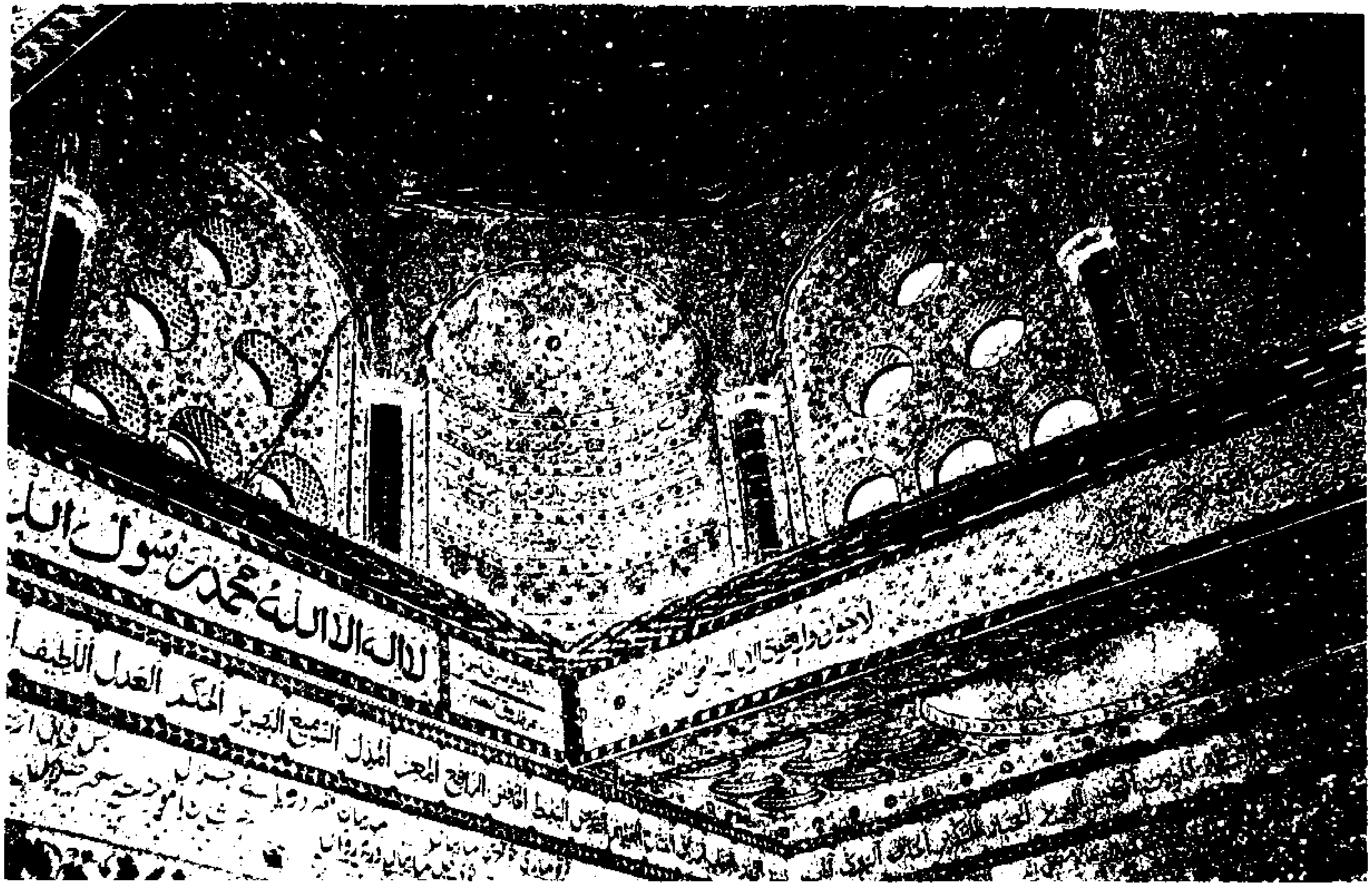

روضہ شریف کا اندرونی منظر

Marfat.com

Marfat.com

نسبت ہے میری حضرت عبدالکریم سے

حلقہ بگوش میں اسی کامل ولی کا ہوں

اسے پڑھ کر حکیم صاحب کہنے لگے میرے استاد جی کی بیعت تو حافظ عبدالکریم صاحب راولپنڈی عیدگاہ والوں سے تھی لیکن حقیقت میں ان کے پیر صحبت حضرت پیر جماعت علی شاہ صاحب تھے اور ان کی آمدورفت بھی زیادہ تر علی پور شریف ہی رہتی تھی۔ بہرحال ہم روزے پر حاضر ہوئے' نیا نیا بنا تھا بہت صاف ستھرا لگ رہا تھا۔ میں نے فاتحہ وغیرہ پڑھی۔ حکیم صاحب میرے ایصال ثواب کے دوران ادھر ادھر گھوم پھر کر مقبرے کا جائزہ لیتے رہے۔ اور جب میں باہر آنے لگا تو وہ بغیر فاتحہ پڑھے باہر نکل آئے۔ میں نے پوچھا حکیم صاحب آپ نے استاد جی کی فاتحہ نہیں پڑھی۔ کہنے لگے میں نے استاد صاحب سے ایک دن پوچھا تھا کہ استاد جی آپ نے مرنا کب ہے؟ تو استاد صاحب نے جواب میں یہ شعر پڑھا تھا۔

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

(جس کا دل عشق سے زندہ ہو جاتا ہے وہ ہرگز ہرگز نہیں مرتا۔ دنیا کی کتاب پر ہماری ہمیشہ کی زندگی لکھ دی گئی ہے۔) حکیم صاحب کہنے لگے کہ اب میں ایسے شخص کا فاتحہ کیسے پڑھوں۔

دراصل حکیم صاحب اندر سے سخت مغموم ہو چکے تھے۔ نہ جانے ماضی کی کتنی حسین یادیں ان کے ذہن کی سکرین پر ابھر رہی تھیں جن کی خلش نے ان کے دماغ میں ایک ہلچل سی برپا کر رکھی تھی جس کے اثرات ان کے چہرے

Marfat.com

سے ہویدا تھے۔ میں ان کی رقت قلبی بھانپ کر خاموش ہوگیا۔

حکیم صاحب نے اپنی پسندیدہ شخصیات کی درجہ بندی کررکھی تھی۔ کچھ شخصیات کے کمالات کے صرف معترف تھے جن میں غالب' جوش' حالی' نظامی' فردوسی' عراقی اور سعدی وغیرہ شامل تھے اور کچھ لوگوں سے وہ پیار کرتے تھے جن میں علامہ اقبال' اکبرالہ آبادی' مولانا ظفرعلی خان اور وارث شاہ وغیرہ شامل تھے اور بعض شخصیات ان کیلئے عقیدت کا مرکز تھیں جن میں ان کے داداجان مفتی امام الدینؒ' حضرت مجدوالف ثانی اور میاں بندیؒ ضلع خوشاب شامل تھے اور جو ہستی پاک ان کی روح کی گہرائیوں میں اتری ہوئی تھی وہ حضور سرور کونینﷺ کی ذات مقدسہ تھی۔ والدہ ماجدہ حکیم صاحب کی چھوٹی بہن تھیں۔ وہ جب حج کے لیے روانہ ہورہی تھیں تو حکیم صاحب نے ان کو پیغام دیا کہ حضور اکرمﷺ کے روضہ اطہر پر جاکر عرض کرنا :

اے شفیع المذنبین اے رحمتہ اللعالمین

میں خطا کی انتہا ہوں تو عطا کی انتہا

یہ شعر پڑھا اور آنسوؤں کی بارش کردی۔

ایک دن بیٹھے بٹھائے خیال آیا اور میں نے حکیم صاحب سے پوچھ لیا کہ حکیم صاحب آپ کے پیرکون تھے؟ آپ کی بیعت کس سے تھی؟ حکیم صاحب نے یہ بات سن کر بے حد ندامت اور شرمندگی کی کیفیت میں کہا کہ میرے پیرتو بہت ہی کامل تھے یعنی حضرت غلام حسین ڈھڈویؒ۔

عجیب بات ہے کہ حکیم صاحب نے یہ بات از خود کبھی کسی کو نہ بتائی اور نہ ہی اپنے پیر کا کسی محفل میں تذکرہ کیا۔ شاید وہ اپنا وجود ایک مرید کی

Marfat.com

حیثیت سے اپنے پیر کے لیے باعث عار سمجھتے تھے۔ یہ میرا اپنا خیال ہے ممکن ہے کوئی اور سبب ۔ہوالبتہ اس میں کوئی شک نہیں کہ اعلیٰ حضرت للٰہی ؒ کے خلفاء میں سب سے معتبر اور مؤقر نام حضرت ڈھڈوی ؒ کا ہی ہے۔ حضرت ڈھڈوی ؒ کا تعارف صاحبزادہ محمد مقصود الرسول صاحب کی زیر ترتیب کتاب میں تفصیلی طور پر جلد ہی منظر عام پر آجائے گا ۔ انشاء اللہ

حکیم صاحب کے ایک ہی بیٹے حافظ مشتاق الرحمٰن تھے'جو شادی کے بعد عین عالم شباب میں دو ننھے ننھے بچے چھوڑ کر اللہ کو پیارے ہوگئے۔ حکیم صاحب کی دو بچیاں ہیں جو بقیدحیات اور خوش وخرم ہیں۔ حیرت ہوتی ہے کہ حکیم صاحب نے اپنے بیٹے کی جواں مرگی کو کس طرح برداشت کیا۔ کسی بے صبری کا قطعاً مظاہرہ نہ کیا اور کوئی حرف شکایت زبان پر نہ آیا۔ آپ کے دونوں پوتے (احمد ندیم اور احمد نعیم) ایم اے کرنے کے بعد پنجاب بینک اور مسلم کمرشل بینک میں ملازمت کرر ہے ہیں' صاحب اولاد ہیں اور لاہور میں رہائش پذیر ہیں ۔

حکیم صاحب کی زبان سے اکثر سننے میں آتا کہ میں ایک کتاب لکھنا چاہتا ہوں جس کا نام ''تجربہ''ہوگا اور جسمیں میں اپنے لاتعداد اور مختلف النوع تجربات کو قلمبند کروں گا ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر حکیم صاحب کتاب لکھ ڈالتے تو پڑھنے والوں کے لئے ایک انوکھی کتاب ہوتی لیکن کئی برس گزرنے کے بعد بھی جب انہوں نے کتاب لکھنے کا آغاز نہ کیا تو ایک دن میں نے کہا کہ حکیم صاحب کتاب کب شروع کرر ہے ہیں ؟ بہت تاخیر ہوچکی ہے ۔حکیم صاحب میری بات سن کر کہنے لگے کہ اس دنیا میں ہر شخص ایک

Marfat.com

افسانہ ہے اور ہر آدمی ایک کتاب ۔ تم کس کس سے لکھواؤ گے اور کن کن پر لکھو گے ۔ غالباً حکیم صاحب کے ذہن پر دنیا کی افسانوی حقیقت کا انکشاف زیادہ گہرائی سے ہو چکا تھا اور اب وہ اس کو کار بے سود سمجھنے لگے تھے ۔

ع ۔ خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

قاضی حافظ فضل حسین صاحب موضع شاہ پور نزد منوال بقید حیات ہیں وہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے گاؤں میں تقریباً سب شیعہ فرقے کے لوگ آباد ہیں۔ سنی مسلمانوں کے صرف چار گھر ہیں ۔ ایک سنی چوہدری شیعیت کی طرف مائل ہو گیا۔ اس کی بیوی اس بات سے سخت پریشان تھی اس نے ایک خاتون کے ذریعے مجھے کہلوایا کہ میری اس پریشانی کا حل دریافت کرو۔ قاضی صاحب مذکورہ علاقے کی سب سے محترم شخصیت حضرت مفتی عطا محمدؒ کو وعظ و تلقین کے لیے لے گئے ۔ حکیم صاحب بھی اپنے والد گرامی کے ساتھ تھے چوہدری کو بلایا گیا مفتی صاحب نے نہایت عالمانہ اور شریفانہ انداز میں کچھ باتیں ارشاد فرمائیں لیکن چوہدری کے دل پر کوئی خاص اثر دکھائی نہیں دے رہا تھا اسی اثناء میں حکیم صاحب مفتی صاحب کی اجازت سے چوہدری صاحب کو الگ کمرے میں لے گئے اور خوب کھل کر شیعت کے اسلام کے لیے مضر اثرات اور شیعوں کے نظریات پیش کیے ۔

چوہدری صاحب کچھ ایسے مطمئن ہوئے کہ جوش میں آ کر اٹھے اور قاضی صاحب سے کہا چلو مسجد چلیں' ظہر کا وقت ہو رہا ہے مسجد میں جا کر چوہدری صاحب نے خود اذان کہی اور پھر انہوں نے کثیر شیعہ برادری کے باوجود شیعت کی طرف کبھی پلٹ کر نہ دیکھا ۔

Marfat.com

میرے ایک دوست اور رفیق کار جناب حیدر علی حیدر جو حیدر آباد دکن کے رہنے والے تھے' میرے ساتھ فیض الاسلام ہائی سکول راولپنڈی میں ڈرائنگ ٹیچر تھے۔ فاضل اردو اور فاضل عربی بھی تھے۔ حیدر آباد دکن کی رضا کارفورس کے کپتان بھی رہے تھے جب انڈیا نے پولیس ایکشن کیا تو وہ کسی طرح بچ کر پاکستان آ گئے مولانا مسعود عالم ندوی کے شاگرد ہوگئے عاصم حدادا نکے ہم درس تھے حیدر صاحب کومختلف ادیان کی تحقیق اور تفتیش کا شوق تھا اور ان کی علم دوستی میرے لئے دبہ کشش تھی۔ ہم دونوں فیض الاسلام میں اور پھر اسلامیہ ہائی سکول چکوال میں ایک ساتھ ٹیچر رہے۔ کچھ عرصہ کے لیے ہم ایک دوسرے سے الگ ہوگئے۔ میری غیر حاضری میں حیدر صاحب کے عیسائیوں سے تعلقات بن گئے اور جب میں واپس آیا کچھ دن ساتھ رہنے کے بعد یہ شک ہوا کہ اب حیدر صاحب نماز بھی نہیں پڑھتے' عیسائی کتب انجیلیں وغیرہ بھی انکے دائیں بائیں موجود ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ انہوں نے اندر ہی اندر تنگدستی اور پریشاں حالی کے ہاتھوں مجبور ہو کر عیسائیت کوقبول کرلیا ہو اس خدشے کا اظہار میں نے حکیم صاحب سے کیا انہیں بڑی حیرت ہوئی میرے ساتھ چل پڑے اور سیدھے حیدرصاحب کے کمرے میں جاکران سے کہنے لگے کہ بھائی تم ان کتابوں کوکیوں پڑھتے ہو: ن میں کیا رکھا ہے؟ یہ توبالکل بے سروپا اور لغو باتیں ہیں ان کی حقیقت مجھ سے پوچھو۔ میں جوا تنا وقت برباد کرچکا ہوں۔ اس کے بعد حکیم صاحب نے چاروں انجیلوں کے اقتباسات اور آیات ایک ایک کرکے کھول کردکھائیں اور پڑھ کر سنائیں۔ پھر کہا کہ خود انصاف کرو کیا یہ اللہ کا کلام ہوسکتا ہے۔ کیا اللہ کے کلام میں

Marfat.com

ایسی لچر باتیں کبھی راہ پا سکتی ہیں ۔ گھنٹے بھر حکیم صاحب کی گفتگو کی بارش کے بعد حیدر صاحب کے خیالات اور نظریات دھل دھلا کر صاف ہوگئے اور ان کی زندگی اپنی پہلی نہج پر استوار ہوگئی ۔عیسائیت کی محبت کی وجہ سے ان کے چہرے پر جو نحوست سی چھا چکی تھی وہ بھی دور ہوگئی ۔

میں اگست **1977**ء میں عمرے پر سعودیہ گیا اور وہاں پر ہی ملازمت اختیار کر لینے کے بعد رک گیا۔ حکیم صاحب کو میرا سعودیہ کا قیام پسند نہیں تھا لیکن مجھ جیسے ایک عام مسلمان کے لئے وہاں ٹکنا سعادت مندی کی بات تھی اور ملازمت کا سلسلہ بھی بن جانا تو مزید خوش قسمتی تھی لیکن حکیم صاحب میرے وہاں کے قیام پر کشادہ دل نہ تھے ۔ شاید یہ وجہ ہو کہ وہ عمر کے اس حصے میں پہنچ چکے تھے جہاں پہنچ کر کسی بھی وقت زندگی کی بازی ہار جانے کا دھڑکا لگا رہتا ہے اور مجھے وہ شاید ایک سہارا تصور کرتے ہوں کیونکہ اب وہ بجا طور پر اکثر گنگنایا کرتے :

مضمحل ہو گئے قویٰ غالب ؎

اب عناصر میں اعتدال کہاں

حالانکہ حکیم صاحب تو ایسے تھے کہ لاہور میں بیٹھے ہوئے کسی نے ذکر کیا کہ آجکل پنڈی میں راجہ بازار کے پنڈی ہوٹل میں نہایت لذیز چائے بن رہی ہے تو وہ صرف چائے پینے کے لئے لاہور سے راولپنڈی پہنچ گئے اور تقسیم سے قبل تو حضرت مجدد الف ثانیؒ کے روضۂ مبارک کے باغ سے صرف ایک مالٹا کھانے کے لیے لاہور سے ہر دوسرے روز سرہند شریف پہنچ جایا کرتے تھے بہرحال عمر اور وقت کے ساتھ ہمت بھی جواب دے جایا کرتی

Marfat.com

ہے۔

میں جب جدہ شریف میں تھا تو میرے بڑے بیٹے راغب احمد فاروق نے حکیم صاحب کی ایک کیسٹ ریکارڈ کر لی جس میں مختلف اشعار اور طرزیں محفوظ ہوگئی ہیں ۔ یہ کیسٹ ایک ایسی یادگار ہے جس کو ہم مذاق افراد کے ساتھ ہی رغبت کے ساتھ سناجاسکتا ہے اکیلے میں سننا مجھ جیسے آدمی کے لیے برداشت سے باہر ہے ۔

میرے جدہ شریف کے قیام کے دوران والدہ ماجدہ اور چھوٹے ماموں جان جناب مفتی عبدالقدوسؒ اپنی علالت کے باجود حج کے لئے تشریف لے گئے حج سے واپسی پر ہاشمی صاحب کی بیماری بہت بڑھ گئی حکیم صاحب کو باقی افراد خانہ سے زیادہ تشویش لاحق ہوگئی اور والدہ ماجدہ مرحومہ کے قول کے مطابق ایک دن صبح حکیم صاحب کہنے لگے کہ عبدالقدوس ٹھیک ہوجائے گا میں نے اللہ سے دعا مانگی ہے جو قبول ہوگئی ہے اور دعا حکیم صاحب نے کیا مانگی تھی ۔کہ یا اللہ میں توایک بیکار اور بے فائدہ انسان ہوں عبدالقدوس نے تو پوری خاندانی روایات کے ساتھ برادری کو بھی اور مریدین کو بھی سنبھال رکھا ہے تو میری بقایا زندگی اسے دے دے اور اللہ نے یہ دعا قبول کرلی۔ چنانچہ ہاشمی صاحب تندرست ہوگئے اور کچھ دنوں کے بعد حکیم صاحب پر دل کے دورے کا حملہ ہوا ۔ وہ اپنی ہمشیرہ صاحبہ سے ملاقات کی خاطر للہ شریف پہنچے ہوئے تھے، ڈاکٹر کو بلایا گیا اس نے ٹیکہ لگایا کچھ افاقہ نہ ہوا ۔ حکیم صاحب اسی حالت میں ہمشیرہ کے قریب بچھی ہوئی چار پائی پر جاکر لیٹ گئے، اپنے کپڑوں کو درست کیا جیب سے کاغذات وغیرہ نکال کر ہمشیرہ صاحب کے

Marfat.com

ہاتھ میں دیئے اور ہاتھ سیدھے کر کے خاموش ہو گئے۔ بغیر کسی تکلیف کے روح پرواز کر چکی تھی اور ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی ۔

انا لله و انا الیه راجعون.

حضرت سجادہ نشین صاحبزادہ محمد مطلوب الرسول مدظلہ العالی نے مجھے گرامی نامہ ارسال کیا اور تحریر فرمایا کہ میاں محمد زاہد صاحب نے حکیم صاحبؒ کی میت کو دیکھ کر بے اختیار علامہ اقبال کا یہ شعر پڑھا تھا:

نشان مرد مومن باتو گویم

چو مرگ آید تبسم بر لب اوست

میرے لئے زاہد صاحب کا یہ تبصرہ غیر متوقع نہ تھا اس لئے کہ حکیم صاحب فارسی کی یہ رباعی پڑھا کرتے تھے اور اس میں ان کے انجام کی خبر ہی تو تھی :

یاد داری کہ وقت زادن تو

ہمہ خندان بدندو تو گریاں

آنچناں زی کہ وقت مردنِ تو

ہمہ گریاں شوندو تو خنداں

(تجھے یاد ہے کہ تو جب پیدا ہوا تھا سب لوگ ہنس رہے تھے اور تو رو رہا تھا زندگی ایسی بسر کر کہ جب تو مرے تو سب لوگ رو رہے ہوں اور تو ہنس رہا ہو)

حکیم صاحب کی وفات کی اطلاع سب سے پہلے مجھے راغب کی طرف سے تقریباً ایک مہینہ بعد ملی۔ کیونکہ امی جان مرحومہ کا خیال یہ تھا کہ

Marfat.com

عبیداللہ کو سخت تکلیف ہوگی اور پردیس میں ایسے صدمات برداشت کرنا اور زیادہ مشکل ہوتا ہے اس لئے اسے اطلاع نہ دی جائے اور حقیقت میں جب مجھے اطلاع ملی تو میرے لئے یہ خبر قیامت سے کم نہ تھی۔ میں نے تو کبھی یہ تصور تک نہ کیا تھا کہ حکیم صاحب اس تیزی سے موت کو لبیک کہہ دیں گے وہ تو سراپا زندگی تھے۔ مرجھائے ہوئے لوگوں کو کھلا دینا انکا کام تھا' غم زدوں کو مسکراہٹیں دیا کرتے تھے' ناامید لوگوں کے دلوں میں امید کے چراغ جلایا کرتے تھے۔ اب وہ خود کیسے یکایک شہر خموشاں کے مکیں ہوگئے لیکن اس کارگاہ حیات کا وطیرہ یہی ہے:

ع نے مجال شکوہ ہے نہ طاقت گفتار ہے!

میں حکیم صاحب کی زندگی کے متعلق جب سوچتا ہوں تو ہر سمت لفظ کاش بکھرا دکھائی دیتا ہے۔ کاش کہ ان کی صلاحیتوں کا ابتداہی سے ادراک کر لیا جاتا۔ کاش ان کی ذہنی الجھنوں کو محبت سے سلجھادیا جاتا ہے کاش انہیں مذہبی تحقیق وتفتیش کیلئے گھر سے نکل کر دربدر نہ ہونا پڑتا کاش ان کی ازدواجی زندگی میں بھرپور ہم آہنگی ہوتی۔ کاش ان کے سینے میں ایک انسان دوست دل نہ ہوتا۔ کاش وہ اس دنیائے رنگ وبو کی بھی کچھ قدر وقیمت کرتے۔ کاش دنیاوی کامیابی کیلئے مستقل مزاجی اختیار کرتے۔ کاش کہ وہ کیمیا گری کے بے فائدہ چکر میں نہ پھنستے۔ کاش انہیں عباسی خلفاء کا علم پرور دور نصیب ہوتا۔ لیکن اگر یہ سب کچھ ہوتا تو حکیم صاحب باطنی طور پر وہ مقام کبھی حاصل نہ کرپاتے جس نے انہیں اعلیٰ حضرت للہ شریفؒ کے جوار میں آخری آرام گاہ کا شرف عطا کردیا دنیاوی مقصد بے دقعت ناکامیوں کے بدلے میں یہ عظیم

Marfat.com

الشان کامیابی ہے:

ع یہ اس کی دین ہے جسے پروردگار دے!

حکیم صاحب کی جیب میں جو کاغذات تھے ان میں میرے نام ایک منظوم رقعہ بھی تھا جو وہ خود پوسٹ نہ کر سکے لیکن جناب حضرت صاحبزادہ محمد مطلوب الرسول سجادہ نشین للہ شریف نے کمال مہربانی سے مجھے جدہ شریف وہ خط پہنچایا۔ وہ خط کچھ اس طرح سے تھا:

اے عبیداللہ عزیز از جان بیا
اے مربی راغب وعمراں بیا
ترک کن مکہ سوئے رتہ بیا
تا ترا در برکشند حضرت عطاؒ

ان اشعار سے میرے لئے ان کی محبت اور میرے سعودیہ میں قیام پر ان کی بے چینی کا اظہار ہوتا ہے۔ لیکن ان کے احساسات کی خبر مجھے انکی زندگی میں نہ ہو سکی۔

میں ایک مرتبہ رخصت پر پاکستان آیا تو باتوں باتوں میں، میں نے کہا ماموں جان دعا کریں میں آپ کو ایک مرتبہ مدینہ پاک بلاؤں گا کیونکہ وہاں کی حاضری آپ کا ہی استحقاق ہے۔ ہمیں تو بس یوں ہی قسمت کا ایک ریلا وہاں لے گیا ہے۔ جب یہ سنا تو عجیب سی بیقراری کی حالت میں کہنے لگے کہ اللہ کرے مدینہ میں پہنچ کر ہوش وحواس سلامت رہیں۔

حکیم صاحب کی وفات کے بعد ڈاکٹر صاحبزادہ محمد حجتہ اللہ صاحب جب حرم کعبہ میں تشریف لے گئے تو انہوں نے حرم شریف میں حکیم صاحب کو

Marfat.com

بھی دیکھا وہ انہیں غور سے دیکھ رہے تھے اور کھڑے ہوئے مسکرا رہے تھے۔ لیکن صاجبزادہ صاحب ان کی وفات کے بعد زندہ انسانوں کی طرح موجودگی پر کچھ خوف زدہ ہوگئے اور آہستہ آہستہ سرکتے ہوئے حرم شریف سے باہر نکل گئے۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ مرد نہیں مرتے مردود مرتے ہیں البتہ وانتم لا تشعرون۔

افسوس بے شمار سخن ہائے گفتنی
خوف فساد خلق سے ناگفتہ رہ گئے

نوٹ:

حکیم صاحب کی کتاب ''بھونچال برلشکر وجال'' سے ایک اقتباس قارئین کے لیے دلچسپی کا باعث ہوگا ملاحظہ فرمائیں۔

قدیم اور حادث

ہم فرزندان اسلام کا تو یہ عقیدہ ہے کہ واجب الوجود یعنی ذات باری تعالی ہی ازلی اور ابدی ہے۔ باقی تمام انسان عالم محدث ہیں اور جو چیز محدث ہوتی ہے اس کے لئے پیدا کرنے والے کا ہونا لازمی اور ضروری ہے اس لئے کہ اگر اجسام عالم ازلی ہوتے تو ازل میں ہی حاصل ہوتے۔ اور معین احاطہ میں محدود ہوتے کیونکہ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ جسم جب تک جسم ہے کسی احاطہ میں محدود نہ ہو۔ اور جب جسم ازل میں موجود ہوتو اس میں کوئی کلام نہیں کہ وہ ازل میں کسی احاطہ میں حاصل ہو اور وہ احاطہ ضرور معین ہوتا ہے اس لئے کہ جو موجود ہوتا ہے وہ موجودفی نفس معین ہوتا ہے کیونکہ اگر کوئی حیز یعنی احاطہ

Marfat.com

نفس الامر میں موجود ہو اور نفس الامر ہی میں غیر معین تو یہ محال عقلی ہے پس اس بحث سے ثابت یہ ہوا کہ اگر جسم ازلی ہوتو اس کا حصول حیز معین میں ازلی ہوتا ہے۔ مگر یہ محال ہے اس لئے کہ جو ازلی ہوتا ہے اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ فاعل مختار کا فعل ہو وجہ یہ ہے کہ ازلی اسے کہا جاسکتا ہے کہ جو مسبوق بغیر نہ ہوا اور فاعل مختار کا فعل وہ ہوتا ہے جو مستغرق بغیر ہو۔ اور ان دونوں قضیوں کا جمع کرنا محال ہے اور جب یہ باطل ہے تو ضرور ہے کہ جو ازلی ہوگا وہ یا واجب الوجود لذاتہ ہوگا یا اس چیز کا معلول ہوگا جو واجب الوجود لذاتہ ہے اور ان دونوں صورتوں میں عدم اس پر محال ہے تو مطلب کو جو چیز ازلی ہوتی ہے وہ زائل نہیں ہوتی۔ پس اگر حصول معین احاطہ میں ازلی ہوتا تو زوال پذیر نہ ہوتا۔ تو چاہیے تھا کہ کوئی جسم محدث نہ ہوتا ۔ اور جب یہ باطل ہے تو اس سے معلوم یہ ہوا کہ جسم کا حصول حیز ازل میں نہیں ہوتا۔ اور جب اس کا حصول حیز ازلی نہیں تو وجود فی نفس بھی ازلی نہیں اب ثابت یہ ہوا کہ بجز اللہ تعالی کوئی اور دوسرا ازلی اور ابدی خدا نہیں ہوسکتا اور نہ ہی کوئی ازلی کہلانیکا مستحق ہے مگر عیسائیوں کا لچر اور پوچ عقیدہ کہ ہمارا خداوند یسوع مسیح بھی ازلی تھا۔ ہماری دانست میں کسی معقولیت اور حقانیت پر مبنی و مشتمل نہیں بلکہ پولوس کی ایمان فروشی اور نالائقی کا نتیجہ ہے۔ آہ! مسٹر پولوس رسول کی زندہ دلی کے کیا کہنے کسی نے بالکل بجا کہا کہ:

ے لیڈیاں ہرگز نہ بھولیں گی کبھی پولوس کو
کردیا جس نے حراموں کو بھی جائز دیکھیے

حضرت

حافظ

جمال الدین

رحمتہ اللہ علیہ

پیدائش ——————— رتہ شریف

وصال —11 دسمبر 1997ء بروز جمعرات، رتہ شریف

عمر ——————— 82 سال

Marfat.com

Marfat.com

حضرت حافظ جمال الدّین رحمتہ اللہ علیہ

جناب حضرت جمال الدین ؒ حضرت الحاج قاری دین محمد مرشد ثانیؒ کے دوسرے بیٹے تھے۔ آپ والدین کے چہیتے اورفطری لحاظ سے بے شمار خوبیاں لے کر پیدا ہوئے تھے اور اپنے بھائی جناب حافظ عتیق اللہ صاحب کی وفات کے بعد تمام گھر والوں کی خصوصی توجہ کا مرکز بن گئے تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کو خاندانی دستور کے مطابق حفظ قرآن مجید کیلئے مسجد کے مدرس جناب حافظ عبدالکریمؒ کے پاس بٹھایا اور اپنے والد گرامی سے قرآن مجید صرف اس لیے حفظ نہ کروایا کہ ان کا مزاج ذراسخت تھا اور سخت گیری کی وجہ سے کہیں بچہ پریشان نہ ہوجائے اگرچہ آپ کے والد گرامی اپنے جواسال بیٹے کی وفات کے بعد سخت گیر نہ رہے تھےلیکن جناب حافظ عبدالکریم صاحبؒ کی طرح طبیعت میں ملائمت بھی نہ تھی ۔

آپ نے نودس سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کرلیا اور فارسی کتب کی ابتداء بھی آپ کی والدہ ماجدہ کی خواہش کے مطابق حضرت مفتی ثانی جناب عطا محمدؒ سے کرائی گئی ۔ کیونکہ آپ بھی فطرتاً اپنے بڑے بھائی کی نسبت زیادہ مہربان اور نرم خوواقعہ ہوئے تھے۔ چنانچہ آپ نے فارسی کی چند کتاب اپنے چچا حضرت مفتی ثانیؒ کے پاس پڑھیں اور فارسی کی اچھی خاصی استعدادبھم حاصل کر لی ۔ فارسی کے بعد صرف ونحوکی تعلیم حاصل کرنے کے لیے ''کتاب الصرف'' شروع کی ۔صرف کی تحصیل خاص توجہ طلب کام ہے اور آپ زیادہ محنت کرنے کے عادی نہ تھے ۔ بمشکل چھ سات ماہ گزارنے

Marfat.com

کے بعد اس بھاری پتھر کو چوم کر رکھ دیا۔

آپ کے والد گرامی بچے کی تعلیم طرف سے سخت فکر مند تھے لیکن آپ کی والدہ ماجدہ بچے پر سختی کرنے یا گھر سے باہر بچے کو کسی ادارے میں داخل کرانے کی راہ میں شدت سے حائل تھیں۔ چنانچہ آپ کے والد گرامی مسلسل تنبیہ کرتے رہتے اور بقدر ضرورت جھاڑ بھی پلا دیتے لیکن ایک شریف النفس انسان کیلئے گھر کے ماحول کو میدان جنگ میں بدلنا بہرحال ممکن نہیں تھا۔

جناب حافظ جمال الدینؒ نے قرآن مجید تو حفظ کر رکھا تھا لیکن ہر رمضان المبارک کی آمد پر گھر کا ماحول کشیدہ ہو جاتا کیونکہ آپ کے والد گرامی نہایت بلند پایہ حافظ وقاری تھے۔ اس لئے آپ کے قرآن مجید سنانے کے دوران وہ غصے کا اظہار بھی فرماتے۔ محنت کرنے اور اچھی طرح یاد کرنے پر زور دیتے جو آپ کو ناگوار محسوس ہوتا۔ بلکہ ایک مرتبہ تو آپ ختم قرآن سے پہلے ہی اپنے خالہ زاد بھائی جناب عبدالحکیم مرحوم کے پاس گھر سے فرار ہو کر پشاور پہنچ گئے۔ واضح رہے کے وہ وہاں ہائی سکول کے ہیڈ ماسٹر تھے۔ نہایت دانا اور باوقار انسان تھے اور پشاور صدر میں ان کی کتابوں کی دکان بھی تھی جو نہایت شاندار طریقے پر چل رہی تھی۔ آپ وہاں عید تک رہے اور عید کے بعد آپ واپس آئے۔ واپسی کے بعد والد گرامی قدر کا سامنا نہ کیا۔ البتہ والدہ ماجدہ کی نگرانی میں آرام و آسائش کی سہولتیں حاصل رہیں۔ چونکہ عیدالفطر کے سات دن بعد مفتی اعلیٰ حضرت امام الدینؒ کا عرس مبارک نہایت شاندار طریقے سے منایا جاتا تھا اور متواتر چار روز تک لوگوں کی بھیڑ بھاڑ رہتی تھی۔

Marfat.com

اس ہنگامے میں آپ کے والد گرامی کا غصہ فرو ہوگیا اور گھریلو ماحول معمول کے مطابق ہموار ہوگیا۔

یہ درست ہے کہ اگر سبقاً قرآن مجید کو اچھی طرح ازبر نہ کیا گیا ہوتو اسے محفوظ کرنے کیلئے نہایت محنت سے کام لینا پڑتا ہے ۔ چنانچہ آپ نے بھی کئی سالوں کی محنت کے بعد بالآخر قرآن مجید کو ذہن میں محفوظ کرلیا۔ آپ کے گھر کے ماحول میں آپ کے حفظ کرانے والے موجود تھے۔ اٹھتے بیٹھتے' چلتے پھرتے قرآن مجید سے رابطہ رہتا تھا ۔کسی طالب علم کی منزل سننا ہوتی' کسی کا سبق سننا ہوتا اور کسی کو سبق پڑھانا ہوتا۔ جس کے نتیجے میں آپ کی منزل درست ہوگئی اور رمضان المبارک میں دوران تراویح سب سے بہتر لقمہ حفاظ کو آپ ہی دیا کرتے۔ آپ کو اللہ تعالی نے نہایت اچھی آواز سے نوازا تھا ۔وہ مختلف لہجوں اور طرزوں میں قرآن مجید کی تلاوت کرسکتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ جب سرہند شریف کے عرس مبارک سے واپس آئے تو تلاوت کلام پاک کی نئی طرز انہوں نے مجھے بھی ایک دودن تک بار بار پڑھ کر اور پڑھوا کر ذہن نشین کرائی اور اس کے بعد اسی طرز میں مختلف مواقع پر آپ کے والد گرامی کی فرمائش میں تلاوت کیا کرتا رہا اور آپ بہت خوش ہوتے تھے ۔

آپکا ماحول مختلف علوم سے آراستہ تھا۔ آپکے چچا جان کے پاس فارسی صرف ونحو' فقہ' حدیث' تفسیر'منطق اور علم معانی کے طلباء ہمہ وقت موجود ہوتے اور طلباء اپنی عادت کے مطابق آپس میں اسباق کودہراتے اور سناتے رہتے اور ہرطالب علم اورپاس بیٹھنے والا اپنے سبق کے علاوہ دوسرے اسباق

Marfat.com

سے بھی آگاہ اور واقف ہوجاتا۔ علاوہ ازیں آپ کے والد گرامی چونکہ ایک ماہر اور حاذق حکیم بھی تھے۔ مریضوں کو دیکھنا 'امراض کی پہچان' دواؤں کی شناخت اور دوا سازی کے مراحل آپ دیکھتے رہتے' جس کی وجہ سے آپ نے یونانی طب میں کافی مہارت حاصل کرلی تھی اور آپ اپنے والد گرامی کے ساتھ حکمت کے شعبے میں شامل رہتے بعض اوقات آپ کو آپکے والد گرامی مریض کو دیکھنے اور علاج کرنے کیلئے بھی بھیج دیا کرتے اور آپ اپنے والد گرامی کو کسی شکایت کا موقع نہ دیتے۔

مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ آپ کے والد گرامی بسلسلہ دورہ تربیت وتبلیغ موضع کھارا سوہیر موجود تھے کہ ایک آدمی موضع چک بھون سے وہاں پہنچا کہ فلاں عورت بیمار ہے۔ دودن سے مسلسل ہچکی کی تکلیف میں مبتلا ہے' اگر آپ تشریف لے چلیں اور علاج فرمائیں تو آپ کی بہت بندنوازی ہوگی۔ آپ نے اپنے جانے سے تو معذرت کرلی البتہ اپنے بیٹے حافظ جمال الدین صاحبؒ کو مریضہ کو دیکھنے اور علاج کرنے کیلئے بھیج دیا۔ انہوں نے وہاں جاکر مریضہ کو دیکھا اور شہد آہستہ آہستہ چاٹنے کو بتایا۔ چنانچہ وہ مریضہ دو گھنٹے کے بعد تندرست ہوگئی اور آپ نے دوسرے دن والد گرامی سے آکر عرض کیا کہ مریضہ کو کوئی زیادہ تکلیف نہ تھی تھوڑا سا شہد استعمال کرایا او اور وہ ٹھیک ہوگئی۔ کئی دفعہ ایسا ہوا آپ کے والد گرامی قدر موجود نہ ہوتے اور لوگ مریضوں کو دکھانے آجاتے تو آپ ہی علاج کرتے اور مریض شفایاب ہوتے۔

آپ اپنے دم اور تعویذات کے پرتاثیر ہونے میں بھی نہایت مضبوط شہرت کے حامل تھے۔ غالباً آپ کو اپنے بزرگوں میں سے حضرت قاضی فتح

Marfat.com

دین صاحب کیطرف سے اس ضمن میں خاص وراثت حاصل تھی۔ بڑے بڑے لاعلاج اور پیچیدہ امراض کو صرف دم اور تعویذ سے ٹھیک کردیتے اور انہیں اپنے دموں اور تعویذات پر نہایت ٹھوس یقین ہوتا تھا۔مراد یہ ہے کہ وہ دم کرتے وقت کبھی اس شک میں نہ ہوتے کہ نجانے یہ مریض درست ہوگا یا نہیں۔ بلکہ وہ اس اعتماد کے ساتھ دم کرتے یا تعویذ دیتے کہ اس مریض کو اللہ کے فضل سے ہرصورت ٹھیک ہونا ہی ہے ممکن ہے ان کی یہی قوت ارادی (WillPower) شفاء امراض کا سبب بن جاتی ہو۔

آپ اپنی گفتگو اور نئی سوچ کی بناء پر بحث وتمحیص میں اکثر معترض لوگوں کو لاجواب کردیا کرتے۔ اس سلسلے میں متعدد لوگوں کو بھی میں نے شکست کھاتے اور اور ہارمانتے دیکھا ہے۔میری عمر سات آٹھ سال ہوگئی جب میرے دل میں ایک بچگانہ سا سوال اٹھا کہ میں یہ اعتراض کرتا ہوں' اسکا جواب یقیناً آپ کے پاس نہ ہوگا۔چنانچہ میں نے آپ کے ساتھ چلتے چلتے یہ سوال کیا کہ یہ سب لوگ کہتے ہیں کہ تمام انسانوں سے پہلے حضرت آدمؑ تھے۔آپ مجھے یہ بتائیں کہ اللہ سے پہلے کون تھا؟ میرا سوال سن کر میری ذہنی سطح کے مطابق آپ کہنے لگے کہ دیکھو اللہ ایک ہے اور ایک سے پہلے کچھ نہیں ہوتا۔ پھرانہوں نے مجھے کہا کہ تم الٹی گنتی گنو یعنی پانچ' چار' تین' دو اور ایک اور اس سے آگے تم گن کر مجھے دکھاؤ تو میں تمہیں بتادوگا کہ اللہ تعالی سے کون تھا میں نے اس وقت تو کیا گننا تھا' پچھلے ساٹھ سال میں یہ گنتی آگے نہ چل سکی۔

عجیب اتفاق ہے کہ میں جدہ شریف میں''ہوختیف'' کمپنی کی پری

Marfat.com

کاسٹ فیکٹری کے شعبہ ٹرانسپورٹ میں کام کر رہا تھا۔ میرے دفتر میں اکثر کمپنی کے جرمن فورمینوں کا آنا جانا لگا رہتا اور ان میں سے کئی ایک مذہبی سوالات بھی کرتے رہتے اور میں اپنی دانست کے مطابق انہیں جواب دیتا۔ ایک دن ایک پچیس چھبیس سال کا نوجوان جرمن فورمین دروازہ کھول کر پرجوش انداز میں اندر داخل ہوا اور کہنے لگا مسٹر قاری تم مذہبی لوگ آدم' فرشتوں اور خدا کی باتیں کرتے ہو' بتاؤ کہ خدا سے پہلے کون تھا؟ مجھے فوری طور پر اپنے بچپن کا سوال یاد آ گیا۔ میں نے کہا کہ دیکھو ہم بھی یہ کہتے ہیں اور تمہارا بھی یہ عقیدہ ہے کہ اللہ ایک ہے کہنے لگا کہ ہاں یہ عقیدہ ہے اللہ ایک ہے میں نے کہا تو پھر دیکھو سامنے دیوار پر کیلنڈر لگا ہوا ہے تم الٹی گنتی گن کر ایک سے پیچھے جاؤ تو پھر میں تمہیں بتا دوں گا کہ خدا سے پہلے کیا تھا۔ چنانچہ اس اللہ کے بندے نے سامنے لگے ہوئے چارٹ تین چار مرتبہ گننے کی کوشش کی۔ جب ناکام ہو گیا تو اسی تیز رفتاری سے منہ پھیر کر دروازہ کھولتے ہوئے باہر نکل گیا۔ میں حیران ہوں جو سوال میرے ذہن میں سات سال کی عمر میں کلبلایا تھا وہ ایک جرمن کے ذہن میں ستائیس سال کی عمر میں کیسے پیدا ہو گیا۔ وہ جرمن قوم جسکی حکمت اور دانائی کا شہرہ رہا ہے۔ اس قوم کے ایک فرد کی یہ ذہنی سست رفتاری ایک مایوس کن صورتحال ہے۔

آپ جسمانی طور پر نہایت صحت مند' بہادر اور دلیر انسان تھے۔ پوری زندگی میں کسی سے دبے نہیں رعب اور طنطنہ ہمیشہ بحال رکھا۔ گاؤں کے لوگ ان سے کنی کتراتے تھے اور اکثر اوقات ان کی خلاف طبع باتوں اور کاموں کو برداشت کرتے۔ ہر شخص کو اس بات کا یقین تھا کہ اگر ہم نے کوئی الٹی سیدھی

Marfat.com

بات کی تو یہ کسی بھی جواب سے رکنے والے اور کسی زیادتی سے ٹلنے والے نہیں ۔

آپ کے مزاج میں سخاوت حددرجے کی موجود تھی اور اپنی فیاضی سے احباب کو جی بھر کر نوازتے رہتے اور آپ کی کشادہ دستی کی بناء پر ہر دور میں بقدرضرورت آپ کے پاس کارکن اور خدام موجود رہتے۔ آپ اپنے عقائد میں نہایت پختہ اور بزرگوں کے طورطریقوں کے شدت سے قائل تھے۔ اپنے پیرخانے سے گہری محبت رکھتے تھے اورحضرت رابع للہ شریف کے تو عاشق تھے۔ ۔ آپ اپنے جس موقف پر ڈٹ جاتے دنیا کی کوئی طاقت اس میں تبدیلی نہ لاسکتی۔ البتہ اپنے پیرزادوں کے ایک اشارے پراپنا موقف بدلنے اورسب کچھ چھوڑنے کیلئے ہروقت آمادہ رہتے اور اسی میں وہ سعادت دارین سمجھتے ۔

آپ اپنے والد گرامی کے وصال کے بعدسجادہ نشین ہوئے اورمشہور یہ ہے کہ دستار خلافت آپ کوحضرت رابع للہ شریف نے سرہند شریف میں حضرت مجدوالف ثانیؒ کے عرس مبارک کے موقع پر بندھوائی تھی۔ اپنے پیر کی طرف سے یہ عزت افزائی ان کی زندگی کا اہم ترین واقعہ تھا۔ اس خصوصی عنایت کا ذکر وہ اکثر مواقع پر کیا کرتے تھے اور احسان مندی کے جذبات سے ہمیشہ انکی آنکھیں جھکی رہیں ۔

آپ کی صحت ہمیشہ بہت اچھی رہی 'البتہ آخری دنوں میں بلڈ پریشر ہائی رہنے لگا تھا اور یہی تکلیف فالج کی وجہ بن گئی ۔ فالج کے حملے کے بعد آپ تقریباً نودن زندہ رہے ۔ آپ کے پوتے ڈاکٹر ہارون اقبال ہاشمی نے

Marfat.com

چکوال ڈسٹرکٹ ہسپتال میں داخل کروایا ڈاکٹر ہارون اسی ہسپتال میں کام کر رہے ہیں۔ ڈاکٹروں کے عملے نے علاج معالجے کی بھرپور کوشش کی لیکن موت کا بہرحال ایک وقت مقرر ہے اور نو دن بیمار رہنے کے بعد خالق حقیقی سے جا ملے اور بیاسی سال کی زندگی اور باون سالہ سجادہ نشین کا دور کامیابی سے گزار کر آسودہ خاک ہو گئے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

آپ نے اپنے پیچھے چار بیٹے' ایک بیٹی اور ایک بیوہ چھوڑی ہے۔

Marfat.com

وہ کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے

حضرت مفتی عبدالقدوس ہاشمی رحمتہ اللہ علیہ

پیدائش ـــــــــ 24 مارچ 1924ء

وصال ـــــــــ 31 دسمبر 1982ء بروز جمعہ

عمر ـــــــــ 58 سال 9 ماہ

Marfat.com

Marfat.com

مفتی ثالث حضرت عبدالقدوس ہاشمی رحمتہ اللہ علیہ

اپریل **1924**ء کو جناب عبدالقدوس' حضرت مفتی ثانی عطاء محمدؒ کے گھر تولد ہوئے۔ آپ بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ والدین کی خصوصی محبت کا مرکز ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے بہن بھائیوں کی توجہ کا فطری طور پر خصوصی محور بھی تھے۔اللہ تعالی نے والدگرامی قدر کی وجاہت اور والدہ ماجدہ کے حسن انتظام کی خاصیت آپکے مزاج میں رکھ دی تھی۔ حسب دستور چار سال کی عمر سے حفظ قرآن مجید کیلئے آپ کو مسجد کے درس میں بھیجا جانے لگا۔ آپ نے حضرت حافظ فضل کریم صاحب سے قرآن مجید حفظ کیا۔ جن سے آپ کی دونوں بڑی بہنیں اور بڑے بھائی پہلے قرآن مجید حفظ کر چکے تھے۔

حفظ کے بعد درس نظامی کی فارسی کتب شروع کرائی گئیں۔ جن کے اسباق آپ اپنے والدگرامی قدر سے ہی لیتے اوروالد محترم کی غیر حاضری میں آپ یہ اسباق اپنے تایا جان حضرت قاری دین محمدؒ سے پڑھا کرتے۔ آپ کے تایا جان کو آپ سے خصوصی پیار اور انس تھا اور اس انس کی وجہ سے وہ اپنے بھتیجے پر کسی طرح کے سخت طریقہ تعلیم کے روادار نہ تھے۔ جس کی وجہ سے جناب عبدالقدوسؒ اپنے والد گرامی کی نسبت تایا جان سے تعلیم حاصل کرنے کا زیادہ شوق رکھتے تھے۔ لیکن آپ کے والد گرامی کو یہ خدشہ رہتا تھا کہ بھائی جان کی بھتیجے کے ساتھ نرمی بچے کی تعلیمی بنیاد کو کمزور کردے گی۔ آپکا یہ خیال تجربے کی بنیاد پر تھا۔ لہذا بہت حدتک درست بھی ثابت ہوا اور

Marfat.com

شاید اسی سبب سے آپ کی فارسی کتب کی تعلیمی مدت کسی قدر طویل ہوگئی۔ حیرت کی بات ہے آپ کے تایا جان دوسرے طلباء کے لے نہایت پر رعب اور سخت گیر رویے کے مالک تھے۔ اپنے بھتیجوں اور بھتیجیوں کیلئے اتنے ہی نرم خو اور پراز شفقت تھے۔حتی کہ وہ اپنے بھتیجے کے متعلق کسی قسم کا کوئی اعتراض سننا بھی گوارا نہیں کرتے تھے۔ جناب عبدالقدوس صاحب نے جب پہلی مرتبہ قرآن مجید سنایا تو اغلاط بہت زیادہ ہوا کرتیں۔ کسی نے آپکے کے سامنے کہا کہ عبدالقدوس کا قرآن بہت کچا ہے۔ تو آپ کے تایا جان کہنے لگے کہ پہلے سب کا کچا ہی ہوا کرتا ہے بعد میں خود بخود ٹھیک ہوجاتا ہے۔

آپ کی والدہ ماجدہ کی یہ خواہش تھی کہ چھوٹے بیٹے کو گھر سے باہر نہ بھیجا جائے۔ کسی بھی صورت تعلیمی انتظامات گھر پر ہی کرلیے جائیں۔ کیونکہ وہ اپنے بڑے بیٹے کی مستقل مسافرت سے اور دوری سے سخت پریشان رہتی تھیں ۔چنانچہ بہت عرصے تک آپ کی تعلیمی رفتار کے ست ہونے کے باوجود گھر سے دور کسی مدرسے میں داخل کرانے پر غور ہی نہ کیا گیا۔

جب تعلیم کا سلسلہ کچھ زیادہ غیر تسلی بخش ہونے لگا تو مولوی غلام یاسین صاحب ولد میاں غلام نبی بھون والے کے مشورے اور اصرار پر آپ کے والد گرامی آپ کو موضع موہڑہ کدلتھی جناب قاضی محمد عابد صاحبؒ کے پاس بھیجنے پر رضامند ہوگئے۔ قاضی صاحب مذکورہ نہایت معروف علمی خانوادے سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے والد قاضی ثناء اللہ صاحب صرف ونحو اور فقہ کی تدریس میں پورے برصغیر میں ایک خصوصی مقام رکھتے تھے۔ جس کے نتیجے میں متحدہ ہندوستان کے دور راز کے علاقوں سے تشنگان علم اس چشمہ

Marfat.com

علم کی طرف رجوع کرتے تھے اور اسی شہرت کی بنا پر مولوی غلام یاسین صاحب مذکور(جو بقید حیات ہیں اور اس وقت ملتان میں قیام پذیر ہیں۔ اللہ ان کی عمر میں برکت عطا فرمائے آمین) کچھ عرصے سے تعلیم حاصل کررہے تھے اور استادوں کے طریقۂ تدریس کے نہایت معترف تھے۔ انہوں نے خیر خواہانہ جذبے کے تحت اپنے پیرزادہ جناب عبدالقدوسؒ صاحب کو بھی ہم درس بنانے کا اہتمام کرلیا۔

جناب عبدالقدوس صاحب کا قاضی صاحب مذکورہ کے پاس پہنچنا ایک خاص اہمیت رکھتا تھا۔ کیونکہ قاضی صاحب آپ کے والد گرامی قدر کی ہمہ صفت موصوف شخصیت سے اچھی طرح آگاہ تھے۔ چنانچہ قاضی صاحب نے آپ کے خوردونوش کا انتظام دوسرے طلباء سے الگ اپنے گھر والوں کے ساتھ رکھا۔ قاضی صاحب کے صاحبزادے محمد رفیق صاحب سے آپ کی دوستی ہوگئی اور جناب عبدالقدوس صاحب کے لیے یہاں کا ماحول بھی گھر کی طرح سے ہوگیا۔ اور انہیں کسی طرح کی مسافرانہ دشواریوں کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ یہاں کا قیام آپ کیلئے نہایت خوشگوار ثابت ہوا۔ جسکا تذکرہ بعد میں بھی وہ اکثر وبیشتر کیا کرتے۔ قاضی صاحب اپنے والد گرامی قاضی ثناء اللہ صاحب کی طرح نحو کی تدریس میں یدطولی رکھتے تھے۔ یوں تو درس نظامی کی ساری کتب پڑھائی جاتی تھیں۔ لیکن ''کافیہ'' اور'' شرح جامی'' پڑھنے والوں کی تعداد کچھ زیادہ ہوا کرتی۔

جناب عبدالقدوس کو یہ شرف قدرت نے بخش رکھا تھا کہ آپ خواہ کسی ماحول میں اورکسی بھی درس میں ہوتے ہم سبق ساتھیوں کے علاوہ آپکے

Marfat.com

اساتذہ کرام بھی خصوصی شفقت کا سلوک رکھنے پر فطرتاً مجبور ہوجاتے اور سب سے پہلا مظہراس عنایت الٰہی کا یہی درس گاہ بنی۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کوئی نادیدہ قوت آپکے ساتھیوں کو آپکا احترام کرنے پر مجبور کردیا کرتی۔

آپکے استاد زادے جناب قاضی محمد رفیق صاحب نے حال ہی میں دوران ملاقات آپ کے متعلق یہ بات کسی حد تک ایک متاثر دوست کے انداز میں سنائی کہ ہم ایک رات مسجد کے باہر ملحقہ برآمدے میں سونے کی تیاری کررہے تھے۔ برآمدے کے ایک حصے میں جناب عبدالقدوسؒ صاحب کی چار پائی بچھی تھی اور خلاف معمول میری چارپائی بھی آپ نے از خود اپنے ساتھ بچھالی۔ موسم خراب تھا' بادل گھرے ہوئے تھے' قاضی رفیق صاحب کہتے ہیں کہ میں نے جناب عبدالقدوسؒ سے کہا: میری چارپائی آپ نے یہاں کیوں بچھائی ؟ میں برآمدے کے دوسرے حصے میں سوتا ہوں' میرے لیے وہی جگہ ٹھیک تھی ۔ لیکن انہوں نے اصرار کرکے مجھے اپنے قریب سونے کیلئے مجبور کیا۔ جوانی کی نیند کچھ زیادہ گہری ہوا کرتی ہے ۔ ہمارے سونے کے بعد بارش برسی اور کھل کر برسی ۔ ہم تو گھوڑے بیچ کر سورہے تھے۔ صبح جب اجالا ہونے لگا تو عبدالقدوسؒ صاحب نے مجھے آواز دی کہ قاضی صاحب دیکھو کہ یہ دوسری طرف سے روشنی کیسی محسوس ہورہی ہے۔ جب میں نے دیکھا تو غور کرنے پر معلوم ہوا کہ جس طرف میں سویا کرتا تھا برآمدے کا وہ حصہ گر چکا ہے ۔ اب مجھے یہ فکر ہوئی کہ میرے ساتھ وہاں ''حقا فقیر'' بھی سویا کرتا تھا ۔ وہ تو یقیناً برآمدے کے ملبے کے نیچے آکر اللہ کو پیارا ہوچکا ہوگا ۔ لیکن جب ہم دونوں پریشان ہوکر ''حقا فقیر'' کو تلاش کرنے کے لیے اٹھے تواسکے کھانسنے کی

Marfat.com

آواز ہمیں مسجد کے اندر سے سنائی دی جب اس سے پوچھا تم کیسے بچے تو وہ کہنے لگا کہ جب بارش ذرا تیز ہوئی' بادلوں گرجنا شروع کیا تو میں اٹھ کر مسجد کے اندر چلا گیا تھا۔ قاضی رفیق صاحب نے یہ بات قدرے حیرت سے سنائی کہ عبدالقدوسؒ صاحب خاص طور پر اسی رات میری چارپائی اپنے پاس کیوں لے گئے؟ یہ چھٹی حس کا کمال تھا یا کہ کسی غیبی اشارے کا نتیجہ۔

جناب عبدالقدوسؒ کی نماز پنجگانہ کی عادت قاضی صاحب کے زیر سایہ بہت پختہ ہوگئی کیونکہ قاضی محمد عابد کے ہاں ادائے نماز میں تساہل کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ ان کی تربیت کا رنگ جناب عبدالقدوسؒ صاحب پر تازیست رہا۔ معمولات کی پختگی اور عبادات کی تندہی کے ساتھ ادائیگی ہمیں قاضی محمد رفیق صاحب کی شخصیت میں بدرجہ اتم نظر آتی ہے۔ آپ نے علم دینی حاصل کرنے کے باوجود اگرچہ تعلیم و تعلم کا سلسلہ قائم نہیں رکھا اور ابتدا سے اب تک دکانداری کے کام کو اپنا رکھا ہے لیکن شب و روز کے اوقات انہوں نے کچھ اس انداز سے ترتیب دے رکھے ہیں کہ ہر کام نہایت باقاعدگی سے اپنے مخصوص وقت میں سرانجام پاتا ہے۔ یہ باقاعدگی اور دوام اعمال اولیاء اللہ کی ذات کا خاصا ہوا کرتا ہے دکانداری کے پردے میں روحانیت کے بازار کو رونق بخشنا قاضی محمد رفیق صاحب کی ذات کا ہی حصہ ہے۔

محترم عبدالقدوسؒ قاضی محمد رفیق صاحب کے نہایت گہرے دوست تھے لیکن موہڑہ کدلتھی سے روانگی کے بعد دونوں کا آپس میں کوئی خاص رابطہ دکھائی نہ دیا۔ غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ قاضی صاحب کے لئے گھر سے نکلنا اپنے لگے بندھے معمولات اور مشاغل اذکار و عبادات میں خلل ڈالنے کے

Marfat.com

مترادف تھا ۔ اور محترم عبدالقدوسؒ اپنے کاروبار حیات کو سرانجام دینے کیلئے حالات کے اسیر ہو گئے تھے ۔

موہڑہ کدلتھی سے ضروری تعلیم کے حصول کے بعد آپ اپنے گھر میں ہی مستقل قیام کیلئے آمادہ ہو گئے تاکہ خاندانی رسم وراہ اور گھر کے کام کاج میں گھر والوں کے مدد کر جاسکے۔ لیکن آپ ے والد محترم آپکی گھریلو مصروفیات کے حق میں نہیں تھے ۔ وہ یہ چاہتے تھے کہ پہلے علم دین کی تکمیل ہو پھر کسی دوسری طرف توجہ کی جائے۔ بہرحال کچھ عرصے تک بغیر کسی حتمی فیصلے کے شب وروز گزرتے رہے۔ اسی دوران میں آپکے دادا جان کے ایک مرید نور محمد سدوالی جو کہ حسین شہید سہروردی کے ڈرائیور تھے ۔ اتفاق سے ان دنوں سہروردی کے پاس کسی وزارت کا قلم دان بھی تھا ۔ پاکستان ابھی بنا ہی تھا اور مختلف لوگ اپنے اپنے کاروبار کو جمارہے تھے ۔ کچھ لوگ مختلف پرمٹوں پر امپورٹ کا کام کرنا چاہتے تھے اور بیرونی ممالک سے امپورٹ کا کام اور اس سے متعلقہ لائسنسوں کا اجراء سروردی صاحب سے متعلق تھا چنانچہ نور محمد مذکور نے پرمٹ اور لائسنس کے معاشی فائدوں کا ذکر عبدالقدوسؒ صاحب کے بڑے بھائی جناب حکیم عبدالرزاق عبرت سے کیا۔ حکیم صاحب نے تجارتی کاموں سے فطری طور پر رغبت نہ ہونے کی وجہ سے کوئی دلچسپی نہ لی لیکن اپنی گفتگو کا تذکرہ اپنے چھوٹے بھائی سے جب کیا تو جناب عبدالقدوسؒ نے اس میں خاصی دلچسپی کا اظہار کیا ۔ حکیم صاحب چھوٹے بھائی کو لے کر لاہور گئے۔ نور محمد صاحب سے ملاقات ہوئی اور طے ہوا کہ بھارت کو نمک سپلائی کرنے کا پرمٹ لیا جائے ۔ نور محمد صاحب نے درخواست لی اور منظوری کے بعد گھر

Marfat.com

اطلاع بھیجنے کا وعدہ کیا۔ چنانچہ دونوں بھائی واپس آ گئے اور کچھ دنوں کے بعد عبدالقدوسؒ صاحب بھی لاہور مستقل طور پر ایک دوست کے ہاں منتقل ہوگئے۔ آپ کا قیام 33 منٹگمری پارک میں تھا۔ مہینہ ڈیڑھ مہینہ بعد آپ واپس گھر والوں کو ملنے بھون آئے اور مجھے بھی واپسی پر ساتھ لے گئے۔ میں ان دنوں فارسی کتب کافی پڑھ چکا تھا اور اس زمانے کے رواج اور مانگ کے مطابق فاضل فارسی کا امتحان دینا چاہتا تھا۔ ماموں جان نے کہا کہ تعلیم کے حصول کا وہاں بہتر بندوبست ہوجائیگا چنانچہ اسی غرض کیلئے والدہ ماجدہ نے مجھے لاہور جانیکی اجازت دے دی۔ بڑے ماموں جان کا خیال یہ تھا کہ لاہور میں منٹگمری روڈ پر قاضی جی کے ہاں ٹھہرنا موزوں نہیں لیکن ہم چاروناچار وہاں رہتے رہے۔

نمک سے متعلقہ دفتر میں جو درخواست دی گئی تھی اس پر 33 منٹگمری پارک کا پتہ درج تھا اور درخواست پر حکیم صاحب کے کہنے کے مطابق اے کیو' ہاشمی اینڈ کمپنی کا نام درج کیا گیا۔ اس سے مراد عبدالقدوس ہاشمی اینڈ کمپنی تھی۔ اس کے بعد جناب عبدالقدوس'' ہاشمی'' کے نام سے پکارے جانے لگے اور اصل نام پس منظر میں چلا گیا۔ آپ کا تعلق قطب شاہی اعوانوں سے تھا اوز حضرت عباس علمبردار کی اولاد ہونے کی وجہ سے سارا خاندان اعوان ہاشمی ہیں اور چونکہ حضرت امام حسینؓ سے تعاون کرنے والا (عون بمعنی مدد)۔ اسلیے اعوان کے نام سے مشہور ہوئے۔

نمک کی تین مال گاڑیوں کے ڈبوں کیلئے پیسے جمع کرائے جاچکے تھے اور ہمہ وقت گاڑیوں کے لوڈ ہونے کی اطلاع ملنے کا انتظار رہتا تھا۔ اب

Marfat.com

اسے اتفاق سمجھئے یا حادثہ' کہ جس دن حضرت رابعؒ للّہ شریف، بیمار ہوکر لاہور میو ہسپتال پہنچے اس روز گاڑیوں کے لوڈ ہوکر امرتسر کیلئے روانگی کی اطلاع ملی۔ جناب ہاشمیؒ صاحب کو پروگرام کے مطابق کسی ایجنٹ سے بات کر کے بلٹیوں کو فروخت کرنا تھا۔ لیکن ہاشمی صاحب حضرت رابعؒ کی تیمارداری میں بے حد مصروف تھے اور علالت بھی شدید نوعیت کی تھی۔ لہذا وہ بلٹیاں فروخت نہ کرسکے۔ قاضی جی نے یہ مشورہ دیا کہ ہم بلٹیوں کی وصولی سے انکار کردیں گے اور دوبارہ ویگنیں بھجوانے کا مطالبہ کرینگے۔ لیکن قاضی جی کا یہ مشورہ انتہائی بے بنیاد اور نقصان دہ تھا۔ اسی دوران میں قضائے الٰہی سے حضرت صاحب کا وصال ہوگیا اور جناب ہاشمی صاحب کو للّہ شریف روانہ ہونا پڑا۔ حضرت صاحب کی وفات ایک عظیم سانحہ تھا ہاشمی صاحب کے لیے فوری طورپ لاہور واپسی ناممکن تھی۔ نمک کی ویگنیں امرتسر اسٹیشن پر کھڑی تھیں۔ چند دنوں میں ان پر جرمانہ لگنا شروع ہوگیا۔ قیمت بتدریج کم ہونے لگی۔ کچھ لوگوں نے قدرے گھاٹے کے ساتھ بیچ دینے کا مشورہ دیا۔ لیکن قاضی جی نے متعلقہ محکمہ کے ساتھ کاغذی جنگ جاری رکھنے پر اصرار کیا۔ کیونکہ کوئی قانونی تحفظ نہیں تھا۔ اس لیے محکمے نے بالکل کورا جواب دے دیا اور وہ دوویگنیں جن کی قیمت پانچ ہزار روپیہ تھی' پانچ سو میں نیلام ہوگئیں۔ اس کے بعد تیسری گاڑی کی اطلاع جب ملی تو اس کا سودا بروقت کسی حد تک نفع کے ساتھ کردیا گیا۔ لیکن لاہور کی رہائش اور قاضی جی کے ہوائی قلعوں۔ نے سارا سرمایہ برابر کروادیا اور ہاشمی صاحب کاروباری مشاغل سے بیزار ہو گئے اور اپنے والد گرامی کے مشورے کے مطابق انہوں نے جامعہ حزب الاحناف میں دورہ

Marfat.com

حدیث کیلئے تکمیل علم کی خاطر داخلہ لے لیا۔

حزب الاحناف کے مہتمم اور شیخ الحدیث حضرت سید ابوالبرکات تھے۔سید صاحب موصوف کا شمار حدیث کے ماہرین میں ہوتا تھا۔ ان کی درس گاہ لاہور میں نہایت اونچا مقام رکھتی تھی۔ ہاشمی صاحب براہ راست سید صاحب موصوف کے شاگرد تھے۔ چنانچہ چند ہی دنوں میں سید صاحب کے دل میں ہاشمی صاحب کیلئے ایک خصوصی نرم گوشہ پیدا ہوگیا۔ رفتہ رفتہ ہاشمی صاحب سید صاحب کے معتمد خاص بن گئے۔ چنانچہ جامعہ کیلئے وصول ہونے والی رقم کو سنبھالنا اور انہیں خرچ کرنا اور ان کا گنناسب کچھ ہاشمیؒ صاحب کے ہاتھ میں تھا۔ سید صاحب موصوف پیسوں کے معاملے میں کسی پر اعتماد نہیں کرتے تھے اور کسی کو سوائے ہاشمیؒ صاحب کے اس کمرے میں گھسنے کی اجازت نہیں تھی جس میں پیسوں کی تجوری رکھی رہتی تھی ۔حتی کہ اپنے دونوں بیٹوں محمود رضوی مدیر رسالہ رضوان اور مسعود رضوی کو بھی نزدیک پھٹکنے نہیں دیتے تھے۔

سید صاحب موصوف کا یہ طریقہ کار تھا کہ وہ دور حدیث کے طلباء سے ہر جمعرات کو اپنی موجودگی میں تقاریر کروایا کرتے ۔یہ ان طلباء کی تربیت کا ایک حصہ تھا۔ ہاشمی صاحب کیلئے یہ کام کچھ مشکل نہ تھا ۔قدرت نے انہیں نہایت اطمینان اور دلیری سے لوگوں کو خطاب کرنے کا ملکہ ودیعت کررکھا تھا۔ نہایت یقین اور اعتماد کے ساتھ بولنا ان کی فطرت کا خاصا تھا اس ملکے کو سید صاحب موصوف کی حکیمانہ تربیت سے خصوصی پختگی حاصل ہوگئی۔

اس دوران ہاشمی صاحب کی ملاقات اپنے ایک پرانے دوست شاہ جی سے داتا صاحب کے مزار کے احاطے میں ہوگئی جو موہڑہ کدھی میں آپ کے

Marfat.com

ہم درس تھے۔ شاہ صاحب لاہور میں قاری عبدالمالک صاحب کے پاس فن قرات پڑھ اور سیکھ رہے تھے۔ ہاشمی صاحب کو بھی قرات کا شوق پیدا ہوا اور وہ بھی قاری صاحب کے پاس پہنچ گئے۔

ہاشمی صاحبؒ دورہ حدیث مکمل کر چکے تھے اور سید صاحبؒ نے انہیں جامعہ حزب الاحناف کی طرف سے سندالفراغ دے دی تھی۔ یہ سند اپنے سائز کے لحاظ سے خاصی طویل وعریض تھی اور اس میں بہت سے علوم کی تحصیل کا اندراج تھا۔ چنانچہ ہاشمی صاحب کے والد گرامی قدر حضرت مفتی عطا محمدؒ نے جب سند کی مندرجات کو پڑھا تو نہایت حیرت اور خوش طبعی سے فوراً فرمایا ,,توبہ توبہ سید صاحب بڑے جھوٹے ہیں'' ہم لوگ یہ تبصرہ سن کر بے اختیار ہنس دیے۔ تفصیل پوچھنے کی ہم میں جرات نہیں تھی۔ شاید آپ نے اس لیے فرمایا کہ جوکچھ ہاشمی صاحب نے گھر میں اور موہڑہ کدلتھی میں پڑھا تھا۔ وہ بھی سید صاحب کی سند کے مطابق جامعہ کے کھاتے میں ڈال دیا گیا تھا بہرحال ہاشمی صاحب کو سید صاحب نے لاہور کے کوچہ شیرازی کی ایک مسجد کیلئے خطابت کا کام سونپ دیا تھا۔ ہاشمی صاحب کو خطابت کی ضرورت نہ تھی لیکن فن قرات کی تکمیل کیلئے انہیں لاہور میں بہرحال قیام کے لیے کوئی نہ کوئی ٹھکانہ درکار تھا۔

ہاشمی صاحب کو خاندانی طور پر اچھی آواز اور صاف زبان ورثے میں ملی تھی اور ان کی شخصی محبوبیت انکی قدرومنزلت کا ہمیشہ سبب رہی۔ چنانچہ قاری عبدالمالک صاحب کی نظر میں بھی ہاشمی صاحب کا مرتبہ دوسرے [illegible]ء سے برتر تھا۔ یہ تو ممکن ہے کہ قاری عبدالمالک صاحب سے ہاشمی صاحب کی نسبت

Marfat.com

زیادہ بہتر فن قرآت دوسرے طلباء نے حاصل کیا ہو، لیکن سب کی نظر میں محترم و باوقار شخصیت صرف ہاشمی صاحب کی ہی تھی اور اس میں کوئی شک نہیں کہ فن قرات نے ہاشمی صاحب کی شخصیت میں چار چاند لگا دیئے۔ یہ سچ ہے کہ پاکستان کے قیام سے پہلے قرات سے عدم واقفیت کے باوجود ایک عالم یا حافظ یا خطیب عوام میں اپنی ذات کا اچھا تاثر قائم کرسکتا تھا۔ لیکن تقسیم ملک کے بعد جب قراء حضرات ہجرت کر کے پاکستان پہنچے اور ملک کے دور دراز گوشوں تک تجوید وقرات کے مدارس کا جال بچھ گیا اور عوام الناس صحیح قرآن کریم سننے کے عادی ہوگئے تو عجمی انداز میں قرآن پڑھ کر علماء کے لیے عوام کو متاثر کرنا ممکن نہ رہا۔ ہاشمی صاحب میں سارے اوصاف خوش آوازی، سلاست زبان، پراعتماد انداز بیاں، باوجاہت شخصیت اور باکردار سیرت تھی لیکن فن قرات آپکا زیور تھا۔

جنوری **1957**ء میں آپکے والد گرامی علیل ہوگئے اور گیارہ فروری کو آپکا وصال ہوگیا۔ آپ کی تمام ذمہ داریاں ہاشمی صاحب کے کندھوں پر آپڑیں۔ آپ مستقل طور پر رتہ شریف میں قیام پذیر ہوگئے۔ گھریلو اور خاندانی ذمہ داریوں کے علاوہ سجادہ نشین ہونے کی وجہ سے مریدین کی خبرگیری اور ان کی راہنمائی بھی آپکے فرائض میں شامل تھی۔ آپکی شادی والد گرامی قدر کی موجودگی میں ہوئی تھی لیکن آپ کی اہلیہ کچھ دن بیمار رہ کر اللہ کو پیاری ہوگئیں آپ کی دوسری شادی **1958**ء میں ہوئی۔ شادی کے بعد کچھ دن آپ کا قیام رتہ شریف میں رہا۔ اسی دوران میں پروفیسر صاحبزادہ عبدالرسول صاحب نے یہ پیش کش کی کہ اگر آپ مناسب سمجھیں تو سرگودھا گورنمنٹ کالج کی مسجد میں

Marfat.com

خطیب کے فرائض انجام دینے کے لئے تشریف لے آئیں۔

یہ کالج کی اس وقت غالبًا واحد مسجد تھی ۔جو حکومت پنجاب کی طرف سے منظور شدہ تھی۔ ہاشمی صاحب کو وہاں جانے میں کچھ تردد تھا۔ شاید اس وجہ سے کہ ملازمت کے سبب سجادہ نشین کے معمولات میں خلل آجائے گا کئی دنوں تک آپ سوچتے رہے ایک دن مجھ سے پوچھنے لگے قاری جی تمہارا کیا مشورہ ہے سرگودھا جانا چاہیے یا نہیں؟ میں نے کہا ماموں جان ضرور جائیں کیونکہ ہمارے بزرگوں نے کبھی بھی پیری مریدی کو ذریعہ معاش نہیں بنایا ۔ اور ان کے وسائل ایسے تھے کہ وہ طلباء اور خادموں کے ذریعے کھیتی باڑی کے امور انجام دلواتے رہتے تھے ۔لیکن آپ کے لئے کیتھی باڑی کرانا اک جھنجھٹ ہوجائے گا اور جہاں تک للّہ شریف میں معراج مبارک پر حاضری کا تعلق ہے یا حضرت صاحب للّہ شریف کے ساتھ دوروں میں معیت کا تعلق ہے ان کے لیے گرمیوں کی چھٹیوں میں گنجائش نکالی جاسکتی ہے ۔عیدین پر بھون کی حاضری کے لئے آپ کالج کی انتظامیہ سے پہلے بات کرلیں۔ لیکن میرے خیال میں آپ خطابت کی یہ پیشکش ضرور قبول کرلیں ۔ اس کے بعد ہاشمی صاحب ملازمت کیلئے یک سو ہوگئے تھے ۔اگرچہ ملازمت کے حق میں اور مخالفت میں بھی بہت موثر انداز میں بہت سے احباب مصر تھے ۔

جناب ہاشمی صاحب کا تقرر بطور خطیب گورنمنٹ کالج سرگودھا کی مسجد میں ہوگیا اور آپ معہ فیملی وہاں منتقل ہوگئے ابتداء میں ملازمت کا تصور بہت سے خیرخواہ لوگوں کے لیے بوجھل تھا۔ خاندان کی ایک مرکزی شخصیت کا اپنے مرکز سے ہٹ جانا اقارب کے لئے کوفت کا باعث تھا۔ لیکن

Marfat.com

رفتہ رفتہ اقارب اور مخلصین نئی صورت حال کے خوگر ہو گئے اور جناب ہاشمی صاحب نے بھی اپنی حکمت عملی سے کوئی عظیم خلا پیدا نہ ہونے دیا۔

ہاشمی صاحب کے فرائض میں خطابت کے علاوہ کالج کی اسمبلی میں تلاوت قرآن پاک اور ترجمہ وتفسیر بھی شامل تھی۔ کالج کے طلباء اور اساتذہ کی کثیر تعداد موجود ہوتی ظاہر بات ہے کہ اتنی بڑی تعداد میں جہاں لوگ موجود ہونگے، انکے افکار و نظریات میں یقیناً اختلاف ہوگا اور نہایت ذی شعور اور اہل علم حضرات بھی ہونگے۔ لیکن ہاشمی صاحب کی شخصیت کی دل آویزی تھی کہ انفرادی طور پر اختلاف افکار کے باوجود ہاشمی صاحب کی ذات پر سب متفق تھے۔ عجیب بات یہ ہے کہ آپ کی محفل میں ہر مکتبہ فکر کے طلباء اور اساتذہ موجود ہوتے، سوالات اور استفار کا سلسلہ جاری رہتا اور آپ سب کو تفصیلی جواب دیتے اور جو بھی آپکی مجلس سے اٹھتا مطمئن اور دلشاد ہوتا۔

کالج کی مسجد کے جمعہ کا اجتماع ہاشمی صاحب کی برکت سے ایک قومی اجتماع میں بدل گیا۔ جمعے کی نماز اور خطبہ سننے کیلئے سرگودھا شہر کے بڑے بڑے معتبر لوگ کالج پہنچتے، جن میں ہاشمی صاحب کے والد گرامی حضرت مفتی عطا محمدؒ کے مریدین بھی شامل ہوتے۔ کالج میں نماز جمعہ ادا کرنے کے بعد ہاشمی صاحب کی محفل میں بیٹھے رہتے اور یہ پررونق محفل نمازوں کے وقفے کے ساتھ اکثر اوقات مغرب تک اور بعض اوقات عشاء تک جاری رہتی۔ جو ملازم حضرات اور تاجر حضرات صرف جمعہ کو حاضر ہوسکتے تھے وہ اگلے جمعے کا بے تابی سے انتظار کرتے۔ یوں تو یہ محفل ناشتے کے بعد سے دوپہر اور عصر سے مغرب تک بلاناغہ جما کرتی اور ہر روز کی بزم آرائی کے باوجود جو بھی

Marfat.com

نکلتا، شاداں ہی نکلتا ۔

کالج کا ماحول جناب ہاشمی صاحب کے لیے نہایت خوشگوار اور حالات ہم آہنگ تھے کہ اتفاقاً ایک پرنسپل صاحب ایسے آگئے جو حس لطیف سے عاری اور احترام اور اخلاقی اقدار سے بے بہرہ تھے۔ جنہیں دین اور دین دار لوگوں سے بغض ورثے میں ملا تھا۔ انہوں نے چارج لیتے ہی اپنے ماحول کو مرعوب کر کے اپنی گرفت مضبوط کرنے کیلئے پہلا کام یہ کیا کہ ہاشمی صاحب کو خطابت سے فارغ کرنے کے احکامات جاری کر دئے ۔ جب پرنسپل کے ان احکامات کی خبر زعمائے شہر کو ملی تو پورے شہر میں پرنسپل کے خلاف نفرت کی ایک آگ بھڑک اٹھی معززین شہر کا ایک وفد پرنسپل صاحب کے پاس پہنچا۔ پرنسپل کو اتنے بڑے ردعمل کی توقع نہ تھی اور وفد کا لب ولہجہ نہایت سخت اور تحکمانہ تھا ۔ پرنسپل کی ہوائیاں اڑنے لگیں اور فوری طور پر اپنے احکامات واپس لیکر جان کی امان پائی ۔ اس طرح ہاشمی صاحب کی دھاک قائم ہوگئی ۔اس کے بعد پرنسپل صاحبان آتے رہے، جاتے رہے لیکن ہاشمی صاحب کو چھیڑنے کی ہمت کسی کو نہ ہوئی ۔

سرگودھا کے قیام کے دوران ہاشمی صاحب شوگر کے عارضے میں مبتلا ہوگئے۔ جسکا علاج ایک عرصہ تک جاری رہا۔ **1960** کی دہائی میں آپ بغداد شریف حضرت غوث اعظم کے دراقدس میں حاضری کیلئے تشریف لے گئے۔ کئی دنوں تک آپکا وہاں قیام رہا۔ حضرت شیخ جیلانؒ کے خصوصی الطاف وعنایات سے سرفراز ہوئے لیکن بے آرامی کے باعث شدید قسم کا نزلہ وزکام لاحق ہوا احتیاط اور علاج کے باوجود بہت دیر میں افاقہ توہوا لیکن اس علالت نے

Marfat.com

پھیپھڑوں پر دیرپا اثرات قائم کردیئے ۔چنانچہ اس کے بعد آپکو تادم آخر دونوں علاج ساتھ ساتھ جاری رکھنے پڑے ۔

جناب ہاشمی صاحب کے دل میں حج بیت اللہ شریف کی شدید خواہش تھی ۔ علالت او رکمزوری کے باوجود آپ اپنی ہمشیرہ صاحبہ کی معیت میں حج پر تشریف لے گئے ۔ میں ان دنوں بسلسلہ ملازمت جدہ میں قیام پذیر تھا جدہ ایئرپورٹ پر ماموں جان ہاشمی صاحب کو اور والدہ ماجدہ صاحبہ کو خوش آمدید کہا اور معلم کی اجازت سے دونوں کو ٹیکسی میں بٹھا کر مکہ مکرمہ لے گیا عمراہ ادا کیا، اس کے بعد ہم مکان پر چلے گئے۔ کمرہ میں نے پہلے سے لے رکھا تھا اور ضروریات کی ساری چیزیں پہلے سے رکھ دی گئیں تھیں۔ بھائی کفایت احمد صاحب ان دونوں کی دیکھ بھال کے لیے وہاں موجود تھے۔ مجھے تو اپنی ڈیوٹی پر واپس جدہ پہنچنا تھا، واپس چلا آیا۔ دوچار روز بعد مدینہ منورہ حاضری کے لئے روانہ ہوئے۔ وہاں پر کمرہ لے کر اور ضروری انتظامات کرنے کے بعد میں جدہ آ گیا۔ ہاشمی صاحب اور والدہ صاحبہ چالیس نمازیں پوری کرنے کے بعد بھائی کفایت احمد صاحب کے ساتھ واپس مکہ مکرمہ پہنچ گئے ۔

منی جانے سے پہلے میں نے ایک خیمہ اپنی کمپنی سے لیکر منی میں لگادیا۔اس حج کے موقع پر حضرت صاحبزادہ محمد مطلوب الرسول سجادہ نشین للہ شریف بھی پہنچ چکے تھے ۔ہم ایک خیمے میں مقیم رہے۔ منی سے عرفات اور عرفات سے مزدلفہ اور مزدالفہ سے منی تک کا سفر ہاشمی صاحب نے نہایت اطمینان اور ہمت سے طے کیا ۔البتہ طواف زیارت کے دوران کسی افریقی حاجی کے پاؤں کا ناخن لگنے سے ہاشمی صاحب کے پاؤں پر چھوٹا سا زخم آ گیا

Marfat.com

اور شوگر کے عارضے کی وجہ سے یہ زخم دوا دارو کے باوجود روز بروز بڑھتا ہی چلا گیا ۔ اس تکلیف سے ہاشمی صاحب کو بخار بھی ہونے لگا ۔ پاکستان واپسی کی پرواز میں کچھ دن باقی تھے۔ہاشمی صاحب کی علالت سب ساتھیوں کے لیے انتہائی پریشانی کا باعث تھی ۔

پاکستان روانگی کی تاریخ سے تین روز پہلے میں والدہ صاحبہ اور ہاشمی صاحب کو جدہ شریف لے آیا۔ جدہ میں دونوں بہن بھائیوں کا قیام عبدالرؤف صاحب کے ہاں رہا جو کہ نثار پراچہ صاحب کے عزیز تھے۔ جدہ شریف کے یہ دو دن نہایت پریشانی میں گزرے کیونکہ وہاں کے کسی علاج میں کوئی فائدہ نظر نہیں آرہا تھا۔ جدہ سے روانگی کے وقت میرے لئے اس لحاظ سے پریشانی دو چند تھی کہ اس فضائی سفر میں چار گھنٹے دونوں بہن بھائیوں کے کس طرح گزریں گے۔ جہاز روانہ ہواتو حضرت سجادہ نشین صاحبزادہ محمد مطلوب الرسول صاحب الوادع کہنے کیلئے میرے ساتھ تھے، میری پریشانی بھانپتے ہوئے فرمایا کہ فکر کی کوئی بات نہیں! اللہ سے دعا کی تھی اور جواب ملا ہے کہ ہاشمی صاحب کی زندگی کو فی الحال کوئی خطرہ نہیں ۔آپ کے یہ الفاظ میرے لئے نہایت تسلی کا باعث تھے۔ ہاشمی صاحب کے استقبال کے لئے کراچی ائرپورٹ پر بھائی طارق محمود پیر زادہ دوسرے لوگوں کے ساتھ موجود تھے ۔ہاشمی صاحب ممتاز ہسپتال میں داخل ہوگئے اور ایک ہفتے کے علاج کے بعد سفر کے قابل ہوئے۔ دونوں بہن بھائی ساتھیوں سمیت سرگودھا کیلئے روانہ ہوگئے۔ مجھے بذریعہ ٹیلی فون اطلاعات موصول ہوتی رہیں اور مرض میں تخفیف کی خبر پاکر دل کو اطمینان ہوگیا ۔

Marfat.com

کچھ دنوں کے بعد معلوم ہوا کہ آپ کے بڑے بھائی جناب حکیم عبدالرزاق عبرت صاحب نے اپنے چھوٹے بھائی کی بیماری کی تکلیف سے سخت پریشان ہوکر یہ دعا مانگی تھی کہ یا اللہ! میں تو ایک بے کار سا انسان ہوں یہ میرا چھوٹا بھائی بہت سی ذمہ داریوں کو سنبھالے ہوئے ہے، اسے تو میری حصے کی بقایا زندگی عطافرمادے۔ ہاشمی صاحب کی صاحبزادی عطیہ اسماء بیان کرتی ہیں کہ تایا جان نے مجھے اپنی دعا کے متعلق بتایا اور یہ بھی کہا کہ دعا قبول ہوگئی ہے۔ انشاء اللہ تمہارے ابو اب صحتمند ہو جائیں گے۔

اس کے بعد حکیم صاحب حرکت قلب بند ہونے سے خالق حقیقی سے جاملے اور ہاشمی صاحب دن بدن صحت یاب ہوتے چلے گئے یہاں تک کہ صاحبزادہ محمد مقصود الرسول صاحب جب عمرے پر تشریف لے گئے تو مدینہ منورہ کی حاضری کے وقت مجھے بتایا کہ جناب ہاشمی صاحب بالکل تندرست ہوگئے ہیں اور طبیعت میں وہی بشاشت واپس آ گئی ہے جو ان کے مزاج کا خاصہ تھی۔

میں جدہ میں ہر طرح سے مطمئن تھا کہ ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے منہ کی دائیں طرف کی اوپر والی ایک داڑھ گر گئی ہے۔ ایسا خواب میں نے پہلے کبھی دیکھا نہ تھا۔ چنانچہ ایک خواب نامے میں تعبیر دیکھی جو اچھی نہیں تھی۔ لیکن ہفتہ عشرہ گزرنے کے باوجود کسی طرف سے کوئی بری خبر نہ ملی تو میں نے سوچ لیا کہ خواب ایک خیال ہوتا ہے جسکا درست ہونا ضروری نہیں ۔ مجھے چھٹی آنا تھا۔ روانگی سے ایک دن پہلے مجھے ایک آدمی بھٹی گجر کا ملا جو چھٹی گزار کر آیا ہی تھا، وہ کہنے لگا باقی تو سب خیریت ہے لیکن رتہ شریف

Marfat.com

والے مولوی صاحب فوت ہوگئے ہیں۔ نام اس کے علم میں نہ تھا اور میرے ذہن میں بھی رتہ شریف کے کئی دوسرے لوگ آنے لگے ۔ جب چکوال پہنچا تو ہاشمی صاحب کی وفات کی اطلاع ملی اور یہ وہی تاریخ تھی جس رات میں نے خواب میں داڑھ کو گرتے دیکھا تھا۔ چکوال سے سرگودھا گیا اور باقی اقارب سے بھی ملا اور تمام تفصیلات کا علم ہوا۔ مجھے اس خیال سے جان بوجھ کر اطلاع نہ دی گئی کہ پردیس میں صدمات کو برداشت کرنا بہت مشکل ہوتا ہے معلوم ہوا ہے کہ رتہ شریف میں ہاشمی صاحب کے جنازے کا اجتماع رتہ شریف کی تاریخ میں بے مثال تھا ۔

وفات کے موقع پر حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے جناب صاحبزادہ پروفیسر عبدالرسول صاحب للہی نے ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا تھا کہ ہاشمی صاحب نے پچیس سال تک سرگودھا کالج میں خطابت کے فرائض سرانجام دیئے لیکن کوئی ایک شخص بھی یہ نہیں کہ سکتا کہ آپ کی ذات کے طفیل مسلمانوں کے مختلف مکاتب فکر میں آویزش یا جھگڑے کی صورت کبھی پیدا ہوئی ہو۔ سب کا احترام کیا اور سب سے احترام کروایا۔ دل آزاری سے دوری اور دلدادی کا اسلوب اولیاء اللہ کا خاصہ ہے اور ہاشمی صاحب اس وصف سے بلا مبالغہ مالا مال تھے:

ع   آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

ہاشمی صاحب نے اپنے بزرگوں کی نسبت بہت کم عمر پائی یعنی صرف 58 برس۔ لیکن جن لوگوں نے آپ کو سنا ،آپ سے ملے یا آپ کی مجلس سے فیض یاب ہوئے، وہ اب تک ہاشمی صاحب کو یاد کر کے اور ان کا ذکر سن

Marfat.com

کرآبدیدہ ہوجاتے ہیں۔ ہاشمی صاحب کے دل میں اللہ تعالیٰ نے خیرخواہی کا جذبہ وافرمقدار میں رکھ دیا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ ہرایک کے ساتھ بھلائی کریں، ہر ضرورت مند کے حالات سدھاریں، کوئی ملنے والا پریشان حال اور تنگ دست نہ ہو۔ رفاہ عامہ کے کاموں میں شدت سے دلچسپی لیتے تھے۔ جب آپ کے گاؤں رتہ شریف میں پہنچنے کے لئے سائیکل کا بھی رستہ نہیں تھا آپ نے اپنی کوششوں سے عام لوگوں کے لیے سڑک بنوادی اور بس کا روٹ منظور کروایااور گورنمنٹ ٹرانسپورٹ کی بس وہاں پہنچتی اور صبح سویرے وہاں سے واپس آیا کرتی ۔آپ نے بھون اور کلرکہار کے درمیان رتہ شریف کا اڈہ منظور کرایا تاکہ اہل رتہ کو کلرکہار کا کرایہ ادا نہ کرنا پڑے ۔اڈے پر مسجد کی بنیاد رکھی جو اس وقت آباد ہے اور اس کی آبادی کا سہرا ملک محمد افسر صاحب کے سر ہے آپ نے بھون کی عیدگاہ کو وسعت دینے کی کوشش کی جو اب ایک وسیع رقبے پر پھیل چکی ہے۔ہاشمی صاحب نے بھون محلّہ اسلام آباد کی مسجد کے قریب جنازہ گاہ بنوائی۔ آپ رتہ شریف میں سکول اور ڈسپنسری بھی منظور کرانا چاہتے تھے۔اللہ کے فضل اور ان کی دعاؤں سے ایک ماڈل سکول رتہ شریف میں قائم ہو چکا ہے اور ڈسپنسری بھی چل رہی ہے ۔اہل رتہ کو پانی مہیا کرنا آپ کے پروگرام میں شامل تھا ۔دو جگہ پر آپ نے کنویں کھدوائے۔ایک کنویں میں کثیر مقدار میں پانی موجود ہے۔ان کی دعاؤں کے طفیل انشاء اللہ اہل رتہ کو پانی کی فراہمی بھی عنقریب شروع ہو جائے گی۔

آپ نے حفظ قرآن کریم کا ایک مدرسہ بھون میں قائم کیا جو کہ اگرچہ زیادہ دیر قائم تو نہ رہ سکا، لیکن جن لوگوں نے حفظ کیا انھوں نے اس

Marfat.com

کام کو آگے جاری رکھا اور اس مدرسے کا چشمہ فیض بدستور پھیلتا اور بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ جو شخص دوسروں کا بھلا چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اسکے ساتھ بھلائی کا سلوک کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے ہاشمی صاحب کے دونوں صاحبزادوں ، ناصر جمیل ہاشمی ،باسط شکیل ہاشمی اور آپ کی صاحبزادی عطیہ اسماء ہاشمی ہر لحاظ سے فارغ البال اور آسودہ حال ہیں۔دنیا کی ساری نعمتیں انھیں حاصل ہیں۔گاڑیاں، بنگلے ، کاروبار اور عزت و توقیر اور سب سے بڑی بات یہ کہ تمام آسائشوں کے باوجود دینی رجحان رکھنے والے بے دینوں اور دنیا کے پجاریوں سے متنفر ہیں۔ نیکی کے راستے پر نہایت کشادہ دلی سے خرچ کرنے والے ہیں۔ مفتی صاحبان کے مزارات پر ذاتی مصارف سے نہایت عالی شان روضے کی تعمیر کرا چکے ہیں۔ ایک عالی شان مسجد کی تعمیر اور ایک وسیع رقبے پر جدید دینی درس گاہ کا قیام ان کے پروگرام میں شامل ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ انہیں صدقات جاریہ کے قیام اور اپنے بزرگوں کا نام روشن کرنے کے لیے مال اور عمروں میں برکت عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین!

جناب ہاشمی صاحبؒ کے بے شمار معتقدین میں سے ایک مخلص ارادات مند جناب ولی محمد نقشبندی علی پوری نے اپنے تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

''جہاں تک میں نے آپؒ کی زندگی کا مشاہدہ کیا آپ کی زندگی دین حق کی مکمل آئینہ دار تھی آپکے علم اور عمل میں، میں نے کبھی تضاد نہیں دیکھا جو فرمایا اس پر عمل بھی کر کے دکھایا۔ اخلاق تو آپکا اتنا بلند تھا کہ اپنے پرائے سبھی آپکے گرویدہ تھے۔قدرت نے زبان ایسی عطا فرمائی تھی کہ جو بات منہ

Marfat.com

سے نکل جاتی پھر وہ ہو کر ہی رہتی۔ چند ایک واقعات لکھ رہا ہوں :

(1) میرے ہاں تیسری بیٹی پیدا ہوئی ہے تو میں نے آپکی خدمت میں عرض کیا کہ دعا فرمائیں اللہ تعالی مجھے اولاد نرینہ عطا فرمائے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اب انشاء اللہ بیٹا ہوگا اور اس کا نام ہم نے دین محمد رکھ دیا ہے اور یاد رکھو کہ لوگ اس نام کے متعلق کہیں گے کہ پرانا نام ہے مگر نام یہی رکھنا ہے جب میرے بیٹے نے پرائمری پاس کی تو آپ بھیرہ تشریف لائے ارشاد فرمایا کہ اب اسے قرآن پاک حفظ کرواؤ۔ اس شام بھیرہ میں واقع میراں صاحبؒ کے مزار پر تشریف لے گئے۔ مراقبہ کیا فرمایا کہ حضرت نے بشارت دی ہے کہ یہ بچہ قرآن پاک حفظ بھی کرے گا اور پہلا مصلے بھی بھیرہ میں پڑھے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

(2) آپ جب بھیرہ تشریف لائے تو اکثر خواجہ محمد عمر کے مکان پر ٹھہرتے ایک مرتبہ آپ وہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ میں آپ کے ساتھ تھا اچانک گہرے بادل چھا گئے اور موسلا دھار بارش کے ساتھ ساتھ اولے بھی پڑنا شروع ہوگئے۔ کھڑکی کھلی تھی، جب کافی دیر تک بارش اور اولے برسنے کا سلسلہ بند نہ ہوا تو مجھے فرمایا کہ باہر جاؤ اور دیوار کے قریب پڑے ہوئے اولوں سے ایک دانہ اٹھا کر لاؤ۔ میں نے حکم کی تعمیل کی۔ آپ نے اس دانے پر کچھ پڑھا اور دم کر کے کھڑکی سے باہر پھینک دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اولے برسنا بند ہوگئے آسمان یوں صاف ہوگیا کہ جیسے بادل کبھی آئے ہی نہیں تھے۔

(3) میرے گاؤں کے ایک آدمی نے کہا کہ میرے بیٹے کا رشتہ جہاں میں چاہتا ہوں نہیں ہو رہا۔ جب بھی جاتا ہوں، لڑکی والے انکار کر دیتے ہیں

Marfat.com

میں نے آپکی خدمت میں گزارش کی تو آپ نے تعویذ بھی عطا فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اب اسے کہنا کہ ادھر جانے کی ضرورت نہیں بلکہ لڑکی والے خود آئیں گے ۔ایسا ہی ہوا، اس آدمی نے مجھے بتایا کہ لڑکی والے خود آ کر رشتہ طے کر گئے ہیں ۔

(4) وصال سے ایک ہفتہ پہلے مجھے پیغام بھیجا کہ اگلی جمعرات کو سرگودھا پہنچ جاؤ! میں حسب ارشاد جمعرات شام کو پہنچ گیا۔ جب کالج پہنچا تو پتہ چلا کہ آپ ہسپتال میں ہیں اور صبح ملاقات ہوگی۔ صبح جب میں ہسپتال پہنچا تو پتہ چلا کہ آپکا وصال ہو چکا ہے ۔ میں آپکے قدموں کی طرف کھڑا ہو گیا ۔بے اختیار منہ سے چند الفاظ جدائی کے متعلق نکل گئے۔ میری نظر ان کے چہرے پر پڑی، آپکے ہونٹوں پر ایک لطیف مسکراہٹ تھی۔ پھر جب آپکو رتہ شریف میں دفن کیا گیا، تب میں اطلاع دینے کھوکھر زیر گیا ہوا تھا۔ وصال کے بعد ایک برس تک اس غم میں مبتلا رہا کہ نہ آخری ملاقات نصیب ہوئی ،نہ آخری دیدار نصیب ہوا۔ آخر آپ نے خواب میں زیارت بخشی اور ارشاد فرمایا ''موت برحق ہے ایک نہ ایک دن یہ ہونا تھا لہذا صبر کرو اور یہ پڑھا کرو''

ان اللہ علی کل شی قدیر ھو السمیع البصیر

میری دعا ہے اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور انکی محبت کو ہماری بخشش کا ذریعہ بنا دے۔ آمین ثم آمین!

مفتی ثالث حضرت عبدالقدوش ہاشمیؒ کے سرگودھا کالج کے دوستوں میں سے ایک قریبی دوست جناب پروفیسر چوھدری عبدالحمید صاحب نے میری فرمائش پر چند سطور تحریر فرمائیں۔ جنہیں ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

Marfat.com

''مفتی عبدالقدوس ہاشمیؒ صاحب (مرحوم) میرے قابل احترام اور مخلص دوست جن کی پرخلوص دوستی کا اثر اگلی نسل تک بھی جاری ہے، بہت سی ارفع واعلیٰ خوبیوں کے مالک تھے۔لیکن ان کی دوخوبیاں مجھے بہت پسند تھیں جن کی وجہ سے میں ان کا قدردان بن گیا۔

آج کل کے دور میں اہل مدرسہ وخانقاہ میں دوکمزوریاں پائی جاتی ہیں۔ بزدلی اور طمع وحرص۔جس شخص میں یہ کمزوریاں نہ ہوں وہ بڑاعظیم انسان ہے اور اگر دینی عالم اور پیرومرشد میں یہ کمزوریاں نہ پائی جائیں تو وہ عظیم انسان ہوتا ہے۔ میں نے ہاشمی صاحب مرحوم میں یہ دونوں کمزوریاں نہ پائیں بلکہ اس کے برعکس:

کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق کے مصداق پایا۔

ہاشمی صاحب دنیوی طمع لالچ وحرص سے بے نیاز محبت کرنے والی اور فیض بخش شخصیت کے حامل تھے۔ میرے ذاتی علم میں ہے کہ انہوں نے کئی بے سہارا بچوں کی سرپرستی کرکے ان کا مستقبل روشن کیا۔ گورنمنٹ کالج سرگودھا میں قریباً22-23سال تک سلسلہ رشد وہدایت جاری رکھا۔ بے شمار لوگوں نے فیض حاصل کی۔ بہت کچھ آیا لیکن ہاتھ کھلا رکھا اس لیے کوئی جائیدادنہ بنائی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا انعام ان کی اولاد کو عطافرمادیا۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی اولاد کو بھی دل کا غنی بنادے۔ علامہ اقبال کے زمانہ میں ہوتے تو شاید علامہ کو یہ شعرنہ کہنا پڑتا۔

اٹھا میں مدرسہ وخانقاہ سے غمناک
نہ زندگی نہ محبت، نہ معرفت، نہ نگاہ

Marfat.com

آپ بڑے ہی صاف باطن پاکیزہ خیالات اور جذبات والے انسان تھے۔ ہمدردی اور غمگساری کے پیکر۔ اور ''رزم ہو یا بزم ہو، پاک دل و پاک باز'' کا عملی نمونہ۔

فرقہ پرستی سے بالاتر اور اپنے مسلک پر مضبوطی سے قائم، دوسرے مسالک کے حامل افراد کے لیے خیر خواہی کے جذبات اور خوشگوار تعلقات، احباب کی مجلس میں بڑے شگفتہ مزاج اور پاس لحاظ رکھنے والے۔ پیارے ہاشمی صاحب لیکن ''رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن'' کی طرح قائم ودائم۔ حقیقت یہ ہے کہ انہیں ہم سے محبت تھی اور ہمیں ان سے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

جامع مسجد شہداء سرگودھا کے خطیب مولانا محمد سعید قاضی صاحب نے حضرت ہاشمی صاحبؒ کے متعلق اپنے تاثرات میں کچھ یوں فرمایا۔ کہ مفتی ثالث کی ذات میں تین خوبیاں امتیازی طور پر موجود تھیں۔ وہ کہتے ہیں:

اول یہ کہ مجھ سے ایک مرتبہ حضرت ہاشمی صاحبؒ نے گھر کا سودا سلف منگوایا اور دوکاندار کے دس پیسے بقایا رہ گئے۔ چنانچہ جب دوبارہ مجھے سودا لانے کیلئے بھیجا تو مجھے تاکیداً یہ فرمایا کہ پہلے سابقہ دس پیسے ادا کرنا اور اس کے بعد آج کا سودا خریدنا۔ یہ بات ان کی بے حد دیانت داری کی روشن مثال ہے۔

مولانا نے ایک دوسرا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ جب میرا تقرر فوج میں بطور خطیب کے ہوا تو میں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ جناب میں آپ کے لیے کوئی تحفہ لانا چاہتا ہوں ۔ مجھے آپ اپنی پسند سے مطلع فرمائیں۔ جواب

Marfat.com

میں آپ نے فرمایا کہ کسی تحفے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔ میں تمھیں ایک نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے جو موقع اور صلاحیت تمھیں دی ہے اسے کام میں لاکر غرباء اور مساکین کو فوج میں بھرتی کرواؤ۔ اور اس طرح ان کی تنگ دستی دور کرنے کا سبب بنو۔

مولانا فرماتے ہیں کہ حضرت ہاشمی صاحب کو اس بات کا شدت سے خیال رہتا تھا کہ اکثر لوگ قرآن پاک کو بغیر قرات اور تجوید کے عجمی انداز میں پڑھتے ہیں۔ اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے کلام کی توہین کے زمرے میں آتی ہے۔ خود حضرت ہاشمی صاحب نہایت بلند اور دل آویز آواز کے مالک تھے اور تلاوت کے دوران قرات اور تجوید کے پورے اصولوں کا خیال فرماتے اور اکثر حفاظ کرام کو تاکید فرماتے کہ قرآن مجید کے جملہ آداب کو ملحوظ رکھا کرو۔ چنانچہ آپ نے موضع بھون میں اپنی آبائی مسجد میں ایک حافظ صاحب کو تدریس کے لیے بھیجا تو انھیں سختی سے تاکید فرمائی کہ تمھارے شاگرد بہترین قرآن پڑھنے والے ہونے چاہئیں۔

Marfat.com

Marfat.com

محترمہ حافظہ

روشن بی رحمۃ اللہ علیہا

پیدائش ———————— موضع کھائی

وصال — 12 مارچ 1962ء بروز جمعہ، رتہ شریف

Marfat.com

Marfat.com

محترمہ حضرت روشن بی رحمتہ اللہ علیہا

آپؒ حضرت قاضی شرف الدینؒ کی واحد اولاد تھیں۔ قاضی شرف الدینؒ حضرت مفتی اعلیٰ امام الدینؒ کے برادرِ بزرگ تھے۔ قاضی صاحب جب تحصیل علوم کر چکے تو موضع کھائی کے معززین انکے والد گرامی کی خدمت میں رتہ شریف حاضر ہوئے اور یہ عرض کی کہ آپ اپنے دونوں بیٹوں میں سے ایک بیٹے کو مستقل طور پر ہمارے ہاں بھیج دیں۔ ہم زمین، مکان اور دوسری ساری ضروریاتی زندگی فراہم کریں گے۔ ہمارے بچے اور جوان مبادیات دین سے بالکل ناواقف ہیں۔ ہمارا گاؤں دین کا علم رکھنے والے شخص سے محروم ہے۔ یہ ہمیں تعلیم اسلامی سے آگاہ فرمائیں گے۔ ہمیں اس بات کا خوف ہے کہ ضروریات دین سے غفلت ہمیں کسی بڑی مصیبت میں مبتلا نہ کردے۔ چنانچہ قاضی فتح دین صاحبؒ نے اپنے بڑے بیٹے قاضی شرف الدینؒ کو جو کہ علم کی تحصیل کر چکے تھے ان کے ہاں بھیجنے کا وعدہ فرما لیا۔

موضع کھائی والوں نے نہایت ادب واحترام کے ساتھ قاضی شرف الدینؒ کا استقبال کیا۔ مزروعہ زمین بقدرِ ضرورت اور ایک معقول مکان دیا۔ اور کچھ عرصہ کے بعد گاؤں کے سرکردہ افراد نے کوشش کر کے ایک معزز خاندان سے رشتہ ازدواج میں منسلک کردیا۔ پورا گاؤں بلکہ دوردراز کے گاؤں والے بھی تمام دینی مسائل میں آپ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ وہ وقت مذہبی منافرتوں، فرقہ بندیوں، کدورتوں اور مسلکی آویزیشوں سے پاک تھا۔

Marfat.com

جس کی بناء پر دین اور دین دار لوگ عام مسلمانوں کی نظروں میں بے وقار نہیں ہوئے تھے۔ قاضی صاحب ؒ موصوف سب مسلمانوں کے لیے مسلمانوں کے لیے ایک محترم رہنما کا درجہ رکھتے تھے آپ نہایت سکون اور اطمینان سے عام مسلمانوں کی تعلیم اور دینی تربیت کا فریضہ ایک عرصے تک سرانجام دیتے رہے۔

شادی کے کئی سالوں کے بعد آپ کے ہاں ایک بچی کی ولادت ہوئی، جس کا نام روشن بی تجویز ہوا۔ لیکن بچی کی عمر ابھی بمشکل چار یا پانچ سال تھی کہ ان کے والد گرامی قاضی شرف الدین ؒ کا انتقال ہوگیا آپ کی والدہ محترمہ نے سال ڈیڑھ سال بیوگی میں گزارا اور اس کے بعد ان کے بڑوں نے ان کا نکاح ثانی موضع اوڈھروال میں اپنے رشتے داروں میں کردیا روشن بی ابھی کم سن تھیں اور والدہ کے بغیران کا رہنا ممکن نہ تھا اس لئے وہ اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ اوڈھروال میں ہی رہنے لگیں لیکن جب آٹھ نو سال کی عمر کی پہنچیں تو آپ کے چچا حضرت امام الدین ؒ کو اوڈھروال جاکر اپنی بچی کو جو ان کے عالم وفاضل بھائی کی واحد نشانی تھیں، اپنی بھاوج کی اجازت سے رتہ شریف لے آئے۔

روشن بی صاحبہ اپنی عقل وفراست کی بناء پر نہایت کم عمری میں ہی والدہ گرامی کا سایہ سر سے اٹھ جانے کی وجہ سے وقت سے پہلے ہی پختہ مزاج اور سنجیدہ طبیعت کی مالکہ بن چکی تھیں۔ آپ نے اوڈھروال کے قیام کے دوران قرآن پاک نہایت صحیح طریقے سے پڑھ لیا تھا۔ دینی فرائض کو بجالانے کے تمام مسائل بھی آپ نے از بر کرلئے تھے اور بچپن سے ہی آپ

Marfat.com

کا علم وعمل آپس میں ہم آہنگ ہو چکا تھا۔ گھریلو خواتین کیلئے ضروری ہنر بھی آپ سیکھ چکی تھیں۔ البتہ اپنے چچاجان کے پاس آ کر سلائی بنائی جھنجھٹوں میں پڑ کر وقت ضائع کرنے کی نوبت نہ آئی۔ آپ کے چچاجان انتہائی زیرک، ہوش مند اور مہربان انسان تھے ۔ انہوں نے اپنی بھتیجی کو ماں کا پیار دیا، باپ کی شفقت دی اور بہترین استاد کی حیثیت سے آپ کی ہر پہلو پر راہنمائی فرمائی ۔آپ نے اپنی بھتیجی کو سلسلۂ نقشبندیہ میں داخل کیا اور اپنی بھتیجی کو بھی معمولات روز وشب کا خوگر بنادیا۔

محترمہ روشن بی صاحبہؒ کے دو چچا زاد بھائی شادی شدہ تھے اوراپنے اپنے گھروں میں بس رہے تھے ۔ تیسرے تحصیل علم کی خاطر برسوں سے گھر سے باہر تھے ۔ لیکن جب روشن بی صاحبہؒ کی عمر چودہ پندرہ سال کی ہوئی تو آپ کے چچا نے اپنے صاحبزادے عطا محمد صاحب کو چند دنوں کی رخصت پر گھر آنے کیلئے خط لکھا اور اپنی پیاری بھتیجی کا نکاح اپنے عظیم المرتبت بیٹے سے کردیا۔

مفتی ثانیؒ حضرت عطا محمد صاحبؒ رسم مناکحت کے بعد اپنے تعلیمی مرکز کی طرف روانہ ہوگئے اور روشن بی صاحبہؒ مرکز نقشبندیت رتہ شریف میں ان کی زیرسر پرستی جملہ امور خانہ سرانجام دینے لگیں۔ حضرت مفتی اعلیٰ امام الدینؒ اپنی بہو اور بھتیجی کی سلیقہ مندی سے مطمئن ہوکر گھریلو ذمہ داریوں سے آزاد ہو گئے۔ اب ان کی توجہ معتقد حضرات کی تربیت اور تعلیم کی طرف کاملا مبذول ہوگئی ۔

روشن بی صاحبہؒ اب مکمل طور پر گھر کے جملہ امور کیلئے ذمہ دار اور

Marfat.com

ناظم کل کی حیثیت اختیار کر گئیں۔ حیرت ہے کہ گھر کے علاوہ کاشتکاری کی جملہ ضروریات کو پورا کرنا اور اس بات کا دھیان رکھنا کہ کونسا بیج کس زمین میں بویا جائے اور کون سی فصل کب اور کتنے رقبے پر کاشت کرائی جائے ، پھر فصل پک جانے کے بعد اس کی کٹائی سے لیکر اس کو گھر لانے تک کا سارا انتظام گھر میں باپردہ بیٹھ کر عورتوں کے ذریعے سے کروا لینا اور اس وقت کے رواج کے مطابق کام کرنیوالے افراد کو کھانا مع حلوہ پیش کرنا اور کسی کو انگلی اٹھانے کا موقع نہ دینا آپ کی بصیرت اور سلیقہ شعاری کا واضح ثبوت تھا۔

محترمہ روشن بی صاحبہؒ یہ ساری ذمہ داریاں اس وقت بھی پوری کررہی تھیں جبکہ آپ کے شوہر اسلام کی اعلیٰ تعلیم کے حصول کیلئے وطن سے دور رام پور میں اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لارہے تھے اور آپ سے اس وقت بھی یہ ساری ذمہ داریاں سرانجام دیتی رہیں جس وقت مفتی ثانیؒ تکمیل تعلیم کے بعد گھر تشریف لے آئے۔ بلکہ آپ کی ذمہ داریوں میں شوہر محترم کے آنے سے اضافہ ہی ہوا، کسی قسم کی کوئی کمی واقع نہ ہوئی۔

آپ مہمانوں کی تواضع نہایت کشادہ دلی سے فرماتی تھیں۔اس دور کے لوگ مہمانی کے قواعد سے نا آشنا تھے۔ دوپہر کے بارہ بجے بھی آرہے ہیں، تین بجے بھی آرہے ہیں اور رات کے بارہ بجے بھی مہمانوں کی آمد خلاف تہذیب تصور نہیں کی جاتی تھی۔حیرت کی بات یہ ہے کہ مہمانوں کے معیار کے مطابق ہمیشہ ان کی خاطر تواضع کی جاتی۔رات کے بارہ بجے بھی اکثر اوقات مرغ ذبح ہوتے اور دو بجے سے پہلے حلوے سمیت کھانا مہمانوں کے آگے چن دیا جاتا۔ میں نے بچپن سے جوانی تک ایک دن بھی حضرت

Marfat.com

محترمہ روشن بی صاحبہؒ کی زبان مبارک سے بے وقت کی مہمان داری پر شکایت کا ایک لفظ نہیں سنا۔ اس کے برعکس مہمانداری کا پورا کام نہایت شوق اور محبت سے کرتے ہوئے آپ کو دیکھا۔ علمی طور پر تو ہر شخص اس بات سے آگاہ ہے کہ مہمان اللہ کی رحمت ہوتا ہے لیکن عملی طور پر اس عقیدے کا مظہر میں نے مکمل طور پر صرف اور صرف محترمہ روشن بی صاحبہؒ کی ذات میں دیکھا۔ البتہ بہت حد تک اس رویے کی جھلک آپ کی دونوں صاحبزادیوں محترمہ غلام زہرہؒ اور محترمہ زینب بیؒ میں موجود پائی۔

بچوں کی پیدائش کے بعد ان کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری بھی آپ پر تھی۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ایسا متوازن ذہن عطا کیا تھا کہ آپ نرمی کے وقت سختی نہ کرتیں اور سختی کے وقت نرمی سے کام نہ لیتیں۔ آپکی یہ سخت گیری صرف تعلیم و تربیت کی غرض سے ظاہر ہوتی ورنہ عام حالات میں اور عام میل جول میں آپ کی طبیعت ہمیشہ پرسکون رہتی معتقد خواتین کی کثیر تعداد آپ کی محبت اور حسن اخلاق سے متاثر ہوکر شب و روز رتہ شریف کے دشوار راستوں کو طے کرتے ہوئے آپ کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل کرتی۔ اور آپ سے تعلق رکھنے والی جو مستورات بقید حیات ہیں ان کا یہ بیان ہے کہ حضرت روشن بیؒ کے وقت میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی مہمان خواہ عرس کا ہجوم ہی کیوں نہ ہو بغیر ناشتہ کئے یا بغیر کھانا کھائے آپ سے رخصت ہوا ہو۔ یہاں تک کہ جو مہمان خواتین و حضرات منزل کی دوری کی وجہ سے سحری کے وقت ہی اجازت لیکر رخصت ہونا چاہتے آپ ان کی تعداد کے مطابق فی کس دو عدد چپاتیاں اور پاؤ بھر حلوہ ان کے پلو میں بندھوا کر رخصت فرماتیں اور یہ

Marfat.com

انتظام متوقع رخصت ہونے والے مہمانوں کی تعداد کے مطابق آپ نے اول رات سے ہی کر رکھا ہوتا تھا۔

آپ کے چچا جان اور آپ کے محترم شوہر کا مسلک دنیا کمانا نہیں تھا۔ ہدایہ اور تحائف بھی کثرت سے حاصل نہیں ہوتے تھے اور زمینداری بھی اس پیمانے کی نہ تھی کہ آپ کو اس مد سے کوئی خصوصی منفعت حاصل ہو رہی ہو لیکن اس کے باوجود گاؤں کے ہر فرد کا گمان یہ تھا کہ سب سے زیادہ دولت مند گھرانہ آپ کا ہے چنانچہ ہر ضرورت مند آپ سے اعانت مانگتا اور آپ کسی کو بھی محروم نہ رکھتیں۔ یہاں تک کہ اگر کوئی اپنی زمین یا مکان فروخت کرنا چاہتا تو وہ پہلے آپ کے پاس ہی پیغام بھیجتا۔ کہ میرے مکان یا زمین کی قیمت یہ ہے آپ خرید لیں اور لطف کی بات یہ ہے کہ آپ خرید لیتیں۔ رقم کی ادائیگی کیسے ہوتی یہ صرف محترمہ روشن بی جانتی تھیں ۔کیوں کہ میرے خیال میں آپ پیسوں کے معاملے میں کبھی صاحب نصاب نہ تھیں۔لوگوں کا گمان کچھ زیادہ غلط بھی نہ تھا کیونکہ آپ نے زمینیں بھی خریدیں اور مکان بھی خریدے اور اپنے مکانات کی نئے سرے سے تعمیر بھی کروائی اور بلاشبہ آپ کے مکانات پورے گاؤں کے مکانوں سے اعلیٰ اور کشادہ اور ہر لحاظ سے مکمل تھے لوگ اس بات سے باخبر تھے کہ آپ کا کتنا کام عقیدت مند حضرات انتہائی محبت اور بخوشی بغیر کسی معاوضے کے انجام دیتے ہیں۔ جو ادائیگیاں کرنا بھی ہوتی ہیں ان کا معاملہ اس ہاتھ دے اور اس ہاتھ لے کی صورت میں ہوتا ہے۔ کسی جمع پونجی کا وہاں کوئی دخل نہیں تھا۔ اپنے بچوں کی شادیوں میں اعزا واقربا کے لین دین کے موقع پر آپ نے کسی بخل سے کبھی کام نہیں لیا

Marfat.com

اچھا سے اچھا اور بہتر سے بہتر سامان دیا اور کبھی کسی کی حرف گیری کی نوبت نہ آنے دی۔ بلکہ وہ ضرورت مند بچیاں جنہوں نے کچھ وقت بسر کیا ان کو آپ نے اپنی بچیوں کی طرح رخصت کیا۔

حضرت مفتی ثانیؒ اپنی زوجہ محترمہ کی قابلیت اور حسن انتظام پر بھروسے کیوجہ سے ہرطرح کی فکر سے آزاد ہوگئے تھے۔ اور انہوں نے اپنی افتادِ طبع کے مطابق کسی دنیاوی کام کی طرف کبھی پلٹ کر نہ دیکھا۔ اور اپنی دینی اور تبلیغی سرگرمیوں میں تازیست مصروف رہے۔

بظاہر لگتا ہے محترمہ روشن بی صاحبہؒ جب اتنی ڈھیر ساری ذمہ داریوں کو نبھارہی تھیں۔ تو دینی معاملات میں شاید ان سے تساہل ظاہر ہوا ہوگا لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ وہ بلا تکلف اور بلاناغہ نماز تہجد ادا کرتیں، وظائف پڑھتیں، تھوڑا سا ستاتیں اور پھر صبح کی نماز ادا کرنے کے بعد ایک بڑی تقطیع والے قرآن مجید کو کھول کر تلاوت کرتیں اور نماز اشراق سے فارغ ہوکر ناشتہ تقسیم کرتیں اور ہر طالبعلم اور خادم تک جب ناشتہ پہنچ جاتا تب وہ بقدر ضرورت ناشتہ کرتیں۔ اور پھر رات سونے کے وقت تک دین ودنیا کے سارے کاموں پر ان کے استحقاق اور درجے کے مطابق توجہ مرکوز رکھتیں۔ کسی کام میں کبھی کوتاہی نہ کی، کبھی ناغہ نہ کیااور نہ کبھی بیزاری اور دل گرفتگی کا مظاہرہ کیا۔ میں نے کبھی آپ کو جمائیاں لیتے اور نہ اونگھتے پایا۔ ہوشیاری اور تازگی میں سوئیں اور تروتازہ مستعد بیدار ہوئیں۔ بلاشبہ نیند کی نحوست قیمتی اوقات کو برباد کرنیوالی شے ہے۔ اللہ تعالیٰ نیند کی کیفیت کو بیماری بننے سے بچائے۔ آمین!

Marfat.com

عیدالفطر کے آٹھویں دن حضرت مفتی امام الدینؒ کا عرس مبارک رتہ شریف میں نہایت احترام اور عقیدت سے منایا جاتا تھا۔ عرس کی تقریب ظہر سے لے کر سحر تک جاری رہتی۔ اکثر حضرات دو تین روز قبل جاتے اور ایک دو روز بعد تک رتہ شریف میں قیام رکھتے۔ اس ہفتہ بھر کے قیام میں مفتی ثانیؒ سے زیادہ سے زیادہ روحانی اور علمی استفادے کی کوشش کرتے۔ کثرت سے آئے ہوئے مہمانوں کے قیام وطعام میں کبھی کوئی مشکل پیش نہ آتی۔ کیونکہ حضرت روشن بی صاحبہؒ اپنی دوراندیشی کی بناء پر تمام انتظامات وقت سے پہلے کرلیتیں۔ میں نے جب ہوش سنبھالا تو اپنے آپ پر یہ فرض خود بخود عائد کرلیا کہ مہمانوں کی ضرورت کا خیال رکھنا اور گھر سے باہر کے کاموں کو انجام دینا اور دلوانا ہم بچوں کی ذمہ داری ہے۔ گھر کے معزز افراد یا خواتین کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ ہرایک مہمان کو بستر فراہم کرنے یا صابن تولیہ مہیا کرنے کی ڈیوٹیاں سرانجام دیتے رہیں۔ اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لئے مجھے یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ معلوم کروں کہ مہمانوں کو کیا کچھ ہم گھر سے مہیا کرسکتے ہیں اور کس قدر باہر سے انتظام کرنا ہوگا۔ چنانچہ میں نے محترمہ روشن بی صاحبہؒ سے اس معاملے میں استفسار کیا تو آپ نے فرمایا کہ کھانے پینے کی ہر چیز انڈوں ، اچار، مربوں اور شہد سمیت گھر میں موجود ہے اور گھر میں چالیس اشخاص کیلئے گدے، رضائیاں، چادریں، تکیے اور دریاں بالکل نئے گھر میں محفوظ رکھے ہوئے ہیں۔ اور عام استعمال میں آنے والے بستر اس کے علاوہ ہیں۔ ان کی تعداد بھی تیس سے کیا کم ہوگی۔ یہ بات سنکر ایک تو میری تشویش بہت حد تک کم ہوگئی اور دوسرا یہ خیال ذہن میں آیا کہ محترمہ نانی جان

Marfat.com

کس قدر حسن انتظام کی مالک ہیں۔ ورنہ اس چھوٹے سے گاؤں میں معزز مہمانان کو ٹھہرانا کتنا مشکل ہو جاتا۔

آپ کے گھر کا ماحول ہمیشہ خوشگوار رہا۔ آپ کے شوہر محترم تو سدا بہار شخصیت کے مالک تھے ہی کھردراپن انہیں چھو کر نہ گزرا تھا۔ آپ حضرت روشن بی صاحبہؒ کو ''بیوی جی'' کہہ کر پکارتے اور موقع محل وقوع کے مطابق مسرت آمیز ظرافت سے کام لیتے۔ مثال کے طور پر ایک دن جب آپ اشراق پڑھ کر گھر تشریف لائے تو محترمہ نانی جان حسب معمول قرآن پاک سامنے رکھ کر تلاوت میں مشغول تھیں۔ آپ نے ان کو دیکھا اور برآمدے کی چارپائی پر بیٹھتے ہوئے فرمانے لگے'' بیوی جی آپ تو بہت ہی کندذہن کی مالکہ ہیں ساری عمر آپ نے قرآن مجید پڑھا اور پھر بھی یاد نہ ہوا''۔ محترمہ روشن بی صاحبہؒ یہ بات سن کر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ تلاوت کلام پاک میں مصروف رہیں۔

حضرت روشن بی صاحبہؒ اپنے معمولات میں کسی طرح کے ناغے کی روادار نہ تھیں۔ مثلاً آپؒ گیارہویں شریف کے لیے چاول وغیرہ پکا کر تقسیم کرتیں۔ اگرچہ حضرت مفتی ثانیؒ نے اس معاملے میں نہ کبھی خیال دلوایا، نہ کبھی تاکید فرمائی۔ عید قربان کا نماز کے وقت تک کا روزہ آپؒ نے کبھی نہ چھوڑا۔ علاوہ ازیں از خود اپنے آپ پر متعدد فرائض عائد کر رکھے تھے جن میں کبھی تعطل نہ آنے دیا۔

آپؒ نے متعدد مرتبہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے عرس مبارک کے موقع پر سرہند شریف جا کر شمولیت اختیار کی۔ اور معراج المبارک کی تقریب

Marfat.com

سعید میں للہ شریف پہنچ کر حاضری دی اور آپؒ کو جو سفر کرنا ہوتا یا کوئی کام انجام دینا ہوتا تو آپؒ کسی سہارے کا انتظار ہرگز نہ کرتیں۔ صرف ایک خادمہ ساتھ ہوتی تو سفر پر چل دیتیں اور بڑے سے بڑے اور مشکل کام میں ہاتھ ڈال دیتیں ۔ ایک مرتبہ میرے پوچھنے پر فرمانے لگیں کہ مجھے للہ شریف سے واپس آنا تھا، گاڑی کا وقت ہوگیا، سامان جلدی میں سمیٹا اور پوٹلیا باندھ کر سٹیشن کی طرف روانہ ہوگئے۔ ٹکٹ لے کر پنڈدادنخان اور وہاں سے تانگے میں بیٹھ کر کھیوڑہ پہنچ گئے۔ جیب میں جو پیسے تھے ان میں دو ٹکٹ نہیں آسکتے تھے۔ خادمہ سے کہا کہ وہ پوٹلیا میں سے تھیلی نکالے، کچھ اور پیسے ٹکٹ کے لیے نکالنے پڑیں گے۔ جب پوٹلیا کو کھولا گیا تو معلوم ہوا کہ پیسوں والی تھیلی تو للہ شریف میں بھول آئے ہیں۔ اب سخت پریشانی ہوئی، کوئی صورت نظر نہیں آرہی تھی نہ واپس جاسکتے تھے، نہ چکوال آسکتے تھے۔ بے سوچے سمجھے ہم دونوں بس میں سوار ہوگئیں۔ دل میں کہا کہ ٹکٹ والا آئے گا تو دیکھا جائے گا یا تو وہ رعایت کردے گا یا گاڑی سے اُتار دے گا۔ فرمانے لگیں کہ میں کھڑکی کے پاس سفید برقعہ پہنے بیٹھی تھی کہ میں نے برقعے کی جالی میں سے دیکھا کہ ایک شخص کچھ فاصلے سے بس کی طرف آرہا ہے، دایاں ہاتھ اٹھایا ہوا ہے اور دو انگلیوں کے بیچ ایک روپے کا نوٹ پکڑا ہوا ہے۔ آتے آتے اس نے ہاتھ بڑھا کر روپیہ میرے سامنے کردیا۔ میں نے کچھ کہے بغیر نوٹ پکڑ لیا اور وہ بھی بغیر کچھ بولے نوٹ دیکر واپس چلا گیا۔ روپیہ ملنے کے بعد پریشانی کچھ کم ہوئی۔ اللہ جانے یہ غیبی امداد کس وجہ سے ہوئی اور کس کی طرف سے ہوئی۔ بہر حال ہم اطمینان سے چکوال اور چکوال سے گھر پہنچ گئیں۔

Marfat.com

حضرت مفتی ثانیؒ 1957ء میں وصال فرما گئے۔ آپؒ کے لیے یہ صدمہ کسی بادشاہت کے چھن جانے سے کم نہ تھا۔ لیکن آپؒ نے نہایت صبر اور حوصلے سے اس سانحے کو برداشت کیا۔ اور بعد ازاں گھر کی تمام رونقوں کو تاحیات برقرار رکھا۔

نشیب وفراز، تنگیاں اور آسائشیں اس زندگی کا حصہ ہیں۔ ایک وقت ایسا آیا کہ آپ سب بچوں کی مختلف مصروفیات کی وجہ سے رتہ شریف میں قریب قریب تنہا سی ہوگئیں۔ صرف آپؒ تھیں اور آپؒ کی بہو تھیں اور گھر میں کوئی فرد نہ تھا۔ میں ان دنوں اسلامیہ ہائی سکول چکوال میں پڑھاتا تھا۔ اور میری کوشش ہوتی کہ ہفتہ واری تعطیل آپؒ کے پاس جاکر گزاروں۔ لیکن جب ہاسٹل کا چارج مجھے مل گیا تو ہفتہ وار حاضری باقاعدہ نہ رہی اور آپؒ چھٹی والے دن نہایت بے تابی سے منتظر رہا کرتیں۔ چنانچہ ایک غیر حاضری کے بعد جب میں اگلے ہفتے آپ کے پاس پہنچا تو آپؒ دوران گفتگو فرمانے لگیں کہ محبت درخت کے رس کی طرح ہوتی ہے اور رس تنے سے شاخوں کی طرف جاتا ہے، شاخوں سے واپس نہیں آتا۔ ہم آپ کا انتظار کرتے ہیں آپ اپنی اولاد کا انتظار کیا کریں گے۔ آپؒ کی یہ بات سُن کر میں پانی پانی ہوگیا اور ان کے بعد ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ دوبارہ اس طرح کی شکایت کا موقع نہ دوں۔

آپؒ کے اوپر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہوا کہ آپؒ کی ساری اولاد آپؒ کی زندگی میں ہی اپنے اپنے مقام پرخوش باش اور مطمئن زندگی گزارنے لگ گئی۔ آپؒ کے چھوٹے بیٹے مفتی ثالث حضرت عبدالقدوس ہاشمیؒ کی سرگرمیاں

Marfat.com

کالج میں بطور خطیب تقرری ہوگئی۔ آپؒ کو ان سے خصوصی انس تھا اور آپؒ اکثر سرگودھا جاکر رہا کرتیں۔ آپؒ کی دونوں بہوئیں غلام رقیہؒ اور انور بی صاحبہؒ آپؒ کی انتہائی فرمانبردار اور اطاعت شعار تھیں۔ بلکہ محترمہ انور بی صاحبہؒ تو ان کی جانشین ہیں۔ تمام سابقہ تعلقات سمیت نئے اور پرانے، اپنے اور بیگانوں سے برقرار رکھے ہوئی ہیں اور نہایت خوش دلی سے نبھار ہی ہیں اور اپنی محترم ساس حضرت روشن بی صاحبہؒ کے یوم وفات پر سولہ رمضان المبارک کو قرآن مجید پڑھوا کراور پڑھ کر ایصال ثواب کرتی ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کی عمر اور مال میں برکت عطا فرمائے۔ آمین!

محترمہ حضرت روشن بی صاحبہؒ کو ایک عرصے تک نزلہ وزکام کی تکلیف لاحق رہی اور آخری دنوں میں یہ تکلیف زیادہ ہوکر ناقابل علاج ہوگئی۔ مرض اور عمر کے سبب آپ سولہ رمضان المبارک **1962**ء کو اس جہان ناپائیدار کو الوداع کہہ کر خالق حقیقی سے جاملیں۔ اپنی حیات مستعار کی ساری ذمہ داریوں کو نہایت خوبصورتی سے سرانجام دے کر خالق اور مخلوق کے ہاں سرخرو ہوگئیں۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

آپکو اللہ تعالیٰ نے آخری آرام گاہ کے لیے اپنے محترم چچا جان حضرت مفتی اعلیٰ کے مزار اقدس کے سرہانے کی طرف شمال مغرب میں روضے شریف میں جگہ عطا فرمائی۔ جزاھااللہ احسن الجزاء

Marfat.com

محترمہ حافظہ

رحمۃ اللہ علیہا

غلام زہرا

پیدائش ــــــــــ 1912ء، رتہ شریف

وصال ــــ 16 جنوری 1986ء، رتہ شریف

عمر ــــــــــ 74 سال

Marfat.com

Marfat.com

محترمہ حافظہ **غلام زہرا** رحمتہ اللہ علیہا

حضرت مفتئ ثانی علامہ عطا محمد کی ساری اولاد مخصوص ،منفرد اور ممتاز آدیب و اطوار کی مالک تھی۔ اور پھر چاروں بہن بھائیوں میں سے محبت،ایثار، اخلاق اور ہر دل عزیز ہونے کی حیثیت سے آپ کی بڑی صاجزادی حضرت حافظہ غلام زہرا کا مرتبہ سب سے اونچا تھا۔بچپن میں ہی آپ کے مزاج کی کشادگی اور بے ساختگی ان کی فطری صفائی قلب کی آئینہ دار تھی۔دوسرے ہم عمر بچوں سے اثر لینا ان کے مزاج کے خلاف تھا۔البتہ دوسروں پر اثرات قائم کرنا ان کے مزاج کا حصہ تھا۔وہ اپنی مرضی کی خود مالک تھیں۔یہاں تک کے قرآن مجید پڑھنے کے لئے جناب حافظ عبدالکریم صاحب کے پاس مسجد جانا بھی ان کی اپنی مرضی کے تحت تھا۔پڑھنے کے لئے جانا گھر والوں کی خواہش کے مطابق نہ تھا۔مکتب میں ہم عمر اور ہمدرد بچیوں کا ان کا اپنا ایک الگ گروہ تھا۔ذہانت ورثے میں ملی تھی۔لیکن اس کا استعمال کسی جبر کے تحت انھوں نے نہ کیا تھا۔جی چاہا تو زرا سی محنت کر کے سبق یاد کر کے سنادیا۔دل نہ مانا تو استاد محترم کو یہ کہہ دیا کہ سبق پڑھنے کو دل نھیں چاہ رہا اور واپس گھر آگئے۔

بہرحال خداداد ذہانت کی بنا پر آپ نے کلام پاک حفظ کر لیا۔لیکن اس حفظ میں کسی محنت اور مشقت کا عمل دخل نہ تھا۔بلکہ بہ رضا و رغبت اور خوش دلی کے ساتھ یہ اہم کام انجام پزیر ہوا۔آپ کے خاندان میں حافظ ہونے والے بچوں اور بچیوں کے لئے ضروری تھا کہ وہ قرآن مجید حفظ کرنے

Marfat.com

کے بعد پہلے رمضان المبارک ہی میں نماز تراویح میں سناتیں۔ چنانچہ آپ نے بھی گھر کے صحن میں خواتین کی جماعت کو قرآن مجید تراویح میں سنانا شروع کیا آپ نہایت خوش آوازی اور دلیری کے ساتھ بلا جھجک قرآن مجید سنایا کرتیں۔ نمازی خواتین میں کئی ایک حافظ قرآن تھیں۔ چنانچہ ان میں سے اگر کوئی لقمہ دے دیتی تو سلام کے بعد ان کو جھاڑ پلا دیتیں کہ تم نے جلدی میں لقمہ کیوں دیا، میں تو خود اسی طرح ٹھیک کر کے پڑھنے والی تھی۔ یا تم نے غلط بتایا ہے، تمھارا لقمہ دینے کا انداز درست نہیں ہے۔ اس طرح کی بات چیت میں وقت ذرا زیادہ لگ جاتا۔ یہاں تک کے آپ کے والد گرامی مسجد سے تراویح ادا کر کے واپس پہنچ جاتے۔ آپ کی والدہ ماجدہ جب ان کو تراویح سے متعلق محترمہ غلام زہرا کی رفتار اور قراءت کی تلاوت کے متعلق آگاہ کرتیں۔ اور آپ کی وہ گفتگو جو بڑوں کے لئے لطائف کے ضمن میں آتی تھی، وہ گوش گزار کرتیں تو وہ بے اختیار مسکرا دیتے اور بچی کو آئندہ نہ ڈانٹنے کی تاکید فرما دیتے۔

آپ کے والد گرامی کو آپ سے بے حد پیار تھا۔ یوں کہیے کے آپ ان کی لاڈلی بیٹی تھیں۔ حضرت مفتی ثانی کے لئے کسی بھی شخص کو ڈانٹنا ممکن نہ تھا۔ کیونکہ وہ بذات خود سرتاپا مٹھاس ہی مٹھاس تھے۔ اور خصوصا اپنی بیٹی کے لئے تو کسی سخت گیری کا تصور ہی نہ کر سکتے تھے۔ قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد آپ کے والد گرامی نے آپ کو فارسی کتب شروع کرائیں۔ آپ نے ''کریما'' پڑھا، پھر ''پند نامہ عطار'' پڑھا۔ آپ کے والد گرامی کی بے ہنگم مصروفیات کے باعث اسباق کو قائم رکھنا مشکل تھا۔ البتہ آپ جو پڑھ لیتیں

Marfat.com

اسے دہرانے اور یاد کرانے کیلئے آپ کے بڑے بھائی جناب عبدالرزاقؒ عبرت کی راہنمائی بہت کافی تھی۔فارسی کے ساتھ ساتھ آپ نے اس وقت کے رواج کے مطابق فقہی مسائل معلوم کرنے کے لئے پنجابی کتب پڑھیں۔اور آپ نے تمام دینی مسائل پڑھ کراور والدہ ماجدہ سے سوالات کر کے نہایت اچھے طریقے سے ازبر کر لئے۔

آپ نے جس گھر میں آنکھ کھولی وہاں سلسلہ بیعت و تصوف اور معمولات روحانی و اشغال دینی جزو حیات تھے۔چنانچہ سحر خیزی کوئی انوکھا کام نہ تھا۔اشراق کی ادائیگی کوئی اضافی عمل نہ تھا۔اور مراقبات کی باقاعدگی لازمۂ زندگی ہوتی تھی۔چنانچہ آپ بھی ان سارے معمولات کو اپنی والدہ ماجدہ کی معیت میں انجام دینے لگیں۔

میں براہِ راست تو آپ سے یہ سوال نہ کر سکا کہ لطائف باطنیہ کی تکمیل انھوں نے کب کی؟البتہ آپ کی بچپن کی ساتھی خالہ نورجہاں صاحبہ جو محترمہ غلام زہرا کے دادا جان کی مرید اور آپ سے عمر میں بڑی تھیں۔اب تک ماشاء اللہ سلامت ہیں بے شمار وظائف دینی کو نہایت محبت اور باقاعدگی سے ادا کئے جارہی ہیں۔اور مقاماتِ باطن کو بدرجۂ کمال حاصل کر رکھا ہے۔ان سے جب میں نے ایک مرتبہ آپ کے سلوک کے متعلق سوال کیا تو وہ کہنے لگیں کہ مجھے اس بات کا تو علم نہیں کہ انھوں نے مقاماتِ روحانیہ کو کب اور کس سے مکمل کیا۔البتہ اس بات کا علم ہے کہ آپ مستورات کو باطن کا سبق دیا کرتیں اور آپ کی توجہ نہایت پرکشش اور جاذبِ قلوب ہوتی تھی۔

خاندانی دستور کے مطابق پندرہ سولہ سال کی عمر میں آپ کی شادی

Marfat.com

ہوگئی ۔اور آپ اپنے سسرال للہ شریف منتقل ہوگئیں جو پہلے صرف آپ والد اور دادا جان کا پیر خانہ تھا،اب گھر کی صورت اختیار کر گیا۔ کہتے ہیں کے للّہ شریف سے حضرت رابع محمدؒمقبول الرسول کے لئے رشتہ طلب کیا گیا۔تو آپ کی والدہ ماجدہ اس رشتے کے قبول کرنے میں سخت متردد تھیں ۔اور چاہتی تھیں کہ کسی طرح ہماری معذرت قبول کر لی جائے۔اور ایسے قابلِ احترام تعلق کو رشتہ داری کی الجھنوں سے دور رکھا جائے ۔انھیں یہ رشتہ بہت بھاری نظر آرہا تھا ۔اور'' نہ پائے رفتن اور نہ جائے ماندن'' کی کشمکش سے دور چار ہو رہے تھے۔لیکن حضرت مفتیؒ ثانیؒ کیلئے تو عاجزانہ معذرت بھی فاش گستاخی کے ضمن میں آتی تھی ۔بہر حال رشتوں کے فیصلے آسمانوں پر ہوتے ہیں۔آپ مشیتِ ایزدی کے تحت ''للہ شریف'' اپنے نئے گھر میں پہنچ گئیں۔بہت سے لوگ اب تک آپ کے وہاں پہنچنے کے احوال سے واقف ہونگے۔شنید ہے آپ وہاں کے شاہانہ ماحول کا حصہ بن گئیں۔آپکے شوہرِ ذی وقار بلاشبہ فقرو تصوف کے بادشاہ تو تھے ہی،ظاہری شان و شوکت میں بھی کسی بادشاہ ٹھاٹھ باٹھ اور بودو باش میں کم نہ تھے۔ اور ایسا شخصی جاہ و جلال اور تمکنت تو کسی بادشاہ کے نصیب میں بھی کہاں۔حضرت رابعؒ کی بے پناہ کشش کے سبب معتقدین اور خواتین نزدیک و دور سے جوق در جوق کھنچے چلے آتے ۔اور حضرت رابعؒ کی زیارت سے آسودگی حاصل کرتے۔لیکن باایں ہمہ خواتین کی طبیعتیں حضرت غلام زہراؒ سے میل جول کے بغیر فرحت و کشادگی حاصل نہیں کرتی تھیں۔آپ کو اللہ تعالیٰ نے پیدائشی طور پر وسعتِ قلب و نظر سے نوازا تھا۔محبت،ہمدردی اور شفقت آپ کی سرشت میں شامل تھی ۔ہر ضرورت مند کی ضرورت کو پورا

Marfat.com

کرنا، ہر دکھی دل کی ڈھارس بندھانا اور ہر منتشر خانوادے کو جوڑنا آپ کی فطرت کا تقاضا تھا۔

آپ کے پڑوس میں رہنے والی ایک نادار بڑھیا کا گھر شدید بارشوں کی وجہ سے گرگیا۔وہ ایک بھٹیارن تھی ،اس کا نہ کوئی کنبہ تھا نہ ہی کوئی تعاون کرنے والا۔آپ نے از خود اس کو مکان کی تعمیر کے لئے سامان پہنچایا۔اور مزدوری کی رقم بھی بھجوادی ۔آپ کی زندگی میں بے شمار ایسے واقعات ہونگے جن کا ذکر کرنا یا انھیں یاد رکھنا ان کی نظر میں ایک کم تر درجے کی بات تھی ۔اس لئے آپ نے اپنے ان احسانات کا کبھی تذکرہ نہ کیا جوآپ دن رات جاری رکھتی تھیں ۔جسکا اثر یہ ہوا کہ آپ سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی اکثریت ،عقیدت کے علاوہ ممنون احسانات بھی تھی ۔اور یہ ممکن نہیں تھا کہ آپ کسی شخص کو صلح صفائی یا رشتوں کے لین دین کی غرض سے کسی کی حمایت میں کوئی پیغام بھیجتیں اور وہ قبول نہ کرتا۔ قلوب پر یہ حکمرانی بلاشبہ اس مرکز کی مرہونِ منت تھی جہاں پر آپ متمکن تھیں ۔لیکن اس میں بھی کسی شک کی گنجائش نہیں ہے کہ احکام منوانے میں آپ کی پرتاثیر شخصیت کا بھی بڑا ہاتھ تھا ۔باطن کی صفائی جو آپ نے اپنے والد گرامی قدر سے حاصل کی تھی اس کی آب و تاب ''للہ شریف'' میں پہنچ کر دو چند ہوگئی ۔چنانچہ اکثر ایسا ہوتا کہ آپ کسی چیز کی خواہش کرتیں یا کسی کام کے ہونے یا نہ ہونے کے متعلق کچھ کہہ دیتیں ،بعد میں وہ کام بالکل اسی طرح سے سامنے ہوکر آتا جس طرح کی انھوں نے خبر دی ہوتی ۔مثال کے طور پر ایک مرتبہ میں چکوال سے پیر کھارا گیا اور واپس آتے ہوئے للہ شریف آپ سے ملاقات کے لئے صبح نو بجے

Marfat.com

کے قریب پہنچا،آپ ناشتہ کر رہی تھیں،میرے لئے بھی ناشتہ لانے کو کہا،پیر کھارا کے متعلق چند باتیں معلوم کیں اور دورانِ گفتگو نوالہ لیتے ہوئے اچانک ایک غیر متعلقہ سوال کر ڈالا کہ قاضی غلام مہدی صاحب زندہ ہیں؟میں نے جواب دیا :جی ہاں!میں پرسوں ٹھیک ٹھاک چھوڑ کر آیا ہوں ،صحیح و سالم ہیں۔قاضی صاحب موصوف آپ کی چچا زاد بہن کے شوہر ہونے کے ناطے آپ کے بہنوئی بھی تھے ۔آپ نے دوبارہ وہی باتیں شروع کر دیں۔جو آپ پہلے کر رہی تھیں ۔میں بزریعہ ریل براستہ پنڈدادنخان چکوال آگیا اور چکوال پہنچنے کے بعد جو پہلی خبر مجھے ملی وہ یہ تھی کہ علاقہ چکوال کی عظیم ترین شخصیت قاضی غلام مہدیؒ کا انتقال ہوگیا ہے ۔جب وقتِ وفات معلوم کیا تو وہی تھا ۔جس وقت مجھ سے قاضی صاحب کے زندہ ہونے کے متعلق آپ نے للّہ شریف میں سوال کیا تھا ۔اسی طرح بیسیوں واقعات لوگوں کے تجربے میں آئے ہوں گے لیکن انھو ں نے محض اتفاق سمجھ کر نظر انداز کر دیا ہوگا۔مگر میرے نزدیک آپ سے سرزد ہونے والی اس طرح کی باتیں اتفاقات کے ضمن میں نہیں آتیں بلکہ آئینہ قلب کی صفائی کی ایک علامت ہیں۔

آپ اپنے والد گرامی قدر کی طرح نمود و نمائش سے بیزار اور ریا کاری سے متنفر تھیں ۔میں جب پہلی دفعہ جدہ شریف سے چھٹی آیا اور آپ سے ملنے گیا ۔تو آپ کی ملنے والیوں میں سے کسی نے کہا کہ بہت اچھا ہوگیا حاجی صاحب آگئے۔آپ نے اس عورت کو ڈانٹ دیا کہ حاجی صاحب مت کہو بلکہ کہو کہ قاری صاحب آگئے ہیں۔ میں نے اس عورت سے کہا کہ مجھے حاجی کیوں کہہ رہی ہو؟ حج تو میں نے ابھی ایک ہی کیا ہے، نمازیں تو میں

Marfat.com

پانچ وقت پڑھتا ہوں، مجھے تو نمازی صاحب کہو۔آپ میری اس بات پر مسکرا کر خاموش ہوگئیں۔ پاکستان بننے کے کچھ عرصہ بعد آپ کے شوہر نامدار وصال فرما گئے۔آپ کے بڑے صاحبزادے کی عمر اس وقت انیس سال تھی، جو بھیرہ میں زیر تعلیم تھے۔باقی بچے بھی سکول جا رہے تھے۔ گھر کے امور کی نگرانی کرنے والا کوئی ذمہ دار اور تجربہ کار آدمی نہیں تھا۔لیکن آپ نے نہایت حوصلے اور تدبر کے ساتھ ہر کام انجام دیا۔ بچوں کی تعلیم وتربیت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔بچوں کی تعلیم،انکی شادی بیاہ کی تمام ذمہ داریوں کو احسن طریقہ سے پورا فرمایا۔ آپ کا گھر رشد وہدایت کا مرکز مختلف النوع ذمہ داریوں کا محور بھی تھا۔لیکن کبھی اپنی زبان پر یہ لفظ نہ لائے کہ مجھ پر کوئی بہت بڑی افتاد آپڑی ہے یا میں نے مشکل حالات کو اس قابلیت سے انجام دیا، نہ کسی پر اپنے کمال کا اظہار کیا' بلکہ اپنی کتاب حیات کو غیر جانبدار اور باشعور افراد کے لیے کھلا چھوڑ دیا۔ اب ایک واقف حال کے لیے آپ کے صفحات زندگی میں انمول واقعات کو ڈھونڈنا اور آپ کے کمالات کا اعتراف کرنا کچھ مشکل نہیں ہے بشرطیکہ کسی کو متوازن ذہن اور قلب سلیم عطا کیا گیا ہو۔

آپ کے صاحبزادے جناب ڈاکٹر حجتہ اللہ صاحب بسلسلہ ملازمت کچھ عرصہ کے لیے سعودی عرب گئے۔ انہوں نے اپنی والدہ ماجدہ کو بھی وہاں بلالیا۔ کچھ عرصہ آپ وہاں مقیم رہیں اور حج کرکے واپس آئیں۔ آپ کو وہاں کی ہر چیز سے پیار تھا اور ہر ایک شے کا احترام آپ کے دل میں موجود تھا۔حتیٰ کہ سودا سلف جن تھیلیوں یا ''شاپروں'' میں لایا جاتا ان شاپروں کو بھی عام جگہ پر پھینکنا آپ بے ادبی تصور کرتیں تھیں۔ چنانچہ عام استعمال

Marfat.com

میں آنے والی اشیا کو بھی صرف اس خیال سے اپنے ساتھ لے آئیں کہ یہ سب چیزیں بھی تبرکات کے زمرے میں آتی ہیں۔

آپ کی طبیعت نہایت محبت کرنے والی تھی۔ آپ سے ہر ملنے والا محبت رکھتا اور آپ بھی دل وجان سے پیار کرتیں۔ ہر ماں کو اپنی اولاد باقی لوگوں سے زیادہ عزیز ہوتی ہے۔ اور یقیناً آپ کو بھی اپنی اولاد سے اتنی محبت ہوگی۔ میری تو آپ خالہ تھیں لیکن میں ساری عمر اس خیال میں مبتلا رہا کہ آپ کا اصل پیار تو میری ذات سے ہے اور آپ کی اپنی اولاد ان کی محبت حاصل کرنے میں مجھ سے بہت پیچھے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے پاس جا کر آپ کی اولاد کے مقابلے میں، میں نے اپنے آپ کو کم تر درجے کا کوئی فرد کبھی محسوس نہ کیا اور آپ کی ذات پر خالہ زاد بہن بھائیوں کے مقابلے میں اپنا حق ہمیشہ فائق سمجھا۔ لیکن اس کے برعکس کوئی تصور قائم کرنا میرے فہم کو گوارا نہیں تھا۔

ساری زندگی آپ نے نہایت حوصلہ مندی، صبر اور استقامت سے نشیب وفراز کا مقابلہ کیا۔ لیکن عمر کے آخری سالوں میں آپ کی صحت خراب ہونے لگ گئی جس کی وجہ سے آپ کے اعصاب بتدریج کمزور ہوتے چلے گئے۔ بیماری کی شدت کا اظہار آپ کی خود دار طبیعت کے خلاف تھا۔ آپ نے کسی کو سنجیدہ علاج معالجے کی تکلیف دینا مناسب تصور نہ کیا البتہ آپ کے داماد جناب صاحبزادہ ڈاکٹر مسعودالرسول صاحب آپ کی صحت کا اور آپ کی صاحبزادی محترمہ جبیں صاحبہ آپ کے جذبات واحساسات کا از خود خیال رکھتی رہیں۔ شاید اس لیے کہ صحت ان کا شعبہ تھا کہ ان کی رائے اس ضمن میں

Marfat.com

زیادہ معتبر تھی۔ ہرانسان اس دنیا میں ایک مقررہ وقت کے لیے آتا ہے اور اسے اپنے وقت پر آخر کار خواہی نہ خواہی کاروبار حیات سمیٹ کر سفر آخرت اختیار کرنا ہی پڑتا ہے۔ جب آپ کو تکلیف زیادہ ہوئی تو ڈاکٹر صاحب موصوف کے مشورے سے ہی سرگودہا ہسپتال پہنچانے کا انتظام کیا گیا لیکن رستے میں آپ کو اپنی طبیعت زیادہ گرتی ہوئی محسوس ہوئی اور آپ نے گاڑی رکواکر اپنے بڑے بیٹے حضرت سجادہ نشیں صاحبزادہ محمد مطلوب الرسول کو جو دوسری گاڑی میں سوار تھے اپنے پاس بلوایا۔ آپ والدہ ماجدہ کے پاس پہنچے لیکن اب کچھ زیادہ بات کرنے کی ہمت اور گنجائش نہ رہی تھی۔ کچھ لمحوں کے بعد آپ اپنی حیات مستعار کو خیر باد کہہ کر عام جاودانی کو تشریف لے گئیں۔

انالله وانا الیه راجعون

آپ کو آخری آرام گاہ اعلیٰ حضرت للہیؒ کے احاطہ میں نصیب ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے فضل خاص سے نوازے۔ (آمین)

قارئین! جس خاتون محترمہ کے والد گرامی حضرت علامہ مفتی عطامحمدؒ ہوں اور جس ہستی کے شوہر حضرت رابعؒ محمد مقبول الرسول جیسے بادشاہ دین ودنیا ہوں اور جس محترم ماں کے بیٹے حضرت علامہ محمد مطلوب الرسول سجادہ نشین جیسے ہوں۔ ان کے علوِمرتبت کا اندازہ کون کرسکتا ہے اور ان کے اوصاف حمیدہ گنوانے کے لیے یہ اوراق کب کفایت کرسکتے ہیں۔ میں نے چند سطور لکھنے کے بعد جب بغرض اصلاح جناب حضرت الحاج سجادہ نشین للہ شریف کی خدمت اقدس میں پیش کیں تو آپ نے اسے پسند فرمایا اور چند نہایت قیمتی مرمودات کا اضافہ فرمایا، جنہیں آپکے اپنے الفاظ میں من وعن درج

Marfat.com

کیا جاتا ہے۔

''حضرت والدہ محترمہ اچانک رات عشاء کے بعد بیمار ہوگئیں۔ بیماری بظاہر بلغمی مادہ کی زیادتی معلوم ہوتی تھی۔ اتفاق سے میں ان دنوں اپنے تبلیغی دورہ کے سلسلہ میں کھیوڑہ میں تھا۔ اسکی تفصیل کچھ یوں ہے کہ!

آپکی وفات کے چند دن پہلے جبکہ آپکی صحت بالکل بحال تھی، میں نے خواب میں دیکھا کہ سورج غروب ہورہا ہے، معاً جاگ گیا اور سہم گیا کہ اللہ خیر کرے۔ چونکہ ظاہراً صورت حال بالکل معمول کے مطابق تھی۔ اس لیے میں اپنے دورہ ''سکھر کھیوڑہ'' وغیرہ پر چلا گیا۔ سکھر میں قیام کے دوران ایک عجیب واقعہ یہ ہوا کہ رات تقریباً سحری کو ایک خوفناک گریہ وزاری کی آواز سنائی دی جیسے کوئی بلند آواز سے بین کررہا ہو۔ میں سنتا رہا، خاموش رہا۔ صبح غلام حسین نامی ایک شخص مسجد میں میرے پاس آئے کہ تم نے بھی سنی ہوگی ایک مہیب آواز رونے کی جو گاؤں سے آرہی تھی۔ چند اور لوگ جو وہاں موجود تھے انھوں نے بھی تصدیق کی لیکن سب حیرت زدہ رہ گئے کہ گاؤں میں تو سب خیریت ہے۔ یہ مغرب سے کیسی آواز آرہی تھی یاللعجب۔ اگلے روز صبح حسب معمول کھیوڑہ چلا گیا۔ یہ وہی دن تھا کہ جس رات والدہ محترمہ بیمار ہوئیں۔ رات تقریباً دو بجے کا وقت تھا کہ حافظ فیض محمد نے دروازہ کھٹکھٹایا اور کہا کہ تمہاری والدہ صاحبہ سخت بیمار ہیں اور مجھے حکم دیا ہے کہ فوراً گاڑی لے جاؤ اور مطلوب الرسول کو کھیوڑہ سے لے آؤ۔ چنانچہ میں اسی وقت تمام ساتھیوں کو وہاں چھوڑ کر گاڑی پر سوار ہوکر گھر پہنچا۔ ڈاکٹر مسعودالرسول بمع ہمشیرہ حفظہ جبیں بھی پہنچ گئے۔ انکی تحقیق کیمطابق ہارٹ اٹیک تھا۔ چنانچہ صبح

Marfat.com

ہوتے ہی دو گاڑیوں میں سوار براستہ ''کٹھہ'' سرگودہا ہسپتال کے لیے چلے۔ میں دوسری گاڑی میں تھا۔ موضع منگوال سے گزر کر مجھے اپنی گاڑی میں بلا لیا۔ بات کرنے کی سکت نہ تھی ویسے ہاتھ کے اشارے بمع ہلکی سی مسکراہٹ پہاڑ کی طرف کرتے تھے۔ ہم سمجھے کہ پہاڑ کی شادابی اور رنگینی سے محفوظ ہو رہے ہیں لیکن دراصل روحانی غیبی ارواح آپکو نظر آتے ہونگے جو اس وقت استقبالی صورت میں موت سے کچھ پہلے ہر صاحب نسبت کو دکھائی دیتے ہیں۔ ورنہ ان نزع کی حالت میں شادابی کیسی اور رنگینی کیسی! جب ہمارا قافلہ خوشاب پہنچا تو حضرت والدہ صاحبہ کی حالت غیر ہوگئی۔ وہ تو گھر سے چلنے کے وقت ہی فرماتے تھے کہ دیکھئے مجھے سرگودہا کیسے پہنچاتے ہو؟ لیکن ہمارے اصرار پر وہ خاموش ہوگئے اور ہمارے ساتھ چل پڑے تھے۔ خوشاب ہسپتال لیکر پہنچے ہی تھے کہ آخرکار اس پیکر خلوص ومحبت نے اپنی حیاتِ مستعار سے تقریباً **74** برس کے بعد زندگی کے گوناگوں تجربات سے گزرتے ہوئے، بعض انتہائی نامساعد حالات کا مقابلہ پورے صبر وتحمل سے کرتے ہوئے اپنی جان، جان آفرین کے سپرد کردی''۔ **اللھم اغفر لھم ولنا معھم**

(جناب قاری صاحب مرض الموت اور موت کی کچھ آنکھوں دیکھے حالات تحریر خدمت ہیں۔ آپ جو مناسب سمجھیں ان میں سے اپنی تحریر میں شامل کرلیں ورنہ جو کچھ آپ نے لکھا ہے وہی کافی وشافی ہے۔مطلوب الرسول)

آپکے چھوٹے صاحبزادے جناب صاحبزادہ محمد مقصود الرسول صاحب ایس۔پی (ر) کی نظر سے جب یہ سطور گزریں تو انہوں نے بھی نہایت اہم واقعہ کی طرف توجہ دلائی۔ فرمانے لگے''والدہ ماجدہ زندگی کے آخری دنوں میں

Marfat.com

ایک دن فرمانے لگیں کہ اور تو کچھ نہیں ہے البتہ اس بات کا ڈر سا رہتا ہے کہ قبر کی مٹی بہت ٹھنڈی ہوگی اور مجھے تو سردی سے ہمیشہ کمر کے پٹھوں میں تکلیف محسوس ہوتی ہے۔ کیا ایسا ممکن نہیں ہے کہ قبر میں گدا بچھا لیا جائے؟ سننے والے خاموش ہو گئے کیونکہ شرعاً کسی ایسی سہولت کا وفات کے بعد حاصل کرنا کسی کے علم میں نہ تھا۔ بات آئی گئی ہوگئی۔ اتفاق ملاحظہ ہو کہ آپ کا وصال سردیوں میں ہی ہوا اور آپ کے جسد خاکی کو جس چارپائی پر رکھا گیا اس پر نہایت صاف ستھرا روئی کا گدا بھی بچھا ہوا تھا۔ جنازے کی نماز کے بعد جب آپ کا جسدِ مبارک لحد میں اتارا گیا تو بے خیالی میں گدا بھی ساتھ ہی اتر گیا۔ جب قبر بند کر دی گئی اس کے بعد کچھ لوگوں کو یاد آیا کہ ہم نے گدا تو ساتھ ہی اتار دیا تھا، کسی کو یاد ہی نہیں رہا۔ یہ باتیں سنکر کچھ بزرگ حضرات کہنے لگے کہ کوئی حرج کی بات نہیں۔ اگر سہواً گدا بھی قبر میں چھوڑ دیا گیا ہے تو اس میں کسی کوئی قصور نہیں اور نہ اس پر کچھ سوچنے کی ضرورت ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ایک پاک طینت بندی کی ایک معصوم خواہش کو اس انداز سے پورا فرما دیا تھا''۔

جناب حضرت علامہ صاحبزادہ محمد مطلوب الرسول مدظلہٗ نے فرمایا'' کہ والدہ ماجدہؒ کی یہ خواہش اور وصیت تھی کہ میرا جنازہ حافظ عبدالرحمٰن بھیروی پڑھائیں۔ حافظ صاحب مذکور زہد و اتقاء اور اخلاص وللّٰہیت کی اپنی مثال آپ تھے۔ اور ان کا حضرت رابعہؒ سے ایک سسرالی رشتہ بھی بنتا تھا۔ آپ فرماتے ہیں کہ جب وفات کے بعد ہم والدہ ماجدہؒ کی میت لیکر للّٰہ شریف پہنچے تو حافظ صاحب مذکور بغیر کسی اطلاع کے وہاں موجود تھے۔ ہمارے سوال پر حافظ

Marfat.com

صاحب فرمانے لگے کہ میں بھیرے میں تھا اور یوں ہی دل میں خیال آیا کہ بہت دن ہوگئے ہیں للّٰہ شریف حاضری نہیں دی۔ طبیعت میں بے چینی سی محسوس ہورہی تھی چنانچہ میں حاضر ہوگیا۔ حضرت سجادہ نشین صاحب فرماتے ہیں کہ ہم نے انہیں کہا کہ والدہ گرامی قدرؒ کی یہ وصیت تھی کہ جنازے کی نماز آپ پڑھائیں اور اسی لیے اللہ تعالیٰ آپ کو یہاں لے آیا۔ چنانچہ حافظ صاحب موصوف نے نماز جنازہ کی امامت فرمائی۔

Marfat.com

میاں جمیل احمد
ذخیرہ
Marfat.com

محترمہ حافظہ

رحمۃ اللہ علیہا

زینب بی بی

پیدائش ـــــــ 1915ء، رتہ شریف

وصال ـــــــ 17 دسمبر 1996ء، پیر کھارا

عمر ـــــــ 81 سال

Marfat.com

Marfat.com

محترمہ حافظہ زینب بی رحمتہ اللہ علیہا

انسانی معاشرہ مرد اور عورت پر مشتمل ہے عبادات، اخلاق اور معاملات میں جس طرح ایک مرد مسئول ہے۔ اسی طرح عورت بھی جوابدہ ہے۔ دوائرِ عمل کسی حد تک مختلف ہو سکتے ہیں لیکن اپنے اپنے دائروں میں ذمہ داری کا بوجھ دونوں پر یکساں ڈالا گیا۔ البتہ اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض اوقات مرد ایسے ناکارہ ثابت ہوتے ہیں کہ انہیں مرد کہنے میں عار محسوس ہوتی ہے اور بعض اوقات خواتین وہ کارنامے سرانجام دیتی ہیں کہ انسان کا سر فخر سے بلند ہو جاتا ہے۔ بلاشبہ

نہ ہر زن، زن است و نہ ہر مرد، مرد

خداوند پنج انگشت یکساں نہ کرد

اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی ثانی رتویؒ کے گھر کو اپنے گاؤں میں بھی ایک ممتاز حیثیت عطا کر رکھی تھی۔ اس گھر کے تمام افراد بول چال اور طور اطوار میں عام لوگوں سے لگا نہیں کھاتے تھے۔ آپ کے گھر کی چار دیواری یا تو ایک تہذیبی جزیرہ تھی یا پھر ایک ایسی دنیا تھی جو اپنی ہی ذات میں ایک ولایت ہو۔ اور ایک ایسی ولایت جس پر بیرونی معاشرت کا سایہ نہ پڑتا ہو۔ آپ کے بڑے بیٹے جن کا ذکر ہو چکا اور مفتی ثالثؒ جن کا تعارف گزر چکا ہے۔ ان کے علاوہ آپ کی دو بیٹیاں تھیں اور دونوں ہی اپنے اپنے انداز میں بے مثال اور اپنے اپنے حلقوں میں قابلِ تقلید طرزِ زندگی کی مالکہ تھیں۔

آپ کی دوسری بیٹی محترمہ زینب بیؒ جب چار سال کی ہوئیں تو قرآن

Marfat.com

مجید حفظ کرنے کے لیے مسجد کے مدرسے میں جناب استاد فضل کریم صاحب کے پاس جانے لگیں۔ آپ کی طبیعت میں شروع ہی سے کھلنڈرا پن نہیں تھا۔ ہم درس بچوں اور بچیوں سے دوستی بنانا یا گپ شپ لگانا آپ کے مزاج کے خلاف تھا۔ استاد صاحب موصوف نہایت مخلص، سادہ لوح، خاموش طبع اور ولی اللہ انسان تھے۔ طلباء اور طالبات آپ کی سادگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جو سبق اور منزل زبانی سنا رہے ہوتے وہ حقیقت میں زبانی نہ ہوتی بلکہ استاد صاحب جس قرآن مجید کو بیٹھے ہوئے کھول کر سن رہے ہوتے اسی قرآن مجید کو طلباء کھڑے ہوکر دیکھ کر سنا رہے ہوتے ۔استاد صاحب مطمئن ہوتے کہ طلباء بڑی محنت سے قرآن مجید حفظ کر رہے ہیں۔ نادان طلباء استادوں کو کامیاب فریب دہی پر شاد کام ہوتے کہ ہم اپنے داؤ میں کامران ہوگے۔ کم عمری انہیں یہ سوچنے کا موقع نہ دیتی کہ حقیقت میں تو ہم اپنا ہی بیڑا غرق کررہے ہیں۔

اس عام روش سے ہٹ کر محترمہ زینب بیؒ اپنی پختگی مزاج کی وجہ سے فریب دینے کا تصور بھی نہ کرسکتی تھیں۔ وہ محنت سے سبق یادکرتیں اور دیانت داری سے سنایا کرتیں تھیں۔ اس راست روی اور محنت کا نتیجہ یہ ہوا کہ استاد موصوف کے تمام شاگردوں میں سے سب سے زیادہ حتی کہ اپنے بہن بھائیوں سے بھی آپ کو قرآن مجید بہتر حفظ تھا۔

آپ کے گھر میں یہ طریقہ رائج تھا کہ قرآن مجید حفظ کرنے والی بچیاں رمضان المبارک میں نماز تراویح میں ایک جماعت کی صورت قرآن مجید سنایا کرتیں۔ اس طریقہ جماعت میں قرآن مجید سنانے والی حافظہ الگ مصلےٰ پر

Marfat.com

نہ کھڑی ہوتی بلکہ اپنی صف کے اندر ہی درمیان میں کھڑی ہوکر ایک طرح سے امامت کے فرائض انجام دیتی۔ چونکہ عورتوں کی جماعت کا یہ طریقہ برس ہا برس تک جاری رہا اور ان خواتین کی جماعتوں کا میں خود بھی عینی شاہد ہوں۔ امکان یہی ہے کہ حضرت مفتی ثانیؒ نے اس طریقہ جماعت کی تلقین یا اجازت فرمائی ہوگی یا کم از کم ان کی رضامندی سے یہ سلسلہ چلتا رہا۔

جب زینب بیؒ نے قرآن مجید سنایا تو سب گھر والے حتیٰ کہ گاؤں کی تمام بڑی بوڑھیاں بھی حیرت زدہ تھیں کہ یہ نوعمر بچی کس قدر اطمینان سے اور خوشگوار ماحول میں قرآن مجید سنا رہی ہے۔ کبھی سامع اور سنانے والی کے درمیان تلخی پیدانہیں ہوتی جبکہ سابقہ تمام رمضان کے مہینوں میں سننے والی اور سنانے والی حافظ کے درمیان تو تکاراور تکرار رہتی تھی۔ لیکن ان کی مرتبہ ایسا کچھ نہیں تھا۔ اگر کبھی غلطی ہوگئی تو لقمہ آرام سے لے لیا ورنہ اکثر وبیشتر تو سامع کے لیے بولنے کا موقع ہی نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ یہ رمضان المبارک نمازی خواتین کیلیے بہت پر سکون رہا۔

حفظ سے فراغت کے بعد فارسی کتب آپ نے اپنے والد گرامی سے پڑھنا شروع کیں "کریما" اور "پند نامہ عطار" پڑھیں۔ فقہی مسائل جاننے کے لیے آپ نے پنجابی کتب یعنی "عبدالستار اور انواع بارک اللہ" پڑھیں۔ ان دنوں عام دیہاتی مسلمان جنہیں زیادہ تعلیمی مواقع میسر نہ تھے وہ عام طور پر پنجابی کتب ہی سے راہنمائی لیا کرتے اور پنجابی زبان کی معتبر ترین اور مختصر ترین سوال وجواب کی شکل میں فقہ کی ایک کتاب جسکا نام "پکی روٹی" تھا۔ ہر مسلمان کے لیے اس فقہ کی کتاب کو پڑھنا لازمی تھا۔ شاید مادری زبان

Marfat.com

میں لکھی جانے والی کتب کا ہی یہ اثر تھا کہ عام خواتین وحضرات فقہ کے ان تمام مسائل سے واقف تھے جن سے آجکل کے بی اے اورایم اے پاس خواتین وحضرات بھی آگاہ نہیں ہیں۔ بلاشبہ نئی روشنی بہت سے اندھیرے اور جہالتیں بھی اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔

اگرچہ ان دنوں بچیوں کی تعلیم کیطرف کچھ زیادہ توجہ نہ دی جاتی تھی لیکن زینب بیؒ اپنے بڑے بھائی جناب حکیم عبدالرزاق عبرتؔ صاحب سے فرمائش کرکے کتابیں منگوالیا کرتیں۔ اور عبرتؔ صاحب بھی نہایت شفقت سے اپنی بہن کی فرمائش کو پورا کرتے اور کتابیں فراہم کرتے۔ محترمہ زینب بیؒ کا طریقہ یہ تھا کہ وہ اپنی ہم عمر گاؤں کی خواتین کو پیغام بھجوادیتیں کہ نئی کتاب آگئی ہے۔ چنانچہ گاؤں کی عورتیں جمع ہوجاتیں، آپ کتاب کو پڑھتیں باقی خواتین نہایت انہماک سے سنتیں اور تمام مسائل اور واقعات کو یاد کرلیتیں۔ منظوم کتابوں کو آپ نہایت خوش آوازی سے پڑھتیں۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ خواتین اپنے گھروں سے نہایت شوق کے ساتھ اس تعلیمی مرکز کی طرف کھچی چلی آتیں۔ بعض اوقات کچھ ایسے اشعار جو زیادہ پرکشش ہوتے ان کو فرمائش کرکے خواتین باربار سنتیں اور کچھ ذہین اور خوش آواز خواتین آپ کی آواز میں ملا کر پڑھتیں۔ میلاد وغیرہ پڑھنے کا طریقہ ہندوستان کی طرح اگرچہ ہمارے ہاں متعارف نہیں تھا لیکن اپنی افادیت کے لحاظ سے یہ طریقہ بھی کسی صورت ان محافل سے کم نہ تھا۔

غالبًا آپ کے والد گرامی قدر کا اثر تھا کہ محترمہ زینب بیؒ سمیت چاروں بہن بھائیوں میں ایک ایسی کشش تھی کہ لوگ بلا سبب ان کے گرد ہجوم

Marfat.com

کیے رہتے حالانکہ اپنے بہن بھائیوں میں آپ کسی قدر سخت گیر تصور کی جاتی تھیں لیکن جن بیبیوں کا تعلق آپ سے بن جاتا ان کی یہ خواہش رہتی کہ ہم رات دن کے کسی وقت بھی آپ سے جدا نہ ہوں۔ چنانچہ ان کے تنہائی کے اوقات نہ ہونے کے برابر تھے اور یہ ہمہ وقتی بزم آرائی انکے لیے کسی بوجھ کا باعث بھی نہ تھی۔

پندرہ سال کی عمر میں آپ کی شادی اپنے تایا زاد سے ہوگئی۔ آپ کے تایا جان آپ کے لیے نہایت شفیق اور مہربان تھے۔ تایا بھتیجی میں قدرِ مشترک، شوق عبادت اور محبت قرآن کریم تھی۔ آپ کہا کرتیں کہ ''شادی کے تقریباً چار سال بعد انیس سال کی عمر میں ایک رات سحری کے وقت تایا جان کو وضو کے لیے گرم پانی کی ضرورت تھی۔ مجھے آواز دی کہ بیٹا پانی گرم کرو، میں اٹھی، چولھے پہ پانی رکھا اور آگ سلگا کر دوبارہ لحاف اوڑھ کر لیٹ گئی۔ جب تایا جان نے مجھے لیٹتے ہوئے دیکھا تو حیرت اور تنبیہ کے انداز میں کہنے لگے کہ بیٹا یہ نفلوں کا وقت ہے یا سونے کا! یہ سن کر میں ایک دم اٹھ کر بیٹھ گئی۔ وضو کیا، تہجد ادا کیے اور کچھ تسبیحات پڑھنے کے بعد نماز فجر سے پہلے کچھ آرام کی غرض سے لیٹ گئی''۔ اور پھر تہجد کا یہ سلسلہ انیس سال کی عمر سے لیکر اسی سال کی عمر تک بغیر کسی تعطل کے جاری رکھا۔

یہاں آپ کے ہاں دو بیٹے تولد ہوئے۔ حاسدین کی ریشہ دوانیوں اور بڑی بوڑھیوں کی بے بنیاد کشمکش کی بناء پر آپ کو چاروناچار بصورت ناراضگی اپنے میکے منتقل ہونا پڑا۔ ایسے خانوادے جن کے ہاں خادموں اور معتقدین کی کثرت ہوتی ہے وہاں طرفین کی طرف سے بات کا بتنگڑ اور تنکے

Marfat.com

کا شہتیر بنا کر خدام خواتین وحضرات اپنا آپ اہم ثابت کرنے کے لیے صاحبان خانہ یا صاحبات خانہ کے سامنے پیش کیا کرتے ہیں۔ بالعموم ممتاز حیثیت رکھنے والے افراد کے صرف کان ہوتے ہیں، آنکھیں نہیں ہوا کرتیں۔ چنانچہ یہ ناراضگی طویل سے طویل تر ہوتی چلی گئی۔ ناراضگی کے یہ بارہ سال آپ کے لیے اس لحاظ سے تو بہت ہی بھاری تھے کہ آپ کے دونوں بیٹے اپنے دادا جان اور دادی جان کے پاس تھے اور بارہ سالوں میں شاید آپ اپنے بچوں سے بارہ مرتبہ بھی ملاقات نہ کرسکی ہونگی۔ کیونکہ بچوں کے والد اور دادی جان کا کنٹرول کسی مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر سے ہرگز کم نہ تھا۔ لیکن آپ کو اللہ تعالیٰ نے بڑی صابر طبیعت سے نوازا تھا۔ عبادات آپکا سہارا تھیں، تلاوت کلام پاک آپ کے سکون کا سبب تھی اور طبیعت میں خود داری اس حد تک تھی کہ باطنی کرب اور ٹوٹ پھوٹ کے باوجود ایک دن بھی کوئی پریشانی کا ایک لفظ تک بھی کبھی اپنی والدہ صاحبہ یا والد گرامی کے سامنے زبان پر نہ لائیں۔

جب مکمل علیحدگی ہوگئی تو غالباً آپ کی بڑی بہن صاحبہ جو للّہ شریف میں تھیں، اپنی بہن کی طرف سے بہت زیادہ فکر مند رہنے لگیں اور انہوں نے کوشش کرکے اپنی چھوٹی بہن کا عقد ثانی پیرکھارا شریف کے سجادہ نشین پیرامیر شاہ صاحب سے کرادیا۔ میں نے دیکھا کہ آپ کے والد گرامی مفتی ثانی حضرت عطا محمدؒ اس نکاح والے دن شدید ذہنی دباؤ کا شکار تھے۔ حتیٰ کہ آپ کے چہرے کا رنگ سانولا ہوگیا تھا۔ دراصل آپ کو اپنی دونوں بیٹیوں سے بے انتہا محبت تھی اور ان کی جدائی آپ کے لیے سخت تکلیف کا باعث تھی۔

آپ نے زمانہ ناراضگی میں اپنے والد گرامی قدر سے سلوک نقشبندیہ

Marfat.com

کی تکمیل کر لی تھی۔ اور آپ ہر روز تخلیے کے اوقات عبادات میں خواتین کے لیے جو بارہ لطائف نصاب تصوف میں مقرر کیے گئے ہیں ان کو دہرایا کرتیں اور روشن رکھتیں۔ انہیں باطنی لطائف پر اس قدر عبور اور رسوخ حاصل ہو چکا تھا کہ والد گرامی قدر کی طرف سے آپ کو اجازت تھی کہ نو وارد خواتین کو آپ لطائف کی تکمیل کرائیں۔ چنانچہ ذکر خفی کے حلقے آپ کے ہاں باقاعدگی سے ہوا کرتے۔ اگرچہ ان زیر تربیت خواتین کو باطنی تعلیم آپ اس وقت دیا کرتیں جب آپ کے والد گرامی قدر موجود نہ ہوتے ورنہ مفتی ثانیؒ کی موجودگی میں خواتین کے لیے تزکیہ باطن کے یہ حلقے آپ ہی سے فیض و برکت حاصل کیا کرتے۔ جن میں آپ کی بیٹی صاحبہ اور زوجہ محترمہ بھی دوسری خواتین کیساتھ مراقب ہوا کرتیں۔ گویا کہ محترمہ زینب بیؒ صاحبہ کے کام کی نوعیت کچھ اس طرح سے تھی جیسے کوئی استاد کی غیر حاضری میں ہم درسوں کا سبق سن بھی لیتا ہے اور کچھ مزید سبق پڑھا بھی دیا کرتا ہے۔ غالباً لطائف کی روشنی بھی کسی ڈرائی بیٹری کی طرح محتاج یعنی اسے وقتاً فوقتاً کسی بڑے پاور اسٹیشن سے مربوط رکھ کر تازگی لانا پڑتی ہے اور یہ بات معلوم عام ہے کہ مفتی اعلیٰ امام الدینؒ نے اپنے دو بیٹیوں کی صورت میں دو طاقتور پاور اسٹیشن فضائے رتہ شریف میں قائم فرما دیئے تھے۔

محترمہ زینب بیؒ صاحبہ پیر کھارا شریف کے ماحول میں جب وارد ہوئیں تو یہاں کا ماحول ان کے لیے انتہائی نامانوس، اجنبی اور بیزار کر دینے والا تھا۔ عام طور پر پیروں اور پیر خانوں سے متعلق روایات کے زوال پذیر ہونے کے باوجود یہ توقع کی جاتی ہے کہ پیروں کے ہاں کسی نہ کسی صورت اور

Marfat.com

کسی بھی درجے میں تبلیغ دین کا کام اور تربیت اخلاق عوام اور تزکیۂ باطن کے انتظامات لازماً موجود ہونگے۔ آپ چونکہ جس ماحول سے نکل کر یہاں پہنچی تھیں وہاں پر تو ان اشغال کے علاوہ زندگی کا مقصد کچھ تھا ہی نہیں۔ اگر چہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ پیر کھارا شریف کے پیرانِ عظام کے جدِ امجد جو طریقہ قادریہ کے کامل مرشدومربی تھے۔ اور ان کے تربیت یافتہ افراد ایک عرصے تک اسلامی آداب واخلاق کی عامتہ الناس کے لیے ایک نمونے کی زندگی گزارتے رہے۔ لیکن بتدریج مقاصد اور ترجیحات بدلتی چلی گئیں۔ اور جب محترمہ زینب بیؒ صاحبہ وہاں پہنچیں تو اس وقت پشتینی پیروں کے ماحول میں حضرت پیر کرم شاہ صاحبؒ کا ذکر خیر بھی تھا، ان کی کرامات اور کمالات کے متعلق بھی بتایا جاتا، ان کے احسانات اور ان کے اولاد کی برتری کے قصے بھی عموماً بیان کیئے جاتے۔ لیکن خود حضرت پیر کرم شاہ صاحبؒ جس ذات باری کے ذکر خیر کو پوری زندگی شب وروز سینے سے لگا کر اعمال صالح پر عمل پیرا رہے۔ جسکی یاد اور جس کی اطاعت نے ایک عام انسان کو مجسمہ کرامات اور مینارہ نور بنادیا۔ اس ذات پاک سے آپ کے اخلاف کا کوئی واسطہ نہ رہا۔ اس ماحول میں اللہ اور اسکے رسول ﷺ یا صحابہ کرام کا ذکر سننے کے لیے کان ترستے تھے۔ پیروں کے ہاں نماز کے لیے نہ وقت تھا نہ فکر تھی۔ گاؤں میں تین مسجدیں تھیں اور تینوں مرثیہ سنج۔ پیروں کو اگر فکر تھی تو صرف مزار پر آئے ہوئے عطیات کو سمیٹنے اور ہتھیانے کی اور ان کو فخر تھا تو صرف اس بات کا کہ مزار کی طرف جانے والا فلاں بکرا ہم نے راستے میں سے ہی اچک لیا یا مزار پر آئی ہوئی رقم لوگوں کی نظریں بچا کر یوں اڑائی۔ اور اس کاروبار ناہنجار میں

Marfat.com

پیروں کے بچے اور بزرگ سبھی شامل تھے۔کوئی شخص دین واخلاق کی تلقین کرنے والا نہ تھا۔ اگر علامہ اقبال زندہ ہوتے اور پیر کھارا کے اس ماحول کو دیکھتے تو ان پر یہ حقیقت کھل جاتی کہ عقابوں کے نشیمن زاغوں کے تصرف میں نہیں ہیں بلکہ ڈاکوؤں کے قبضے میں ہیں۔ واقعتاً وہ دور نامسعود عام مسلمانوں کیلیے اور خود صاحب مزار کے لیے ایک تکلیف دہ دور تھا۔

اس کرب ناک ماحول میں حضرت زینب بی صاحبہؒ پہنچتی ہیں، حالات کی ناہمواری سے پریشان ہیں مگر اللہ تعالیٰ انہیں اس معاشرت کا رنگ ڈھنگ بدلنے کے لیے صبرواستقامت کی وافر صلاحیتوں سے نواز دیتا ہے۔ وہ نمازوں اور نوافل میں مزید طمانیت اور سرور قلب حاصل کرنے لگتی ہیں۔ ان کی عبادات کو دیکھ کر ابتداء میں گھر والے اور ملنے ملانے والے انہیں ایک ناکارہ انسان سمجھ کر مذاق اڑاتے ہیں اور مختلف نام رکھتے۔ جہالت انہیں قدردوانی کی بجائے احساس ناگواری میں مبتلا کردیتی ہے۔ لوگوں کے خیالات اور جذبات سے آپ باخبر تھیں لیکن ناموافق حالات میں بے صبراپن دکھانا یا کسی ناکارہ انسان سے متنفر ہوکر کنارہ کش ہوجانا اہل تصوف کا شیوہ نہیں ہے۔

استقامت طوفانوں کا رخ موڑدیتی ہے اور آپ کے اعمال کی پختگی نے بھی جہالت کے سیلاب کا دھارا بدل دیا۔ ایک عرصے تک اپنے عمل کی سچائی کیساتھ ساتھ آپ مسلسل حلقہ خواتین میں اور خواتین کے ذریعے مردوں میں تبلیغ دین کے فرائض انجام دیتی رہیں۔ اور اس عملی اور قوی تعلیم دین کے اثرات آہستہ آہستہ اپنے پیر جمانے لگے اور جہالت کا اندھیرا سکڑنے لگا۔ تعجب ہے کہ ایک خاتون ہوکرامور خانہ داری تو ان کے لیے صرف ایک جزوقتی

Marfat.com

کام تھا۔ البتہ اصلاح اخلاق واعمال کے لیے ان کے شب وروز کے سارے اوقات وقف تھے۔ رفتہ رفتہ خواتین میں نمازیں رواج پانے لگیں۔ لوگوں کی زبان پر حضرت پیر کرم شاہ صاحبؒ کے ذکر کے ساتھ ساتھ اللہ اور اسکے رسول ﷺ کا ذکر بھی آنے لگ گیا۔ وہ پیر حضرات جو اپنی غفلت پر مطمئن تھے اب بے چینی اور ندامت محسوس کرنے لگے۔ آپ نے گھر میں بیٹھ کر اور پردے میں رہ کر خواتین کے ذریعے ان کے مردوں کو مسجد کی راہ دکھائی۔ اور مساجد کی آبادی کی اہمیت ان کے ذہن نشین کرائی۔ مسجد میں رمضان المبارک کے اوقات سحری اور افطاری کے لیے نقارہ منگوا کر رکھوایا اور للّہ شریف سے حافظ بلا کر رمضان المبارک میں کم از کم پنج وقت نمازوں اور تراویح کا نظم قائم کرایا۔ اور آپ ہی کی وجہ سے گاؤں والوں کے دلوں میں رمضان المبارک کی موجودگی کا تصور بیٹھا۔ آپ کی مسجد کی آبادی کا اثر دوسری مساجد پر بھی ہوا اور وہ لوگ بھی دیکھا دیکھی دینی معاملات میں سرگرمی دکھانے لگے۔ اور پیر کھاراشریف کی اپنے اصل کی طرف لوٹنے کے عمل کی ابتداء ہوگئی۔

آپ مکمل طور پر داعیانہ صفات کی مالک تھیں۔ احترام آدمیت آپکی فطرت تھی، ہرآنے والی خاتون کی آؤ بھگت کرتیں، اس کے دکھ سکھ کی کتھا سنتیں، اس کی تکلیفوں کے ازالے کی کوشش کرتیں اور بے نماز خواتین کو نماز کی تلقین کرتیں اور نمازی خواتین کو اضافی وظائف پڑھنے کو بتاتیں۔ ملنے والیوں کا آپ کے پاس ہجوم رہتا۔ سب کے ساتھ آپکا برتاؤ ہمدردی پر مبنی تھا۔ البتہ نیک لوگوں کی نیکی کی قدر کرنا اور ان کے لیے خصوصی محبت کا پیدا ہوجانا ایک فطری بات تھی۔ آپ کا اپنی خادماؤں سے سلوک نہایت مشفقانہ ہوتا۔

Marfat.com

لیکن اگر کوئی بے نماز خاتون ہوتی تو وہ مسلسل اس کو نماز کی تلقین کرتی رہتیں ، تنبیہ کرتی رہتیں اور جھڑکتی رہتیں اور اس معاملے میں آپ نے مستقل طور پر کسی بے نماز کو برداشت نہ کیا اور کسی بے دین سے آپ نے تادم آخر سمجھوتا نہ کیا۔ ہمارا واسطہ اگر کسی ایسے انسان سے ہو جو فرائض کی ادائیگی میں تساہل سے کام لیتا ہو تو ہم جیسے لوگ دو چار مرتبہ اسے ادائیگی فرائض کے متعلق کہیں گے۔ وہ بات سن کر اگر عمل کرنا شروع کر دے تو بہت اچھا ہے ورنہ اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں گے۔ لیکن آپ کی لغت میں دینداری پر سمجھوتے کا تصور ہی موجود نہ تھا۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کی محنت سے برسوں کے بگڑے ہوئے سنور گئے اور مدتوں کے بے نمازی، نمازی ہو گئے۔

آپ کی یہ کوشش ہوتی کہ جو بھی بچی یا خاتون آپ کے ہاں رہ رہی ہے وہ کچھ نہ کچھ علم حاصل کرتی رہے۔ دین کی مبادیات سے آگاہ ہو اور امور خانہ داری کا ہر وہ کام اسے سکھایا جائے جو اس کو مستقبل میں کام آنے والا ہو اور آپ نے بلاشبہ اخلاق و آداب اور ضروری تعلیم سے بے شمار بچیوں کو آراستہ کیا۔

پیر کھارا شریف میں عقد ثانی سے آپ کے ہاں ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہوئی ۔ جن کی تعلیم و تربیت کا آپ نے اپنے بل بوتے پر انتظام کیا۔ آپ کے معزز شوہر حضرت پیر امیر شاہؒ سجادہ نشین پیر کھارا شریف اسلامی آداب واخلاق اور مرشد انہ رنگ روپ کی پیر کھارا شریف میں واحد مثال تھے۔ حضرت پیر صاحب موصوف کو جلال پور شریف سے دستار خلافت حاصل تھی۔ آپ انتہائی زیرک نامور حکیم تھے، فارسی پر خاصی دسترس حاصل تھی. حکمت کی

Marfat.com

باریکیوں سے آگاہ تھے اور طب کی زیر استعمال کتب انہیں ازبر تھیں۔ چنانچہ مریدین کے علاوہ مریضوں کا بھی کثرت سے آپ کے ہاں آنا جانا رہتا اور عوام کالانعام اور مستورات کی کثرت سے آمدورفت نے محترمہ زینب بیؒ کے لیے تبلیغ دین کا دائرہ وسیع کر دیا تھا۔

آپ اپنے بچوں کی تعلیم وتربیت کی طرف سے بھی کبھی غافل نہ رہیں۔ پیر کھارا شریف میں تعلیم کا کوئی موقع نہ تھا لیکن آپ نے گھریلو الجھنوں کو جو تعلیم کے راستے میں حائل ہوسکتی تھیں کبھی اہمیت نہ دی۔ بچوں کی تعلم کی غرض سے ضرورت کے مطابق آپ مقامات رہائش تبدیل کرتی رہیں اور حضرت پیر صاحب موصوف نے ابتدا میں کسی قدر ناگواری کے ساتھ اور بعد میں نہایت خوش دلی کے ساتھ بھرپور تعاون کیا۔ جس کا نتیجہ یہ سامنے آیا کہ آپ کے بیٹے طارق محمود پیرزادہ وکالت پاس کرنے کے بعد تحصیلدار منتخب ہوئے اور بعد میں ایم اے کا امتحان پاس کیا جو ان دنوں ڈپٹی کمشنر کے عہدے پر فائز ہیں۔ نیز طارق محمود ہی کی کوششوں سے پیر کرم شاہ صاحبؒ کا مزار مبارک آلودہ لوگوں کی دخل اندازیوں سے پاک ہوچکا ہے۔ مزار کے قرب میں حفظ وتجوید کا درس قائم ہوچکا ہے۔ آئندہ چل کر یہ مدرسہ دینی اور دنیاوی تعلیم کی ہم آہنگی کے ساتھ ایک شاندار اکیڈمی کی صورت اختیار کرنے والا ہے۔ مزار اور مدرسے کے بالکل متصل ایک عظیم الشان مسجد کا خاکہ تیار ہوچکا ہے۔ یہ سارا انقلاب پیرزادہ صاحب موصوف کی بدولت برپا ہورہا ہے لیکن پیرزادہ صاحب کی فکرونظر کا یہ انقلاب دراصل مرہون منت ہے محترمہ، قاریہ، حافظہ، عابدہ، داعیہ زینب بی صاحبہؒ کے فیضان نظر اور تربیت وتعلیم کا۔

Marfat.com

آپ کی بیٹی ربیعہ تسنیم صاحبہ پشاور یونیورسٹی سے امتیازی پوزیشن میں ایم اے اسلامیات کرنے کے بعد گورنمنٹ گرلز کالج چکوال میں اسلامیات کی پروفیسراور وائس پرنسپل ہیں۔علمی قابلیت اور فطری صلاحیتوں کی بناء پر طالبات کے لیے وجہ محبت وکشش ہیں۔ گھریلو معاملات میں اور لوگوں کے ساتھ میل جول میں اپنی والدہ ماجدہ کی صحیح تصویر اور جانشین نظر آتی ہیں۔ توقع ہے کہ ان کی داعیانہ صفات بھی وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی اور نکھرتی چلی جائیں گی۔

حضرت پیرامیر شاہ صاحبؒ کے وصال کے بعد اپنے چھوٹے بھائی جناب عبدالقدوس ہاشمیؒ کے ساتھ حج پر تشریف لے گئیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آپ نے تمام ارکان حج نہایت اطمینان سے ادا کیے۔ حج سے واپس آنے کے بعد آپ کچھ علیل رہنے لگ گئیں۔ نزلہ وزکام کا مرض شاید ورثے میں ملا تھا۔ جس کے سبب سے اور کچھ غلط دواؤں کے استعمال کی بناء پر آپ کو دمے کا مرض لاحق ہوگیا اور بیماری کی کمزوری کے باوجود آپ دوبارہ عمرے کے لیے تشریف لے گئیں۔ آپ کے بیٹے طارق محمود پیرزادہ اور بیٹی ربیعہ تسنیم نیز بہو عذرا پیرزادہ (جو کہ ضیاء ملت حضرت پیر کرم شاہ صاحب الازھری بھیرویؒ کی بھانجی ہیں) بھی ساتھ تھیں۔ دمے کا علاج برسوں چلتا رہا اور آخر کار وہ امر واقع ہوا جس سے گریز کا راستہ کسی ذی روح کے لیے موجود نہیں ہے۔ اور اس منزل مقصود کو پانے کے لیے آپنے تمام صلاحیتوں کو ساری زندگی مصروف عمل رکھا ۔ اور تمام عمر آرام اور سکون قربان کرکے دار آخرت کی بھلائی کو مقدم جانا اور اکیاسی سال کی عمر عزیز میں ان گنت لوگوں

Marfat.com

کی تربیت اور راہنمائی فرما کر اپنی جان، جان پیدا کرنے والے کے سپرد فرما دی۔

الھم اغفر ھا وار حمھا وانت خیر الراحمین

جنازے کی نماز آپ کے بھانجے پیر طریقت حضرت الحاج علامہ حافظ صاجبزادہ محمد مطلوب الرسول صاحب (سجادہ نشین للہ شریف) نے پڑھائی۔آپکے جنازے میں بے شمار لوگوں کے ساتھ ضیائے ملت حضرت پیر کرم شاہ الازہریؒ بھی شامل تھے۔ آپکی آخری آرام گاہ حضرت پیر کرم شاہؒ (ٹوپی والے) کے روضے کے جنوب میں زیارت گاہِ خاص وعام ہے۔

Marfat.com

محترمہ حافظہ

منور بی

رحمۃ اللہ علیہا

پیدائش ــــــــ یکم مئی 1921ء، رتہ شریف

وصال ــــــــ 16 فروری 1997ء، چکوال

Marfat.com

Marfat.com

محترمہ حافظہ منور بی رحمتہ اللہ علیہا

آپ مرشد ثانی قاری الحاج حضرت دین محمد رحمتہ اللہ علیہ کی اکلوتی بیٹی تھیں۔ آپ کو فطری اوصاف اور ناک نقشہ اپنے والد گرامی کی طرف سے اور رنگت کا اجلا پن والدہ ماجدہ کی طرف سے ورثے میں ملا تھا۔ آپ بچپن سے ہی خاندان کی تمام افراد کی چہیتی اور پھول سی گڑیا تھیں۔ انتہائی لاڈ پیار کے باوجود آپ کی طبیعت میں نہ صرف یہ کہ کسی طرح کی کوئی ناہمواری پیدا نہ ہوئی۔ بلکہ اہل خاندان کی خصوصی توجہات انتہا درجے کی سلامتی طبع بدرجہ اتم پیدا کردی تھی۔ آپ کی شخصیت کی یہ جاذبیت تھی کہ آپ کی چچا زاد دونوں بہنیں آپ سے اسطرح کا پیار کرتی تھیں جیسے کوئی ماں اپنے بچوں سے کرتی ہو۔

آپ کو سوا چار برس کی عمر میں حضرت حافظ عبدالکریمؒ کے پاس مسجد میں بھیجا جانے لگا۔ آپ نہایت معصومیت اور پاکیزہ طور طریقوں کے ساتھ حفظ کلام پاک کے عمل میں مشغول ومصروف رہیں۔ آپ کی زبان عربی حروف کے مخارج کے لیے خلقی طور پر موزوں واقع ہوئی تھی۔ خوش آوازی آپ کے پورے خاندان کی ایک مشترکہ خصوصیت تھی جس سے آپ نمایاں طور پر بہرہ مند تھیں۔ اور ایک نمایاں سہولت آپ کو یہ حاصل تھی کہ آپ کے والد گرامی قدر ایک ممتاز قاری تھے۔ اور ان کی اعلیٰ درجے کی تلاوت وقرات آپ کے سننے میں آتی رہتی تھی۔ ہمہ وقتی سماعت نے آپ کے لیے قرات قرآن مجید کو مانوس اور سہل بنا دیا تھا۔ یہی سبب ہے کہ آپ کے تمام استاد بہن بھائیوں

Marfat.com

سے آپ کی تلاوت اقرب بہ اصول قرات تھی۔ آپ نے تھوڑے ہی عرصے میں قرآن مجید حفظ کرلیا۔ حفظ کے بعد دینی مسائل سمجھنے کے لیے پنجابی اور اردو کی ضروری کتب پڑھیں اور تیرہ سال کی عمر میں بیاہ کر چکوال پہنچ گئیں۔

میں نے آپ کے چھوٹے صاحبزادے جناب حافظ الحاج قاضی مظہرالحق صاحب سے درخواست کی کہ وہ اپنی والدہ ماجدہؒ کے متعلق ممکنہ معلومات ایک سوانحی خاکے کے طور پر قلم بند کروائیں۔ تاکہ یہ مستند حالات کتابچہ میں شامل کیے جاسکیں۔ چنانچہ انھوں نے کامل مروت سے کام لیتے ہوئے ایک خاکہ مرتب فرمایا جسے ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

بیسویں صدی کی عظیم ہستی استاد جی رتہ شریف والے

قیام پاکستان سے قبل چکوال شہر کے شریف ترین اور معزز ترین خاندانوں میں سے ایک قاضی خاندان تھا۔ جسکے افراد نہ تو قطب شاہی اعوان تھے اور نہ ہی سادات، یہ لوگ نہ قریشی تھے اور نہ ہی ہاشمی۔ البتہ اپنی شرافت، لیاقت، ذہانت اور دینداری کے سبب مائر منہاس ہونے کے باوجود نہ صرف شہر میں بلکہ علاقہ بھر میں عزت اور قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے۔ اپنے معاشرہ کے ہر میدان کی صف اول ہی میں دکھائی دیتے۔ علمی میدان میں ان میں سے چھوٹے بھائی کی خدمات نا قابل فراموش ہیں۔ انہیں لوگ علامہ صاحب کہتے تھے۔ انکے چچازاد بھائی قاضی غلام ربانی صاحب زبان فارسی کے ماہر تھے اور انہوں نے بے شمار لوگوں کو علوم شرقی سے فیض یاب کیا۔

بھائی قاضی غلام احمد صاحب وکالت پیشہ تھے۔ یہ عدالتوں میں

Marfat.com

حقداروں کو حق دلاتے اور میدان سیاست میں بھی علاقہ بھر کے امام تھے۔ قاضی برادران میں تیسرے بھائی عمر میں علامہ صاحب اور وکیل صاحب سے بڑے تھے۔ یہ تھے قاضی غلام مہدی صاحب جو بڑے تجربہ کار اور انگریزی زبان کے مدرس تھے۔ خدمت خلق ان کا مشغلہ تھا اور نہایت ہی ہر دلعزیز شخصیت تھے۔ اپنی کتاب ''عمر رفتہ'' میں انکا تعارف کراتے ہوئے صاجبزادہ محمد مقصودالرسول صاحب یہاں تک کہہ گئے

کی جس سے بات، اس نے ''محبت'' ضرور کی!

ان کے فیض یافتگان میں سے ایک قاری عبیداللہ ہاشمی صاحب بھی ہیں جو مرحوم سے متعلق بے شمار خوش گوار یادیں رکھتے ہیں اور انہیں باضابطہ تحریری شکل میں مرتب کرنے کا پکارا ادہ رکھتے ہیں ۔ خدا کرے عدیم الفرصتی زیادہ مائع نہ ہواور وہ یہ کارنامہ سرانجام دے کر اپنے شاندار کارناموں میں اضافہ کرسکیں آمین ۔ قاری صاحب نے موصوف کوقریب سے دیکھا ہے کیونکہ مرحوم انکے پھوپھا تھے اسلئے قاری صاحب کے کردار اور گفتار میں انکی جھلک نظر آتی ہے ۔

1934ء میں قاضی غلام مہدی صاحب کی اہلیہ (والدہ قاضی منظور الحق) وفات پاگئیں ۔ کچھ وقت کے بعد انکے برادر ان خورد جناب وکیل صاحب اور علامہ صاحب نے اپنے برادر بزرگ کے عقد ثانی کیلئے موزوں اور مناسب رشتہ کی تلاش شروع کردی۔ اسی جستجو اور تلاش میں ہردو برادران نے رتہ شریف کے قابل فخر فقیر اور درویش باصفا الحاج والحافظ جناب مفتی دین محمد صاحبؒ کے درِاقدس پہ حاضری دی۔ جنھوں نے کمال مہربانی سے انکی

Marfat.com

درخواست کو سنا اور فرمایا گو کہ آپکے برادر بزرگ عمر میں میری بیٹی سے 23 سال بڑے ہیں اور شادی بھی انکی دوسری ہو رہی ہے۔ بہر حال یہ چیزیں میرے نزدیک کوئی وقعت نہیں رکھتیں۔ البتہ سر دست وعدہ نہیں کرسکتا۔ پکی بات اور پکے وعدہ کے لیے مفتی صاحب نے ایک ہفتہ بعد آنے کو فرمایا۔ جب ہفتہ عشرہ کے بعد یہ صاحبان رتہ شریف پہنچے تو مفتی صاحب نے بتایا کہ میری بیٹی حافظ قرآن ہے۔ یہ میری اکلوتی بچی ہے اور مجھے دل وجان سے پیاری ہے۔ البتہ میں اسے امانت سمجھتا ہوں اور میں نے اس مہلت والے عرصہ میں جو استخارے کیے ہیں ان سے پتہ چلا ہے کہ آپکے برادر بزرگ اس امانت کے حقدار اور موزوں ہیں۔ چنانچہ شادی کے لیے تاریخ کا تعین ہوگیا نہایت سادگی اور متانت سے یہ تقریب سرانجام پائی اور یوں یہ محترمہ رتہ شریف سے 1934ء میں چکوال پہنچ گئیں انکی ابتدائی زندگی کے حالات گوشہ گمنامی میں پڑے ہیں جہاں تک پتہ چل سکا ہے انکے مطابق یکم مئی 1921ء کو رتہ شریف میں انکی ولادت ہوئی لکھائی پڑھائی کیلئے کسی مدرسہ میں نہیں بھیجا گیا کھانا پکانا سینا پرونا اور رسمی تعلیم کا بندوبست گھر پہ ہوا البتہ حفظ القرآن مجید کیلئے استاد فضل کریم صاحب کے درس کا انتخاب ہوا ۔ استاد صاحب ولی کامل تھے جنہوں نے فقر میں وہ بلند مرتبہ پایا کہ انکے مرشد کریم ''پیر سیال لجپال'' نے انہیں اپنی خلافت سے نوازا رتہ شریف سے چکوال پہنچیں تو خاندان کے بزرگ ترین فرد کی اہلیہ محترمہ کے ناطے سے تمام افراد خاندان سے اماں جی کہوایا ذمہ داریاں زیادہ تھیں اور عمر چھوٹی مہمان نوازیوں کی بھرمار تھی اور تفکرات کی کثرت کے باجود گھبرائی نہیں تھیں بلکہ خندہ پیشانی اور کمال حسن

Marfat.com

وخوبی سے جملہ ذمہ داریوں سے عہدہ برآں ہوئیں انکے والد بزرگوار جب بھی تشریف لاتے انہیں دینداری کا اہتمام رکھنے کی نصیحت کرتے ساتھ ہی قابل احترام شوہر کی دلجوئی اور وفاشعاری کا حکم دیتے یہ محترمہ ساری زندگی قابل احترام والد کے ان قیمتی نصائح پر عمل پیرا رہیں اللہ تعالی نے انہیں تین بیٹے اور دو بیٹیاں عنایت کیں جن میں سے ایک بیٹا اور بیٹی بچپن میں فوت ہو گئے ان دل کے ٹکڑوں کی جدائی پر وقت بہت پریشان گزرنے لگا۔ استاد جی کے والد صاحب جو اس وقت جنت الفردوس کو سدھار چکے تھے انہیں خواب میں ملے اور فرمایا کہ یہ ''تحفۃ قرآن'' ہے اسے لے لیں اور لوگوں کو پڑھائیں اس سے وہ دولت ملے گی جسے کہتے ہیں سکون قلب ۔ قاضی خاندان کی اماں جی نے اپنے والد صاحب کے خواب کے ذریعے پہنچائے گئے حکم پر عمل شروع کر دیا گھر میں بھی پڑھایا، پردیس میں بھی پڑھایا، صبح بھی پڑھایا ، رات کو بھی پڑھایا۔ درس قرآن کو محترمہ نے اوڑھنا بچھونا اور جہاں خاندان والے اماں جی کہتے تھے وہاں شہر اور محلے والوں نے استاد جی رتہ شریف والے کے نام سے پکارنا شروع کر دیا ۔ یہ ان کے ولی کامل والد کی دعا کی برکت تھی اور ان کی قرآن پاک سے محبت کا نتیجہ تھا کہ لوگوں نے کشاں کشاں محبت اور جذبے کیساتھ اپنے بچیوں کو تدریس قرآن کی خاطر ان کے پاس بھیجنا شروع کر دیا صبح سے شام تک یہ سلسلہ رواں دواں رہتا۔ کوئی پڑھنے آ رہا ہے، کوئی پڑھ کر جا رہا ہے۔ قاضی خانہ چکوال کی مخصوص گلی ہر وقت بچوں سے بھری رہتی۔
قاضی صاحب موصوف نے ملازمت سرکار کے سلسلہ میں چکوال کے علاوہ پنڈدادنخان ، بھکر، پنڈی گھیب اور تلہ گنگ میں بھی کئی سال گزارے جہاں

Marfat.com

بھی گئے محترمہ استاد جی بھی ان کے ساتھ ہی گئیں اور ہر مقام پر درس قرآن والے نورانی سلسلہ کو جاری رکھا ۔ **1952**ء میں قاضی صاحب کی مدت ملازمت ختم ہوگئی اور وہ سرکار کے پنشن خوار بن گے۔ بعدازاں اپنے خاندانی قائم کردہ ادارے اسلامیہ ہائی سکول کے منیجر اور ناظم اعلیٰ بن گئے ۔ایسے ادارے چلانے کیلئے بڑی محنت اور قربانی درکار ہوتی ہے قاضی صاحب نے انجمن اسلامیہ اشاعت علوم کو کامیابی سے چلانے کیلئے بڑی مشقت کی۔ راتوں کو سفر کرتے اور دن کو انجمن کے لئے چندہ مانگتے وہ فرمایا کرتے تھے :

بنا کر فقیروں کا ہم بھیس غالب
تماشائے اہل کرم دیکھتے ہیں

ادھر اماں جی خاندان بھر میں سرپرستی فرماتیں۔ نہ صرف بچوں کو تعلیم دیتیں بلکہ ان کی ماؤں کے سماجی مسائل بھی حل کرتیں بڑی عمر والیاں بھی ان سے قرآن مجید پڑھنے لگیں کچھ بچوں کی ماؤں نے بھی ان سے قران پاک پڑھنا شروع کردیا اور دینی مسائل سے واقفیت حاصل کی یہ اپنی پریشانیوں کا اظہار کرتیں اور استاد جی انہیں ان کے مسائل کا حل بتاتیں۔ بچیوں اور بچوں کو نہ صرف قرآنی تعلیم دیتیں بلکہ ساتھ ہی ساتھ دیگر مسائل کی تعلیم کی طرف دھیان دیتیں۔ انہیں نماز کا سبق پڑھاتیں پاکی اور اس کے جملہ مسائل سمجھاتیں۔ ان سے پڑھنے والے اور فیض حاصل کرنے والوں کی تعداد حدوشمار سے باہر ہے۔ ملنسار اور بااخلاق ہونے کی وجہ سے ہروقت مرجع خلائق بنی رہتیں۔

1963ء تک استاد جی کے دونوں بیٹے ملازم ہوچکے تھے۔ بڑے

Marfat.com

بیٹے حافظ ظہور الحق نے ملٹری اکاؤنٹس میں ملازمت اختیار کی اور چھوٹے بیٹے حافظ مظہر الحق نے محکمہ تعلیم میں آبائی پیشہ معلمی اختیار کیا۔ اکلوتی اور استاد جی کی انتہائی پیاری بیٹی عزیزہ بیگم نے مقامی اسلامیہ سکول میں پڑھانا شروع کر دیا عنوان شباب میں قدم رکھتے ہی عزیزہ کی صحب بگڑ گئی قابل احترام والد صاحب نے اس کا بڑ اعلاج کرایا بڑی اماں جی نے بڑی دعائیں کیں منتیں مانگی،صدقات اور خیرات کی کثرتوں کے باوجود ہماری بڑھتی رہی ۔ لیڈی ڈاکٹر نثار ملک نے بڑی محبت سے دوائیں دیں اور جھنگ والے محترم حکیم محمد افضل کی شفقت اور بھرپور توجہ کے باوجود:

ع مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

اور استاد جی کی پیاری بیٹی نے مئی **1967**ء میں داعی اجل کو لبیک کہا اس دردناک اور المناک حادثے کے بعد اماں جی سے اکثر سنا گیا کہ بیٹی کو رخصت ہوئے وقت بیت چکا ہے۔ خوشیوں کے مقابل میرے غم جیت چکے ہیں اور جو زندہ ہوں تو بے روح' افسردہ دل' کسی زندگی سے وہ تبسم گیا' نغمے گئے' سنگیت گئے اور پھر جواں سال فوتیدگی والے حادثے کو اماں جی نے کمال صبر اور خندہ پیشانی سے برداشت کیا ۔اور ان کے دینی معاملات اور فرائض میں کوئی کمی نہ آئی ۔ محترمہ نے بچی کے ایصال ثواب کے لیے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ تک صدقات بھجوانے کا اہتمام کیا ۔فقراء اور محتاجوں کی بھرپور امداد کی اور چونکہ ان کے بچوں نے اپنی شادیوں کے بعد خانگی ذمہ داریاں سنبھال لیں۔ اس لئے استاد جی محترمہ نے اپنا سارا وقت پڑھنے پڑھانے اور یاد خدا میں گزارنے میں صرف کیا۔ اب یہ ہروقت مصلے پر باوضو ہوکر تلاوتیں کرتے

Marfat.com

اور نوافل پڑھتے نظر آتیں۔ سحر خیز بھی تھیں کثرت سے درودشریف پڑھنے والے اماں جی کوخانہ خدا اور روزہ رسول پر حاضری کا شوق توبہت پرانا تھا۔ 1971ء میں دونوں باصفامیاں بیوی کو اکھٹے حج کی سعادت حاصل ہوئی اور وہاں گزارے ہوئے اوقات دونوں کیلئے سرمایہ زندگی بن گے واپس آ کر انہوں نے بتایا کہ مجبوراً واپس آ گئے ہیں البتہ دل وہیں رہ گیا ہے دوبارہ وہاں جانے کوطبیعت چاہتی ہے۔ اس یاد میں وقت گزارا اور دوبارہ وہاں حاضری کا پروگرام بناتے رہے اور اس سعادت کے حصول کیلئے دعائیں کرتے رہے اب 1973ءختم ہوچکا ہے ۔ نئے عیسوی سال 74 کی آج پہلی تاریخ ہے قاضی صاحب نے یہ رات سکون سے گزاری علی الصبح حسب معمول مسجد پہنچے، نماز باجماعت ادا کی اور نمازیوں سے ملے۔ وہ سمجھے کہ آج پھر حسب سابق کسی سفر پر جارہے ہیں۔ بھائیوں کے گھر چکر لگایا، سب سے تپاک سے ملے برادراصغر کے استفسار پر بتایا کہ ٹھنڈی محسوس کررہا ہوں۔ انہوں نے لحاف لپیٹنے کا مشورہ دیا تو فرمایا کہ یہ کام گھرجاکے کروں گا۔ گھر پہنچے، استاد جی سے چائے بنانے کو کہا، کمبل لے کر لیٹے ۔انکے برادر نسبتی مفتی جمال الدین صاحب بھی پہنچ گئے۔ ان سے فرمایا کہ بچے جوان ہیں اور سمجھدار ہیں، میرے ذمے اب کوئی کام تونہیں مفتی صاحب نے جواب دیا کہ آپکے ذمے بڑے کام ہیں، نیز فرمایا کہ ہمیں آپ کی بڑی ضرورت ہے ۔جب چھوٹے بیٹے نے نئے سال کی مبارک باد دی تو اس سے فرمایا کہ میری پنشن لے آؤ پھر فرمایا کہ کیا یہ آخری پنشن ہے؟ بیٹا کہتا ہے کہ آپکی سینکڑوں پنشنیں ہم نے کھانی ہیں۔فرمانے لگے کہ تم مذاق کررہے ہو کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہوئے پہلو

Marfat.com

بدلنے کی کوشش کی اور جنت کو روانہ ہوگئے وصال کے اعلان پر نمازی حیران کہ ابھی ہمیں مل رہے تھے ۔ برادری پریشان تھی کہ داغ یتیمی دے گئے ہر کوئی سرگرداں تھا :

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی
ایک شخص سارے شہر کو ویراں کرگیا

استاد جی نے اسکے بعد اور زیادہ نوافل ادا کرنے اور بہت زیادہ کثرت ریاضت اور عمرزیادہ ہونے کے سبب صحت بگرنے لگی لیکن پھر بھی بچوں کو تدریس اور اپنی دینی عبادات میں فرق نہ آنے دیا ۔استاد جی کی طبیعت میں شروع سے ہی نفاست تھی خوش ذوق او رخوش لباس تھے اپنی طہارت اور کپڑوں کی صفائی کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ کسی کو ملنے جاتے یا کوئی آتا تو انکے حسن انتخاب اور خوش ذوقی سے ضرور متاثر ہوتا۔ پورے شہر کی خواتین سے ان کے مراسم تھے ۔ جمعہ والے روز دور ونزدیک سے دیندار عورتیں ان کی اقتداء میں نماز جمعہ اور نماز تسبیح ادا کرنے آتیں ۔

پچھلے دس سالوں سے روضہ رسول پرحاضری اورخانہ خداکی زیارت کیلئے دعائیں کرنے والے استاد جی کی دعائیں رنگ لائیں اوراب اماں جی مسرت کے نغمے بکھیرنے لگیں کہ آیا ہے بلاوا مجھے دربار نبی سے کبھی فرماتیں:

جسے چاہا در پہ بلا لیا ۔ جسے چاہا اپنا بنا لیا
یہ بڑے کرم کے ہیں فیصلے یہ بڑے نصیب کی بات ہے

اماں جی نے اپنی ذاتی بچت اور ذاتی برکات کے ذریعے اپنی منہ بولی بیٹی آپا زیتون کے ہمراہ **1981**ء میں حج بیت اللہ کی دوبارہ سعادت حاصل کی

Marfat.com

افراد خانہ میں سے کوئی مرد ساتھ نہ تھا بقول قاری عبیداللہ ہاشمی صاحب کے خوش قسمتی سے قاری صاحب سعودی عرب میں تھے، انہیں قاضی صاحب مرحوم خواب میں ملے اور فرمایا کہ اپنی پھوپھی کا خیال رکھنا وہ حج کرنے آئی ہیں چانچہ قاری صاحب موصوف نے کوشش کی اور اللہ نے فضل کیا پھوپھی بھتیجے کی وہاں ملاقات ہوئی اور قاری صاحب کو اس سفر میں دل کھول کران کو پھوپھی صاحبہ کی خدمت کا موقع مل گیا۔ جنہوں نے انہیں بچپن میں اولاد کا پیار دیا تھا دوسری دفعہ حج کی سعادت کے حصول سے شوق میں اضافہ ہوگیا ہروقت سوچ میں رہتے کہ حج پر نہ سہی عمرہ کیلئے جانا ہی نصیب ہوجائے۔ یہ حسرت دل میں رہی، عمر بڑھتی رہی اور ساتھ ساتھ ''ومن نعمرہ ننکسہ فی الخلق'' والا قرآنی اصول بھی اپنا کام دکھا رہا تھا ۔ استاد جی کمزور سے کمزور تر ہوتے گئے۔ اسی کمزوری اور ضعیف العمری کے باجود درس قرآن والا نورانی سلسہ جاری رکھا۔ علاج معالجہ کے سلسلے میں جھنگ والے حکیم صاحب پر بڑا اعتماد تھا۔لیکن جھنگ کا سفرطویل تھا ۔ مقامی ڈاکٹروں میں سے مشتاق شاہ صاحب پر بڑا یقین تھا اور شاہ صاحب بھی ان کا علاج بڑی محبت اور کوشش سے کرتے ۔ ان کے چھوٹے بیٹے کا کہنا ہے کہ:

1997ء میں ابا جی کو مرحوم ہوئے 23 سال گزر چکے تھے اور اب اماں جی اس عمرتک پہنچ چکے تھے۔جہاں پہنچ کر ابا جی مرحوم ہوئے۔ اب اماں جی بھی کوچ کی تیاری میں تھیں۔ 8 فروری کو عیدالفطر تھی، نماز عید کے بعد میں نے ابا جی کی قبر پر حاضری دی۔ گھر پہنچ کر اماں جی سے حاضری کا ذکر کیا ۔ فرمانے لگیں کہ تم نے ابا جی کے پاؤں میں میری قبر کی جگہ دیکھی ؟ میں

Marfat.com

نے یہ بات اس وقت ان سنی کردی مگراس کے صرف ایک ہفتہ بعد 16فروری کا وہ دن آیا جس نے ہماری پیاری اماں جی کو ہم سے جدا کردیا۔ وفات سے چند گھنٹے قبل انہوں نے نماز فجر اشاروں سے ادا کی۔ وفات کے اعلان پر پورا شہر اُمڈ آیا اور ہم نے دیکھا کہ ہرآنکھ اشک بار تھی جنازے میں شمولیت بے شمار خوش نصیبوں نے کی۔ شاگردوں کی چیخیں نکل رہی تھیں تدفین کا عمل انکے برادر بزرگ مفتی جمال الدین صاحب کی تشریف آوری پر مکمل ہوا ہر طرف کہرام مچاتھا اور اولا دمیں سے ہر بچے کے دل سے آواز نکل رہی تھی ۔

دل کا سکون خریدتا میں جاں خریدتا
بازار سے جو ملتی تو میں ماں خریدتا

Marfat.com

پنجگانہ نمازوں کے بعد کے وظائف

(۱)بعد نمازِ فجر 25مرتبہ   استغفراللہ ربی من کل ذنب و اتوب الیہ

ایک مرتبہ سورۃ فاتحہ، تین مرتبہ سورۃ اخلاص

ایصالِ ثواب:۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور حضرت شیخ بہاؤ الدین نقشبندؒ

مراقبہ اور تین سو مرتبہ ذکر   اللہ ھو   دل میں اور پچیس دانوں کے بعد زبان سے کہنا کہ

الٰہی میرا مقصود تو ہے اپنی محبت اور معرفت عطا فرما۔

(۲) بعد نمازِ ظہر: 14مرتبہ   استغفراللہ ربی من کل ذنب و اتوب الیہ

(۳) بعد نمازِ عصر: 14مرتبہ   استغفراللہ ربی من کل ذنب و اتوب الیہ

(۴) بعد نمازِ مغرب: 11مرتبہ درود شریف

(الھما صلِ علیٰ سیدنا محمد و اترتہ بعدد کلِ معلومِ لک)

111مرتبہ یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیاءً للہ پھر 11مرتبہ   درود شریف

(۵) بعد نمازِ عشاء:300مرتبہ مذکورہ درود شریف

نوٹ: علاوہ ازیں تہجد، اشراق، چاشت، اوابین کی پابندی لازمی ہے۔

Marfat.com

ختمِ خواجگان

(سہولت کے مطابق وقت مقرر کر لیں)

1 سات مرتبہ الحمد شریف — ایک سو مرتبہ درود شریف

ستر مرتبہ سورۃ الم نشرح — ایک ہزار مرتبہ سورۃ اخلاص

سات مرتبہ الحمد شریف — ایک سو مرتبہ درود شریف

ایصالِ ثواب:

حضرت شیخ عبدالخالق عجدوانی،محمد عارف ریوگری،خواجہ محمود فغنوی، خواجہ علی رامیتنی،خواجہ بابا سماسی،خواجہ امیر کلال اورحضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندؒ

2 ایک سو مرتبہ درود شریف — پانچ سو مرتبہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ

سو مرتبہ درود شریف

ایصالِ ثواب: حضرت شیخ مجدد الف ثانی سرہندیؒ

3 سو مرتبہ درود شریف

پانچ سو مرتبہ لاالہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین

ایک سو مرتبہ درود شریف

ایصالِ ثواب: حضرت خواجہ محمد معصوم فاروقی سرہندیؒ

4 سو مرتبہ درود شریف — پانچ سو مرتبہ حسبنا اللہ و نعم الوکیل

سو مرتبہ درود شریف

ایصالِ ثواب: حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ

Marfat.com

5	سو مرتبہ درود شریف	ایک سو مرتبہ یا فتح	
	ایک سو مرتبہ یا وہابُ	ایک سور مرتبہ یا رزاق	
	ایک سو مرتبہ یا معذ	ایک سو مرتبہ یا رافع	
	ایک سو مرتبہ یا سلام	ایک سو مرتبہ درود شریف	

ایصالِ ثواب: حضرت خواجہ محمد نقشبندؒ

6	سو مرتبہ درود شریف	پانچ سو مرتبہ یا ارحم الراحمین
	ایک سو مرتبہ درود شریف	

ایصالِ ثواب: حضرت خواجہ محمد زبیرؒ

Marfat.com

شجرہ مفتیانِ رتہ شریف

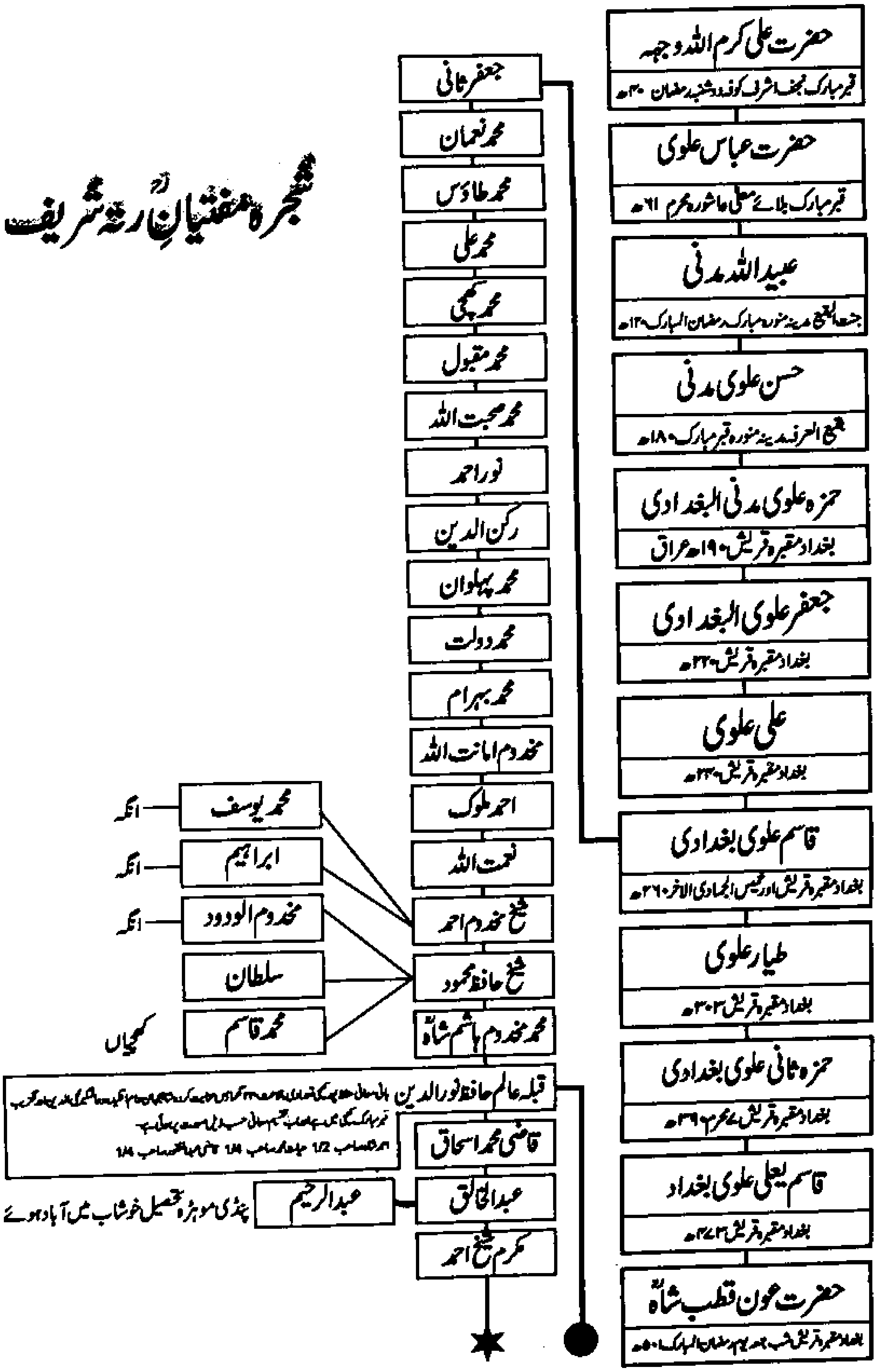

Marfat.com

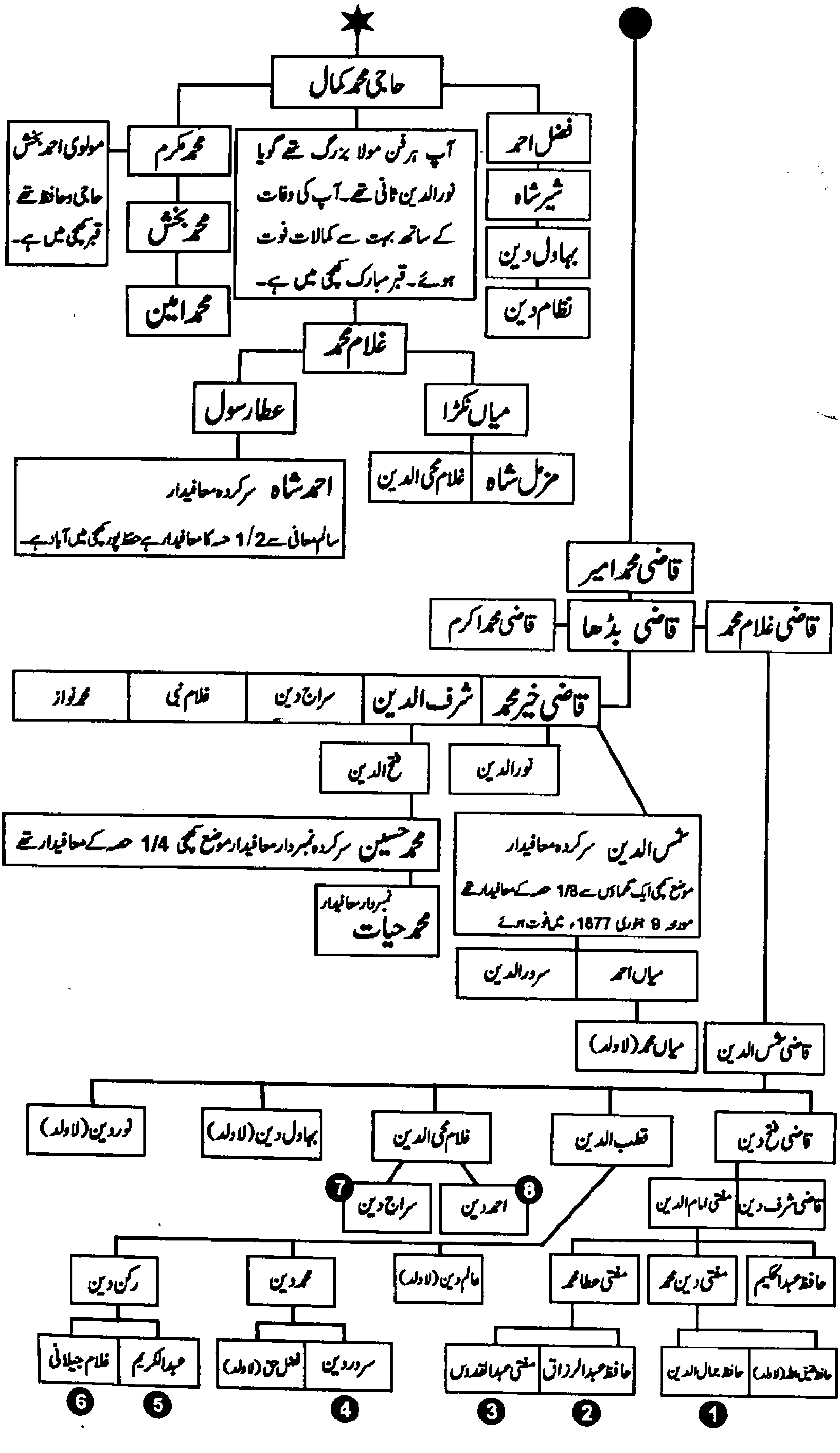

حاجی محمد کمال
فضل احمد
شیر شاہ
بہاول دین
نظام دین
آپ ہر فن مولا بزرگ تھے گویا نورالدین ثانی تھے۔ آپ کی وفات کے ساتھ بہت سے کمالات فوت ہوئے۔ قبر مبارک کھگی میں ہے۔
محمد مکرم
مولوی احمد بخش حاجی وحافظ تھے قبر کھگی میں ہے۔
محمد بخش
محمد امین
غلام محمد
عطا رسول
میاں نکڑا
احمد شاہ سرکردہ معافیدار
سالم معافی سے 1/2 حصہ کا معافیدار ہے حظ پور کھگی میں آباد ہے۔
مزمل شاہ
غلام محی الدین
قاضی محمد امیر
قاضی غلام محمد
قاضی بڈھا
قاضی محمد اکرم
قاضی خیر محمد
شرف الدین
سراج دین
غلام نبی
محمد نواز
نورالدین
فتح الدین
محمد حسین سرکردہ نمبردار معافیدار موضع کھگی 1/4 حصہ کے معافیدار تھے
نمبردار معافیدار محمد حیات
شمس الدین سرکردہ معافیدار
موضع کھگی ایک تہائی سے 1/8 حصہ کے معافیدار تھے
مورخہ 9 جنوری 1877ء میں فوت ہوئے
میاں احمد
سرور الدین
قاضی شمس الدین
میاں محمد (لاولد)
قاضی فتح دین
قطب الدین
غلام محی الدین
بہاول دین (لاولد)
نور دین (لاولد)
8 احمد دین
7 سراج دین
قاضی شرف دین
مفتی امام الدین
حافظ عبدالحکیم
مفتی دین محمد
مفتی عطا محمد
عالم دین (لاولد)
محمد دین
رکن دین
حافظ عتیق اللہ (لاولد)
حافظ جمال الدین
1
حافظ عبدالرزاق
2
مفتی عبدالقدوس
3
سرور دین
4
فضل حق (لاولد)
عبدالکریم
5
غلام جیلانی
6

Marfat.com

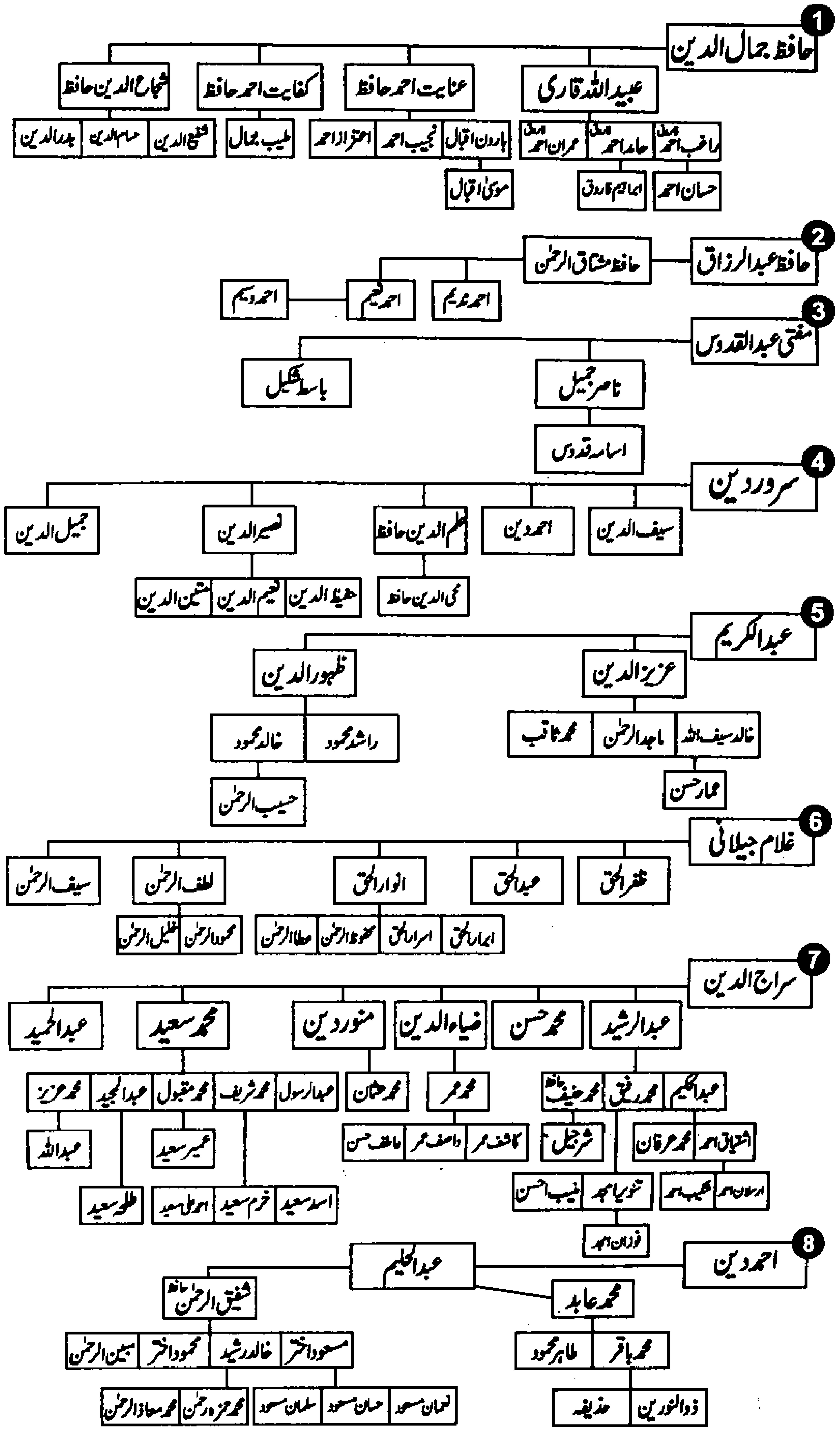
1
حافظ جمال الدین
عبیداللہ قاری
عنایت احمد حافظ
کفایت احمد حافظ
شجاع الدین حافظ
راغب احمد مدنی
حامد احمد مدنی
عمران احمد مدنی
ہارون اقبال
نجیب احمد
اعتزاز احمد
طیب جمال
شفیع الدین
حسام الدین
بدرالدین
حسان احمد
ابراہیم فاروق
موسیٰ اقبال
2
حافظ عبدالرزاق
حافظ مشتاق الرحمٰن
احمد ندیم
احمد نعیم
احمد وسیم
3
مفتی عبدالقدوس
ناصر جمیل
باسط شکیل
اسامہ قدوس
4
سرور دین
سیف الدین
احمد دین
علم الدین حافظ
نصیر الدین
جمیل الدین
محی الدین حافظ
حفیظ الدین
نعیم الدین
متین الدین
5
عبدالکریم
عزیز الدین
ظہور الدین
خالد سیف اللہ
ماجد الرحمٰن
محمد ثاقب
راشد محمود
خالد محمود
عمار حسن
حسیب الرحمٰن
6
غلام جیلانی
ظفر الحق
عبدالحق
انوار الحق
لطف الرحمٰن
سیف الرحمٰن
ابرار الحق
اسرار الحق
محفوظ الرحمٰن
عطاء الرحمٰن
محمود الرحمٰن
خلیل الرحمٰن
7
سراج الدین
عبدالرشید
محمد حسن
ضیاء الدین
منور دین
محمد سعید
عبدالحمید
عبدالحکیم
محمد رفیق
محمد حنیف حافظ
محمد عمر
محمد حسان
عبدالرسول
محمد شریف
محمد مقبول
عبدالمجید
محمد عزیز
اشتیاق احمد
محمد عرفان
شرجیل
کاشف عمر
واصف عمر
عاطف حسن
عمیر سعید
عبداللہ
ارسلان احمد
شکیب احمد
تنویر احمد
منیب احسن
فوزان احمد
اسد سعید
خرم سعید
احمد علی سعید
طلحہ سعید
8
احمد دین
عبدالحلیم
محمد عابد
شفیق الرحمٰن حافظ
مسعود اختر
خالد رشید
محمود اختر
مبین الرحمٰن
محمد باقر
طاہر محمود
ذوالنورین
حذیفہ
نعمان مسعود
حسان مسعود
سلمان مسعود
محمد حمزہ رحمٰن
محمد معاذ الرحمٰن

Marfat.com

ایسا کون ہے؟

☆ جسے الحاج حضرت قاری دین محمد جیسا استاد اور عاشق کلام پاک ملا لیکن استاد کا عکس شاگرد میں دکھائی نہ دیا۔

☆ جسے مفتی اعظم مرشد کامل علامہ حضرت عطا محمد جیسا استاد اور مرشد نصیب ہوا لیکن وہ ظاہر و باطن کے قلوب سے بے بہرہ رہا۔

☆ جسے حضرت الحاج قاضی غلام مہدیؒ جیسا با اخلاق مستعد اور خلق خدا کی خدمت کو عبادت کا درجہ دینے والا استاد اور مربی ملا لیکن وہ کسی بھی وصف کو اپنانے میں ناکام رہا۔

☆ جسے حضرت عابدہ زاہدہ زینب بی جیسی عبادت گزار، صاف باطن، صاف زبان اور وسیع القلب ماں نصیب ہوئی لیکن اس کے مزاج میں کوئی خوبی اجاگر نہ ہوسکی۔

☆ جسے الحاج علامہ حضرت محمد مطلوب الرسول مدظلہ سجادہ نشین للہ شریف کی صورت میں فکر و تصوف کا بحر بیکراں تاعمر میسر رہا لیکن وہ باطن کے کسی کونے کو منور نہ کرسکا۔

ے ہوا نہ سرسبزرہ کے پانی میں عکس سروِ کنارِ جو کا

یہ ہے خاکِ پائے اسلاف

محمد عبیداللہ (قاری)

Marfat.com

Marfat.com

رتہ شریف کا ایک منظر

Marfat.com